

• چار سو سڑستھویں رات

جب چار سو سڑستھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- عورت نے کہا بچہ میری گود میں تھا اور لہریں مجھے تھپیڑے مار رہی تھیں کہ کشتی کے ملاحوں میں سے ایک ڈوبتا اچھلتا میرے پاس پہنچا اور تختے پر سوار ہو کر کہنے لگا، واللہ کشتی میں میرا جی تیری طرف بہت لپکا رہا تھا، اب تو تیرے ساتھ ہوں۔ اب میرا ارمان نکال دے ورنہ میں تجھے اسی سمندر میں پھینک دوں گا۔ میں نے کہا مردود! جو کچھ تو نے دیکھا ہے اس سے تو نے سبق حاصل نہیں کیا؟ اس نے کہا میں نے ایسی باتیں بارہا دیکھی ہیں اور بچ گیا ہوں، مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ میں نے کہا، اے شخص ہم اس وقت بلا میں گرفتار ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اطاعت کے ذریعے اس سے بچیں نہ کہ نافرمانی کریں۔ لیکن وہ اپنی بد ذاتی سے باز نہ آیا تو میں ڈری اور میں نے ارادہ کیا کہ اس کے ساتھ کوئی چال چلوں۔ اس سے کہا کہ ذرا ٹھہر جا، بچہ سو جائے۔ اس نے بچے کو میری گود سے لے کر سمندر میں پھینک دیا۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ اس نے کس بے دردی سے بچے کو پھینک دیا تو میرے ہوش اڑ گئے۔ غم و حرماں کی شدت میں میں نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا اے وہ ذات جو انسان اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہوتی ہے، میرے اور اس درندے کے درمیان حائل ہو جا، تو ہر چیز پر قادر ہے۔ میں ابھی اپنی دعا ختم بھی نہ کر پائی تھی کہ سمندر سے ایک جانور نکلا اور اسے تختے پر سے اچک لے گیا۔ اب میں اکیلی رہ گئی اور اپنے بیٹے کے ضائع ہونے پر آنسو بہانے لگی۔

ایک دن اور ایک رات اسی حالت میں پڑی رہی۔ دوسری صبح ہوئی تو مجھے دور سے ایک کشتی کے بادبان چمکتے دکھائی دیئے۔ موجیں مجھے پھینک رہی تھیں اور ہوا دھکیلے جا رہی

تھی یہاں تک کہ میں اس جہاز کے پاس پہنچی جس کے بادبان مجھے دکھائی دیتے تھے۔ جہاز والوں نے مجھے اٹھا کر اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ جہاز میں کیا دیکھتی ہوں کہ میرا بیٹا بھی موجود ہے۔ میں اس کے اوپر گری اور کہنے لگی اے لوگو! یہ میرا بیٹا ہے تمہیں کہاں سے ملا؟ انہوں نے کہا جب ہم سمندر میں چلے جا رہے تھے تو یک بہ یک ہمارا جہاز رک گیا۔ ہم نے ایک بہت بڑا جانور مثل ایک چٹان کے دیکھا۔ یہ بچہ اس کی پیٹھ پر بیٹھا اپنا انگوٹھا چوس رہا تھا۔ ہم نے اسے اپنے ساتھ لے لیا۔ میں نے ان سے یہ باتیں سنیں تو اپنا سارا قصہ انہیں سنایا، اپنے پروردگار کا شکر ادا کیا اور اس سے عہد کیا کہ میں کبھی تیرے گھر کو چھوڑ کر نہ جاؤں گی اور تیری خدمت سے منہ نہ موڑوں گی۔ پھر جو کچھ میں نے خدا سے مانگا اس نے دیا۔ سید کا بیاں ہے کہ میں نے اپنا ہاتھ تھیلی کی طرف بڑھایا اور چاہا کہ اسے کچھ دوں مگر اس نے کہا، اے بطل کہیں یہ ہو سکتا ہے کہ میں خدا کے فضل و کرم کا بیاں کروں اور غیروں سے انعام لوں۔ اس نے میری کوئی چیز قبول نہ کی اور میں اسے چھوڑ کر چلا گیا اور وہ خدا کے گھر میں برابر مرتے دم تک عبادت کرتی رہی۔

○ مالک بن دینار اور پارسا حبشی غلام کی کہانی

مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک بار بصرے میں بالکل مینہ نہ برس۔ ہم بارش کی دعا کرنے کئی مرتبہ باہر گئے۔ دعا قبول نہ ہوئی۔ اب میں عطاء السلمي، ثابت البنانی، نجی البکاء، محمد بن واسع، ایوب الختیبانی، حبیب الفارسی، حسان بن ابی سنان، عتبہ الغلام اور صالح المزنی شہر سے باہر نکلے اور مسجد میں پہنچے۔ بچے بھی اپنے مکتبوں سے نکل آئے اور ہم سب نے مینہ کی دعا مانگی لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ جب دوپہر ہو گئی تو لوگ واپس چلے گئے۔ فقط میں اور ثابت البنانی مسجد میں رہ گئے۔ رات کا اندھیرا

ہوا تو ہم نے دیکھا کہ ایک حبشی آیا جس کا چہرہ خوبصورت تھا، پنڈلیاں پتلی پتلی اور پیٹ بڑا وہ ادنیٰ ازار پہنے ہوئے تھا اور اس کے سارے لباس کی قیمت دو درہم سے زیادہ نہ ہو گی۔ اس شخص نے پانی لا کر وضو کیا، محراب میں جا کر دو رکعت نماز پڑھی جس میں قیام، رکوع، اور سجد سب برابر تھے، پھر اس نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور کہنے لگا میرے اللہ! میرے آقا! میرے مولیٰ کب تک تو اپنے بندوں کو وہ چیز نہ دے گا جس سے تیری ملکیت میں کوئی کمی نہیں ہوتی؟ کیا تیرے پاس جو چیزیں تھیں وہ ختم ہو گئیں اور تیرے خزانے خالی ہو گئے؟ میں تجھے اس محبت کی قسم دیتا ہوں جو تجھے مجھ سے ہے فوراً پانی برسا ابھی وہ دعا ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ آسمان پر بادل چھا گئے اور اس طرح مینہ برسنے لگا جیسے مشکیں چھوٹ رہی ہیں اور ہم سب مسجد سے نکلے ہی تھے کہ گھٹنے گھٹنے پانی کھڑا ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو اڑسٹھویں رات

جب چار سو اڑسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- مالک نے کہا کہ ہم مسجد سے نکلے ہی تھے کہ گھٹنوں تک پانی میں آ گئے اور حبشی پر تعجب کرنے لگے۔ میں نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے حبشی تجھے شرم نہیں آتی کہ تو ایسی باتیں کرتا ہے؟ وہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہا میں نے کیا بات کی؟ میں نے کہا کہ تو نے خدا کو اپنی محبت کا واسطہ دلایا تو کیا جانے کہ وہ تجھ سے محبت کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا چل ہٹ تو اپنے آپ کو بھی بھول گیا ہے۔ میں نے اس وقت کہا تھا جب کہ اس نے توحید سے میری مدد کی اور مخصوص طور سے اپنی معرفت مجھے دی تھی؟ کیا یہ ساری باتیں اس نے بغیر محبت کے کیں۔ پھر اس نے کہا اس کی محبت میری طرف اتنی ہے جتنی میری اس کی طرف۔ میں نے کہا 'میرے پاس ذرا ٹھہر جا' خدا تجھ پر رحمت کرے! اس نے کہا میں غلام ہوں اور مجھ پر چھوٹے آقا کی اطاعت فرض ہے۔ مالک کا بیان ہے کہ ہم دور دور اس کے پیچھے لگے رہے اور وہ ایک بردہ فروش کے گھر میں داخل ہوا۔ آدھی رات ہو چکی تھی باقی آدھی رات کا انتظار کرنا مشکل تھا اس لیے ہم چلے گئے۔ جب صبح ہوئی تو ہم بردہ فروش کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ ہم نوکری کے لیے ایک غلام مول لینا چاہتے ہیں۔ تیرے پاس کوئی ہے؟ اس نے جواب دیا میرے پاس تقریباً سو غلام ہیں اور سب بکنے کے لیے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک ایک کر کے تمام غلام دکھانے شروع کئے۔ یہاں تک کہ ستر غلام دکھائے لیکن میں نے ان میں اپنے دوست کو نہ دیکھا۔ اس نے کہا ان کے علاوہ میرے پاس کوئی اور غلام نہیں۔

جب ہم وہاں سے چل دیئے تو ہم اس کے مکان کے پیچھے ایک کھنڈر میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ وہی حبشی وہاں کھڑا ہے۔ میں نے کہا کہ خدا کی قسم یہی تو وہ ہے۔ بردہ

فروش کے پاس جا کر میں نے کہا کہ اس غلام کو میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ اس نے کہا اے ابو یحییٰ یہ بڑا منحوس غلام ہے، رات بھر روتا ہے اور دن بھر پریشان رہتا ہے۔ میں نے کہا اسی لیے تو اسے مول لینا چاہتا ہوں۔ اب اس نے اسے آواز دی اور وہ اونگھتا ہوا نکلا۔ بردہ فروش نے مجھ سے کہا جتنے میں تو چاہے اسے خرید لے۔ میں نے اسے بیس دینار میں خرید لیا اور پوچھا اس کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا میمون۔ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر گھر لے چلا۔ اس نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا اے میرے چھوٹے مالک تو نے مجھے کیوں خرید کیا؟ خدا کی قسم میں کسی مخلوق کی خدمت کے قابل نہیں۔ میں نے کہا میں نے تجھے اسی لیے خریدا ہے کہ تیری خدمت کروں اور تجھے سر آنکھوں پر بٹھاؤں۔ اس نے پوچھا یہ کیوں؟ میں نے کہا کیا تو ہمارا کل والا دوست نہیں ہے جو مسجد میں تھا؟ اس نے پوچھا تجھے میرا حال کیونکر معلوم ہوا؟ میں نے کہا میں وہی شخص ہوں جس نے کل تجھ سے باتیں کی تھیں۔ چلتے چلتے ہم ایک مسجد میں پہنچے۔ اس نے دو رکعتیں پڑھیں اور کہنے لگا میرے اللہ! میرے مولیٰ جو راز میرے

اور تیرے درمیاں تھا اس سے تو نے لوگوں کو واقف کر دیا اور مجھے لوگوں میں پشیمان کیا۔ اب میری زندگی کیونکر اچھی گزر سکتی ہے، تیرے علاوہ اوروں کو وہ راز معلوم ہو گیا ہے جو میرے اور تیرے درمیاں تھا۔ میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ فوراً میری روح نکال لے۔ یہ کہہ کر وہ اس طرح سجدے میں گر گیا کہ پھر سر نہ اٹھایا۔ تھوڑیدیر انتظار کرنے کے بعد میں نے اسے جنبش دی لیکن وہ مر چکا تھا۔ خدا اس پر رحمت بھیجے! میں نے اس کے ہاتھ پاؤں سیدھے کئے دیکھا کہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ ہے اور سفیدی سیاہی غالب ہے۔ اس کے چہرے پر نور ہے۔ ہم اس کی حالت پر تعجب ہی کر رہے تھے کہ ایک دروازے سے ایک نوجوان شخص نکلا اور کہنے لگا السلام علیکم، ہمارے بھائی میمون کی وجہ سے خدا ہمیں اور تمہیں اجر دے۔ لو یہ کفن ہے۔ اس میں اس کی تکفین کرو۔ یہ کہہ کر اس نے دو ٹکڑے کپڑے کے دئے جن کی مثل میں نے کبھی

نہ دیکھے تھے اور ہم نے انہیں بور کفن کے پہنا دیا۔ مالک کا بیاں ہے کہ لوگ اب تک اس کی قبر پر منہ مینہ ک دعا مانگتے جاتے ہیں اور خدا اسے حاجتیں طلب کرتے ہیں۔

URDU4U.COM

○ بنی اسرائیل کے پارسا شوہر اور بیوی کی کہانی

بنی اسرائیل میں ایک شخص نہایت نیک اور عبادت گزار تھا۔ دنیا اور دنیا کی یاد بھلا کر رات دن اللہ اللہ کرتا۔ اس کی ایک بیوی تھی جو ہر حالت میں اس کی شریک، مددگار اور فرمانبردار تھی۔ دونوں برتن اور پنکھے بنا کر اپنی زندگی بسر کرتے۔ دن بھر کام کرتے رہتے شام ہوتی تو جو کچھ وہ تیار کرتے مرد انہیں لے کر گلی کوچوں میں جاتا اور خریدار تلاش کرتا۔ دونوں رونہ رکھتے۔ ایک روز حسب معمول وہ روزے سے تھے۔ سارا دن کام کر چکنے کے بعد شام کے وقت دستور کے موافق مرد اپنی بنائی ہوئی چیزیں لے کر بیچنے نکلا۔ اس کا گزر ایک امیر و کبیر دنیا دار کے دروازے پر ہوا۔ یہ شخص خوبرو اور خوش وضع تھا۔ مکان والے کی بیوی اسے دیکھتے ہی عاشق ہو گئی اور اس کے دل کو اس کی طرف کشش ہونے لگی۔ اس کا شوہر کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ اس نے اپنی خادمہ کو بلا کر کہا، اس شخص کو کسی حیلے سے میرے پاس لے آ۔ خادمہ باہر آئی اور اسے بلا کر خریداری کرنے کے بہانے روک لیا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو انترویں راتے

جب چار سو انترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- خادمہ نے باہر جا کر اس شخص کو بلایا اور کہا اندر آ میری مالکہ چیزوں میں سے کچھ خریدنا چاہتی ہے مگر پہلے انہیں دیکھے اور جانچ پڑتال کرے گی۔ اس شخص کو گمان ہوا کہ وہ سچ کہتی ہو گی اور سیدھے سبھاؤ اندر جا کر بیٹھ گیا۔ خادمہ نے دروازہ بند کر دیا۔ اچانک مکان کی مالکہ نکلی اور اس کی چادر پکڑ لی اور اپنی طرف کھینچ کر کمرے میں لے گئی اور کہنے لگی میں نہ جانے کب سے تیرے ساتھ خلوت کرنا چاہتی تھی، تیرے لیے میرا دل بے قرار تھا! یہ گھر خوشبو سے بسا ہوا ہے، کھانا حاضر ہے اور گھر کا مالک آج رات باہر گیا ہوا ہے۔ میں اپنے آپ کو تیرے سامنے پیش کرتی ہوں۔ بہت سے بادشاہوں، امراء اور دولت مندوں کو میری خواہش رہی ہے۔ میں نے ان میں سے کسی سے بات تک نہیں کی۔ اسی طرح اس نے بہت سی باتیں کیں۔ اس شخص نے خدا کی شرم کے مارے سر اوپر اٹھایا، اسے عذاب کا ڈر تھا۔ بہت چاہا کہ کسی طرح پیچھا چھوڑے مگر کچھ بن نہ پڑا۔ بالآخر وہ بولا میں تجھ سے ایک چیز مانگتا ہوں۔ عورت نے کہا، وہ کیا؟ اس نے کہا پانی، مجھ کو ضرورت ہے اسے لے کر کسی اونچی جگہ پر جاؤں اپنی حاجت رفع کروں اور گندگی دھوؤں۔ عورت نے کہا، مکان بڑا ہے، جگہ کی کمی نہیں اور غسل خانہ بھی تیار ہے۔ یہیں اپنی حاجت رفع کر لے۔ اس نے جواب دیا میں اوپر جانا چاہتا ہوں۔ عورت نے خادمہ سے کہا اسے اونچے مینار پر لے جا۔ وہ اسے لے کر اوپر گئی اور اسے پانی کا کونہ دے کر نیچے اتر آئی۔ اس شخص نے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور زمین کی طرف دیکھا کہ کود پڑے مگر ڈرا کہ وہ زمین تک پہنچ کر چور چور ہو جائے گا۔ اس کے بعد وہ خدا کی معصیت اور اس کے عذاب

پر غور کرنے لگا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس عذاب کے مقابلے میں جان دے دینا اور اپنا خون بہانا زیادہ آسان ہے۔ آسمان کی طرف دیکھ کر کہا خداوند تو دیکھ رہا ہے کہ مجھ پر کیا بلا نازل ہوئی ہے اور میری حالت تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے کہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ کہتے ہی وہ مینار کے اوپر سے کود پڑا۔ خدا نے فوراً ایک فرشتہ بھیج دیا جس نے اسے اپنے پروں پر بٹھا کر زمین پر اتار دیا اور وہ صحیح و سالم رہا اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ زمین پر آ کر اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے اس کی آبرو رکھ لی اور اس پر رحم کیا۔ وہ خالی ہاتھ اپنی بیوی کے پاس پہنچا۔ چونکہ آج اسے دیر ہو گئی تھی اور وہ خالی ہاتھ تھا۔ اس کی بیوی نے پوچھا کہ تجھے دیر کیوں لگی اور جو چیزیں تو لے گیا تھا انہیں کیا کیا اور خالی ہاتھ کیوں لوٹا؟ اس نے ساری مصیبت بیان کر دی جو اس پر گزری تھی اور یہ کہ وہ اس جگہ سے کود پڑا اور خدا نے اسے بچا لیا۔ بیوی نے کہا، شکر ہے خدا کا جس نے تجھے مصیبت سے بچا لیا۔ اب اس کی بیوی نے کہا پڑوسی روز دیکھتے ہیں کہ ہم رات کے وقت اپنا تنور جلاتے ہیں۔ اگر انہوں نے آج ہمیں بغیر آگ کے دیکھا تو سمجھیں گے کہ ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ خدا کے شکر کا یہ اقتصاد ہے کہ ہم اپنی ناداری ظاہر نہ کریں، آج کے روزے کو کل کے روزے سے ملا دیں اور رات بھر نماز پڑھیں۔ یہ کہہ کر وہ تنور کے پاس گئی اور اس کے میں ایندھن ڈال کر آگ جلا دی تا کہ پڑوسیوں کو مغالطہ ہو۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس سے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو سترویں رات

چار سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب عورت پڑوسیوں کو مغالطہ دینے کے لیے آگ چلا چکی تو دونوں اٹھ کر وضو کیا اور نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں ایک پڑوسن ان کے تنور سے آگ مانگنے کے لیے آئی۔ عورت نے کہا، تنور میں سے جا کر لے لے۔ پڑوسن تنور کے پاس جا کر آگ لینے لگی تو اس نے چلا کر کہا، اے فلاں اپنی روٹیوں کی خبر لے کہیں جل نہ جائیں۔ عورت نے اپنے شوہر سے کہا تو نے سنا یہ عورت کیا کہتی ہے؟ شوہر نے جواب دیا اٹھ کر دیکھ تو سہی۔ بیوی اٹھ کر تنور کے پاس گئی دیکھا کہ وہ روٹیوں سے بھرا پڑا ہے جو نہایت صاف ستھری ہیں۔ وہ ان روٹیوں کو لے کر اپنے شوہر کے پاس گئی۔ خدا کی اس عنایت کا شکریہ ادا کیا اور دونوں کھا پی کر خدا کی تعریف کرنے لگے۔ پھر بیوی نے میاں سے کہا آ ہم خدا سے دعا مانگیں کہ وہ ہمیں کوئی ایسی چیز عنایت کرے جس کی وجہ سے ہم روزی کمانے کے جھنجھٹ سے بچ جائیں اور خدا کی عبادت میں مشغول رہ سکیں۔ شوہر نے کہا بہت خوب اور وہ خدا سے دعا مانگنے لگا، عورت آمین کہتی جاتی یہاں تک کہ چھت پھٹی اور ایک یاقوت گرا جس سے سارا گھر روشن ہو گیا۔ دونوں نے اور زیادہ شکر ادا کیا۔ خدا کی تعریف کی، اس یاقوت کے ملنے پر بے حد خوش ہوئے اور خوب نمازیں پڑھیں۔ جب رات آخر ہوئی تو وہ سو گئے۔ عورت نے خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں ہے اور وہاں ایک قطار میں بہت سے منبر اور کرسیاں لگی ہوئی ہیں۔ اس نے پوچھا کہ یہ کرسیاں اور منبر کیسے ہیں؟ جواب ملا کہ یہ منبر نبیوں کے ہیں اور یہ کرسیاں صدیقوں اور صالحوں کے لیے۔ عورت نے کہا، میرے شوہر کی کرسی کہاں ہے؟ اس سے کہا گیا کہ یہ۔ اس نے اس کی طرف نظر اٹھائی دیکھا کہ اس کے ایک طرف ایک سوراخ ہے۔ اس نے پوچھا کہ یہ سوراخ کیا ہے؟ انہوں نے جواب

دیا یہ سوراخ اس یا قوت کا ہے جو تمہارے گھر کی چھت میں سے گرا تھا۔ اس غم میں کہ صدیقوں کی کرسیوں کے درمیاں اس کے شوہر کی کرسی ناقص ہے وہ روتی ہوئی جاگ اٹھی اور اپنے میاں سے کہنے لگی کہ خدا سے دعا مانگ کہ وہ اس یا قوت کو یہاں سے اس کی جگہ پہنچا دے کیونکہ کچھ دنوں کے لیے بھوک اور غریبی کی تکلیف برداشت کر لینا اس سے بہتر ہے کہ بڑے لوگوں کے درمیان تیری کرسی میں سوراخ ہو۔ مرد نے دعا مانگی، وہ یا قوت اڑ کر چھت میں سے نکل گیا اور وہ دونوں اسی ناداری کی حالت میں خدا کی عبادت کرتے رہے یہاں تک کہ ان کا وصال ہو گیا۔

○ حجاج اور نیکے مرد کی کہانی

حجاج بن یوسف ثقفی مدت سے ایک نیک مرد کو گرفتار کرنے کی فکر میں تھا۔ جب وہ پکڑا ہوا آیا تو حجاج نے کہا اے خدا کے دشمن، آخر خدا نے تجھے میرے قبضے میں دے دیا اور اس نے حکم دیا کہ اس کے پاؤں میں تنگ اور بھاری بیڑیاں ڈال کر قید خانے لے جاؤ اور اس کے لیے ایک کوٹھری بناؤ جہاں سے وہ نکل نہ سکے۔ نہ کوئی اس کے پاس جا سکے۔ داروغہ اسے قید خانے لے گیا، لوہار کو بلوایا اور بیڑیاں منگوائیں جس وقت لوہار ہتھوڑی مارتا تو وہ شخص اپنے سر کو آسمان کی طرف اٹھاتا اور کہتا کہ ”پیدا کرنا اور حکم چلانا تو اس کے اختیار میں ہے“ لوہار اپنا کام کر چکا تو داروغہ نے اس کے لیے ایک کوٹھری بنوائی اور اس میں اسے اکیلا بند کر دیا۔ رات آئی تو داروغہ، پہرے داروں کو وہاں چھوڑ کر اپنے گھر چلا گیا۔ صبح ہوئی اور داروغہ نے آ کر دیکھا کہ بیڑیاں ایک طرف پڑی ہوئی ہیں اور قیدی ناپید ہے۔ داروغہ ڈر گیا اسے یقین ہو گیا کہ اب میری جان گئی۔ گھر جا کر وہ اپنے بال بچوں سے رخصت ہوا اور اپنے کفن اور کفن کی خوشبوؤں کو آستین میں رکھ کر حجاج کے پاس پہنچا۔ جب وہ حجاج کے پاس آیا تو

اسے کفن کی خوشبو آنے لگی۔ اس نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ داروغہ نے کہا اے میرے مولا میں ان چیزوں کو لایا ہوں۔ حجاج نے کہا کیوں؟ اس نے قیدی کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اکترویں رات

چار سو اکترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- داروغہ نے حجاج سے قیدی کا قصہ بیاں کیا تو اس نے کہا 'ملعون تو نے اسے کچھ کہتے سنا تھا؟ اس نے جواب دیا ہاں جب لوہار ہتھوڑی مارتا تو وہ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہتا کہ پیدا کرنا اور حکم چلانا تو اس کے اختیار میں ہے۔ حجاج بولا تجھے خبر نہیں کہ جس کو اس نے تیری موجودگی میں یاد کیا تھا اس نے تیری غیر حاضری میں اسے آزاد کر دیا!

○ لوہار کی کہانی جس کا ہاتھ آگے میں نہ جلتا تھا

ایک بار ایک نیک مرد کو یہ خبر ملی کہ فلاں شہر میں کوئی لوہار رہتا ہے جو آگ میں ہاتھ ڈال کر اس میں سے گرم لوہا نکال لیتا ہے اور آگ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وہ شخص اس شہر میں پہنچا اور لوہار کا پتا پوچھ کر اس کے پاس گیا۔ وہ وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ لوہار واقع ویسا ہی کرتا ہے جیسا بیاں کیا گیا ہے۔ جب لوہار اپنے کام سے فارغ ہو چکا تو اس شخص نے قریب آ کر سلام کیا ور کہا میں آج رات تیرا مہمان ہونا چاہتا ہوں۔ اس نے کہ بسرو چشم اور اسے گھر لے جا کر اس کے ساتھ شام کا کھانا کھایا۔ دونوں ایک ہی جگہ سوئے مگر اس نے لوہار کو خاص طور پر نماز پڑھتے یا عبادت کرتے نہ دیکھا اور اپنے دل میں کہنے لگا شاید وہ مجھ سے چھپاتا ہے۔ دوسری اور پھر تیسری رات بھی اس شخص نے وہیں گزار دی اور یہی دیکھا کہ وہ سوائے فرض اور سنت کے کچھ نہیں پڑھتا بلکہ رات کو تو نماز بھی کم پڑھتا ہے اس نے کہا 'بھائی میں نے سنا تھا کہ خدا نے تجھے ایک کرامت دی ہے اور اس کا تجربہ بھی کیا، پھر تیری عبادت میں غور کیا تو اس میں کوئی بات ایسی نظر نہ آئی جو ان کرامتوں کا سبب

ہو سکے۔ بتا یہ کرامت تجھے کیونکر حاصل ہوئی؟ اس نے جواب دیا اس کا سبب مجھے ایک لڑکی سے سخت محبت تھی اور میں اس کے لیے بے قرار رہتا تھا۔ میں نے اسے اپنے پھندے میں لانے کی بہت کوشش کی لیکن نا کام رہا کیونکہ وہ بڑی متقی اور پرہیزگار تھی۔ اس کے بعد ایک سال قحط پڑا۔ لوگ بھوک اور تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ ایک دن میں بیٹھا ہوا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ باہر نکل کر دیکھا تو وہی لڑکی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا، بھائی میں بھوک سے سخت پریشان ہوں اور یہ امید لے کر تیرے پاس آئی ہوں کہ خدا کے واسطے مجھے کچھ کھانے کو دے۔ میں نے جواب دیا تجھے معلوم ہے کہ میں تجھ پر عاشق ہوں اور تیری وجہ سے کیا کیا تکلیفیں گوارا کی ہیں، جب تک تو میرا ارمان نہ نکال دے گی میں تجھے کھانے کو نہ دوں گا۔ اس نے جواب دیا، موت بہتر ہے خدا کے گناہ سے۔ یہ کہہ کر وہ چلی گئی اور دو دن کے بعد پھر آئی اور وہی کہا جو اس نے پہلے کہا تھا، میں نے پھر وہی جواب دیا۔ وہ مکان کے اندر آ کر بیٹھ گئی، اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ اس نے کہا، خدا کے واسطے مجھے کھانا کھلا دے۔ میں نے کہا جب تک تو میری آرزو پوری نہ کرے گی ہرگز نہ کھلاؤں گا۔ اس نے جواب دیا کہ خدا کہ عذاب سے موت بہتر ہے اور وہ اٹھ کر چلی گئی۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو بہتریں راتے

جب چار سو بہتریں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- لڑکی اٹھ کر چلی گئی۔ دو دن بعد اس نے پھر آ کر دروانہ کھٹکھٹایا۔ میں نے نکل کر دیکھا کہ مارے بھوک کے اس کی آواز نہ نکلتی تھی وہ کہنے لگی اے میرے بھائی اب میری تمام تدبیریں ختم ہو چکیں اور سوا تیرے میں کسی اور کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہی۔ کیا تو نے مجھے خدا کے واسطے کچھ نہ کھانے کو دے گا؟ میں نے جواب دیا، اسی شرط کے ساتھ کہ تو میرا کہنا مان لے۔ وہ آ کر مکان کے اندر بیٹھ گئی۔ کھانا تیار ہونے میں ابھی دیر تھی۔ پک کر تیار ہوا اور میں نے پیالے میں نکالا تو خدا نے میرے دل میں ڈالا تف ہو تجھ پر! اس عورت کو جس کی عقل اور دین دونوں ناقص ہیں تو کھانا نہیں دیتا، بھوک کی وجہ سے وہ بے چین ہو رہی ہے اور تیرے پاس بار بار آتی ہے اور تو خدا کی معصیت سے منہ نہیں پھیرتا۔ میں نے اپنے دل میں کہا خدایا! میں اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں جو میرے دل میں گزرا۔ میں کھانا لے کر اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کھا اور کوئی خیال نہ کر۔ یہ خدا کے واسطے ہے۔ لڑکی نے اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائیں اور کہنے لگی خدایا، اگر یہ شخص سچ کہتا ہے تو اس کے اوپر دنیا اور آخرت کی آگ حرام کر دے تو ہر بات پر قادر ہے اور دعا قبول کرتا ہے۔ لوہار بولا کہ سردی پڑ رہی تھی۔ ایک چنگاڑی میرے بدن پر گری لیکن خدا کی قدرت مجھے بالکل تکلیف نہ ہوئی۔ میرے دل میں خیال گزرا، ہو نہ ہو لڑکی کی دعا قبول ہو گئی۔

اور شر زار کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو تہترویں رات

جب چار سو تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- لوہار نے کہا خوش ہو خدا نے تیری دعا قبول کر لی۔ لڑکی نے نوالہ اپنے ہاتھ سے دکھ دیا اور کہنے لگی خدایا جس طرح تو نے میری دعا اس کے متعلق قبول کر لی۔ اسی طرح اب میری روح قبض کر لے، تو ہر چیز پر قادر ہے۔ خدا نے فوراً اس کی روح قبض کر لی۔ خدا اس پر رحمت کرے۔

○ نیکے مرد اور نیکے بادشاہ کی کہانی

بنی اسرائیل میں ایک بہت بڑا عابد و زاہد تھا۔ جب وہ خدا سے کوئی دعا مانگتا تو قبول ہوتی اور جو وہ طلب کرتا اسے ملتا۔ وہ پہاڑوں کی بہت سیر کرتا اور رات رات بھر نماز پڑھتا۔ خدا نے ایک بادل کو اس کا محکوم کر رکھا تھا جو اس کے ساتھ ساتھ رہتا اس پر خوب پانی برساتا جس سے وہ وضو کرتا اور پیتا۔ بہت دن تک اس کی یہی حالت رہی یہاں تک کہ اس سے کوئی قصور سرزد ہوا۔ خدا نے وہ بادل اس پر سے ہٹا لیا اور اس کی دعا قبول کرنا بند کر دیا۔ یہ دیکھ کر اس کے بے انتہا صدمہ ہوا۔ وہ اس وقت کو یاد کر کے تڑپتا جب خدا کی اس پر مہربانی تھی۔ رات دن افسوس کرتا اور پریشان رہتا۔ ایک رات وہ سو رہا تھا کسی نے خواب میں اسے کہا اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا بادل پھر تجھے مل جائے تو فلاں شہر میں فلاں بادشاہ کے پاس جا اور اس سے درخواست کر کہ وہ تیرے لیے دعا کرے۔ خدا اس کی نیک دعا کی برکت سے بادل پھر تجھے عطا فرمائے گا۔ وہ شخص منزلیں طے کرتا ہوں اس شہر میں پہنچا جس کا ذکر اس سے خواب میں کیا گیا تھا وہاں پہنچ کر اس نے بادشاہ کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے اس

کا پتا بیا دیا اور وہ محل پر جا پہنچا۔ دیکھا کہ محل کے دروازے پر ایک غلام نہایت عالی شان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور بڑی شان و شوکت کی پوشاک پہن رکھی ہے۔ یہ شخص وہاں ٹھہر گیا اور غلام کو سلام کیا۔ غلام نے سلام کا جواب دے کر پوچھا کس ضرورت سے آیا ہے؟ اس نے کہا میں مظلوم ہوں اور فریاد کرنے بادشاہ کے پاس آیا ہوں۔ غلام نے کہا آج تو تو اس کے پاس نہیں جا سکتا فریاد کا اس نے ہفتے میں ایک روز مقرر کر رکھا ہے اور وہ فلاں دن ہے۔ اس وقت جا اس روز آئیو۔ اس شخص کو یہ بات بری معلوم ہوئی کہ بادشاہ لوگوں سے پوشیدہ رہتا ہے اور دل میں کئے لگا جب اس کا یہ حال ہے تو وہ ولی اللہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ بہر حال وہ چل دیا اور اس دن کا انتظار کرنے لگا جو اس سے کہا گیا تھا۔ اس شخص کا بیان ہے کہ جب وہ دن آیا جو دربان نے کہا تھا تو میں بھر گیا اور دیکھا کہ دروازے پر لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ سب منتظر ہیں کہ انہیں اندر جانے کی اجازت ملے۔

میں بھی ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں وزیر نکلا جو نہایت شان دار لباس پہنے ہوئے تھا اور جس کے آگے آگے نوکر چا کر اور غلام تھے۔ اس نے آواز دلوائی کہ فریادی اندر آئیں۔ لوگ اندر گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ ساتھ ہو لیا۔ دیکھا کہ بادشاہ بیٹھا ہوا ہے او اس کے مصاحب درجہ بدرجہ اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ وزیر نے ایک ایک کو پیش کرنا شروع کیا یہاں تک کہ میر باری آئی۔ جب وزیر نے مجھے پیش کیا تو بادشاہ نے میری طرف دیکھ کر کہا مرحبا اے بادل والے بیٹھ جا جب تک میں فارغ ہوں۔ مجھے اس کے کہنے پر تعجب ہوا، اس کی بزرگی اور فضیلت کا اعتراف کرنا پڑا۔ جب وہ لوگوں کے فیصلے کر کے فارغ ہو چکا تو وزرا، امرا رخصت ہوئے، بادشاہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے محل میں لے گیا۔ میں نے دیکھا کہ محل کے دروازے پر ایک حبشی غلام کھڑا ہوا ہے، ان کے کپڑے تکلف کے ہیں۔ ہتھیار لگائے زہ بکتر پہنے اور تیر کمان لیے ہوئے ہے۔ غلام نے جلدی سے محل کا دروانہ کھول دیا۔ بادشاہ میرے ہاتھ میں ہاتھ دیئے اندر داخل ہوا۔ اس کے آگے ایک چھوٹے سے گھر کا دروانہ تھا۔ جسے بادشاہ

نے اپنے ہاتھ سے کھولا۔ جب ہم اس میں پہنچے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک ٹوٹا پھوٹا کھنڈر ہے۔ اب بادشاہ ایک کوٹھری میں گیا جس میں محض ایک جاء نماز، وضو کے لیے پیالہ اور کچھ کھجور کے پتے تھے۔ یہاں اس نے اپنا لباس اتار ڈالا۔ سفید اون کا ایک سخت جبہ اور ایک اوننی ٹوپی پہن لی۔ خود بیٹھ گیا۔ مجھے بھی بٹھایا اور آواز دی کہ اے فلاں عورت! یعنی اس کی بیوی۔ آواز آئی، لہیک! بادشاہ نے کہا تو جانتی ہے آج ہمارا مہمان کون ہے؟ بیوی نے کہا ہاں بادل والا۔ اس نے کہا باہر آ۔ اس سے پردہ نہ کر۔ اتنے میں ایک عورت آئی جو مثل خیال کے تھی، جس کا چہرہ نئے چاند کی طرح چمک رہا تھا وہ اون کا جبہ پہنے اور نقاب ڈالے ہوئے تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو چوتھریں رات

جب چار سو چوتھریں رات ہوئی تو اس نے کہا سے نیک نہاد بادشاہ ----- ملکہ آگئی تو بادشاہ نے کہا بھائی تو میرا قصہ سننا چاہتا ہے یا میں تیرے لیے دعا کروں اور تو چلتا بنے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ میں تمہارا قصہ سننا چاہتا ہوں اس کا میں زیادہ مشتاق ہوں۔ بادشاہ نے یہ حکومت میرے باپ دادا سے چلی آتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے بعد بادشاہت کرتے چلے آئے ہیں۔ جب میں بادشاہ ہوا تو خدا نے میرے دل میں اس کی طرف سے نفرت ڈال دی۔ میں نے دل میں ٹھان لی کہ میں دنیا کی سیر کروں اور رعایا کو اپنے حال پر چھوڑ دوں لیکن پھر مجھے ڈر ہوا کہ ان میں فتنے فساد برپا ہو جائیں گے، شریعت اٹھ جائے گی اور دین کا شیرانہ بکھر جائے گا لہذا میں نے یونہی چلنے دیا۔ خود شاہی لباس پہنا اور غلاموں کو درباری کے لیے مقرر کیا تاکہ بد ذات ڈریں، نیک لوگوں کو تنگ نہ کریں اور شریعت کے احکام قائم رہیں۔ چنانچہ سلطنت کے کاموں سے فارغ ہو کر میں یہاں آ کر وہ کپڑے اتار ڈالتا اور دوسرے پن لیتا ہوں جیسا کہ تو نے ابھی دیکھا ہے اور یہ میری چچیری بہن ہے جو نہد میں میرے ساتھ ہے اور عبادت میں میری مدد کرتی ہے۔ دن میں ہم ان کھجور کے پتوں سے کچھ بنا کر رات کے لیے افطاری کا سامان تیار کرتے ہیں۔ چالیس سال سے ہماری یہی حالت ہے۔ ہم اپنا کام کر لیں تو تو بھی ہمارے ساتھ چلیو، خدا تجھ پر رحمت کرے! تاکہ ہم اپنی چیزیں بچیں اور تو، ہمارے ساتھ افطاری میں شریک ہو۔ رات ہمارے ساتھ گزارے اور پھر کل اپنی حاجت پوری کر کے انشاء اللہ تعالیٰ اپنے وطن روانہ ہو جائے۔ شام ہوئی تو ایک میانہ قد غلام آیا اور جو ان دونوں نے کھجور کے پتوں سے بنایا تھا اسے بازار لے جا کر ایک قیراط میں بیچا اور اس کی روٹی اور پھلیاں خرید کر گھر لایا۔ میں نے ان کے ساتھ ناشتہ کیا اور انہیں کے پاس سو گیا۔ آدھی رات کو وہ اٹھے اور نماز پڑھی

اور روئے۔ صبح ہوئی تو بادشاہ نے کہا خدایا، یہ تیرا بندہ تجھ سے درخواست کرتا ہے تو اس کا بادل پھر اسے عطا کر، تو ہر بات پر قادر ہے۔ خدایا اس کی درخواست منظور کر لے اس کا بادل اسے واپس دے دے۔ اس کا بیان ہے کہ عورت آمین کہتی جاتی تھی یہاں تک کہ وہی بادل کا ٹکڑا آسمان پر نمودار ہوا اور بادشاہ نے مجھے سے کہا، مبارک ہو! اب میں ان سے رخصت ہو کر روانہ ہوا اور وہ بادل پہلے کی طرح میرے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اس کے بعد جب کبھی میں نے ان دونوں کا واسطہ دے کر خدا سے کوئی چیز مانگی اس نے عطا کی۔

○ صحابی اور نصرانی لڑکی کی کہانی

ایک بار امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب نے مسلمانوں کا ایک لشکر تیار کر کے شام کی طرف دشمن کے مقابلے میں بھیجا اور انہوں نے ایک قلعے کا بڑا سخت محاصرہ کیا۔ اسلامی لشکر میں دو بھائی تھے جنہیں خدا نے دشمن کے مقابلے کے لیے بہت قوت اور جرات دی تھی۔ اس قلعے کا امیر اپنے سرداروں سے کہا کرتا کہ اگر یہ دونوں مسلمان مارے جائیں یا قید ہو جائیں تو باقی مسلمان کے لیے تم لوگ کافی ہو چنانچہ کفار ان دونوں کے لیے طرح طرح کی چالیں چلتے، تدبیریں نکالتے اور ان کی گھات میں بیٹھے یہاں تک کہ ان میں سے ایک پکڑا گیا اور دوسرا شہید ہو گیا۔ قیدی کو لوگ قلعے کے امیر کے پاس لے گئے۔ جب امیر کی نظر اس پر پڑی تو اس نے کہا کہ اس کا قتل کرنا تکلیف دہ ہے اور مسلمانوں کو لوٹا دینا مصیبت۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو پچھترویں رات

جب چار سو پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- امیر نے کہا اگر یہ شخص مسلمانوں کو واپس دے دیا جائے تو مصیبت ہے۔ کیا اچھا تھا اگر یہ عیسائی ہوتا۔ ایک سردار بولا اے امیر میں اسے سبز باغ دکھا کر اس کے دین سے پھیر دوں گا۔ عربوں کو عورتوں سے انتہا درجے کی رغبت ہوتی ہے اور میری ایک بیٹی ہے جو جمال و کمال میں یکتا ہے۔ یہ اسے دیکھے گا تو اس کی محبت میں گرفتار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ امیر نے کہا میں اسے تیرے حوالے کرتا ہوں، لے جا۔ سردار اسے اپنے گھر لے گیا اور لڑکی کو ایسے کپڑے پہنائے کہ اس کا حسن اور اس کی آن بان دوبالا ہو گئی۔ پھر اس مسلمان کو اندر لے جا کر بٹھایا۔ اس کے سامنے کھانا پیش کیا وہ نصرانی لڑکی اس کے سامنے اس طرح سے کھڑی ہوئی جیسے فرمانبردار خادمہ اپنے آقا کے آگے کھڑی ہوتی ہے کہ وہ حکم دے اور یہ بجالائے۔ مسلمان نے دیکھا کہ اس پر یہ بلا نازل ہوئی تو اس نے خدا کی طرف رجوع کیا اور آنکھیں نیچی کر لیں، خدا کی عبادت اور قرآن خوانی میں لگ گیا۔ اس شخص کی آواز بہت اچھی تھی۔ طبیعت نہایت نیک با اثر۔ اس لیے اس نصرانی لڑکی کو اس سے محبت ہو گئی اس کا دل اس پر آ گیا۔ یہ کیفیت سات دن تک رہی وہ لڑکی کہنے لگی، کاش جوان مان لے کہ میں مسلمان ہو جاؤں!

جب لڑکی بہت دل تنگ ہوئی اور بے چین رہنے لگی تو ایک دن اس کے آگے گر پڑی اور کہا میں تجھے تیرے دین کی قسم دیتی ہوں کیا تو نے میری باتیں نہیں سنیں؟ وہ بولا کون سی باتیں؟ لڑکی نے کہا میرے آگے اسلام پیش کر۔ اس نے پیش کیا۔ وہ مسلمان ہو گئی اور طہارت کی۔ اس نے اسے نماز پڑھنا سکھائی۔ جب یہ سب ہو چکا تو اس نے کہا اے میرے بھائی میں تیری وجہ سے مسلمان ہوئی ہوں تا کہ مجھے تیرا

قرب حاصل ہو جائے۔ اس نے جواب دیا اسلام میں بغیر دو عادل گواہوں، مہر اور ولی کے نکاح نہیں ہو سکتا اور میری یہ حالت ہے کہ نہ تو میرے پاس دو گواہ ہیں، نہ ولی نہ مہر۔ اگر تیری تدبیر سے ہم یہاں سے نکل چلیں تو مجھے امید ہے کہ ہم دارالسلام پہنچ جائیں گے اور میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ مذہب کی رو سے میں تیرے سوا کسی اور کو اپنی بیوی نہیں بناؤں گا۔ لڑکی بولی اچھا میں تدبیر نکالتی ہوں اور اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اس مسلمان کا دل نرم ہو گیا ہے۔ اسے ہمارے دین میں داخل ہونے سے رغبت ہو چلی ہے اور میں اس کے دل کا ارمان نکالنے کے لیے راضی ہوں مگر وہ کہتا ہے کہ یہ بات اس شہر میں نہیں ہو سکتی جہاں میرا بھائی مارا گیا ہے۔ دوسرے کسی شہر میں چل کہ میرے دل کو تسکین ہو پھر میں اپنی مراد پوری کر سکتا ہوں۔ اگر تم مجھے اس کے ساتھ کسی اور شہر میں بھیج دو تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔ میں اس بات کا ذمہ لیتی ہوں کہ جو کچھ تم اور امیر چاہتے ہوں وہی ہو گا۔ باپ نے یہ خبر امیر کو دی، وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے حکم دے دیا کہ ان دونوں کو دوسری جگہ بھیج دیا جائے اور وہ روانہ ہو گئے۔ اس جگہ پہنچ کر جہاں امیر نے بھیجا تھا انہوں نے باقی دن گزارا۔ رات ہوئی تو وہ آگے چل کھڑے ہوئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی، جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو چھترویں رات

چار سو چھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اسے نیک نہاد بادشاہ ----- جب رات ہوئی تو وہ آگے چل کھڑے ہوئے اور رات بھر چلتے رہے۔ جوان ایک تیز گھوڑے پر سوار تھا اور لڑکی اس کے پیچھے۔ وہ اسی طرح چلے جا رہے تھے کہ صبح ہو گئی اور اس نے راستے سے ہٹ کر لڑکی کو اتارا۔ دونوں نے وضو کر کے فجر کی نماز پڑھی۔ اسی حالت میں تھے کہ انہیں ہتھیاروں کی جھنکار، باگوں کی سرسراہٹ، آدمیوں کی باتیں اور ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ جوان نے کہا اے لڑکی یہ عیسائیوں کا لشکر معلوم ہوتا ہے جو ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں، اب کیا تدبیر ہونی چاہیے ہمارا گھوڑا تو اتنا تھک گیا ہے کہ ایک قدم بھی نہیں چل سکتا؟ لڑکی نے کہا تعجب ہے تجھ پر! کیا تو ڈر گیا، تیری ہمت ٹوٹ گئی؟ اس نے جواب دیا، ہاں۔ لڑکی بولی مجھ سے اپنے پروردگار کی قدرت اور کمزوریوں کے اعداد کے متعلق کیا بیان کرتا تھا؟ آہم اس کے آگے گڑگڑائیں اور دعا مانگیں تا کہ وہ ہماری مدد کرے اور اپنی مہربانی دکھائے۔ اس نے کہا تو نے خوب بات کہی! اور دونوں خدا کے آگے عاجزی کرنے لگے۔

وہ دعا مانگ رہا تھا، لڑکی اس کی دعا پر آمین کہتی جاتی تھی اور گھوڑوں کے بھاگنے کی آواز ان کے قریب چلی آ رہی تھی کہ جوان کو اس کے شہید بھائی کی آواز سنائی دی کہ وہ کہہ رہا ہے بھائی ڈر نہیں، نہ غم زدہ ہو، یہ لوگ فرشتے ہیں جو خدا نے تم دونوں کے پاس بھیجے ہیں تا کہ وہ تمہارے نکاح کے گواہ بنیں۔ خدا نے اپنے فرشتوں کے آگے تم دونوں کے اوپر ناز کیا ہے، تمہیں نیک بختوں اور شہیدوں کا درجہ بخشا ہے اور تمہارے لیے زمین کی طنائیں کھینچ دی ہیں، کل صبح تم مدینے کے پہاڑوں پر پہنچ جاؤ گے۔ جب تو عمر بن الخطاب سے ملے تو ان سے میرا سلام کہیو اور یہ کہیو کہ خدا آپ کو اسلام کا اچھا بدلہ دے کیونکہ آپ نے بہت کوشش کی ہے اور عمدہ مشورہ دیا ہے۔

فرشتوں نے جوان اور اس کی بیوی پر بلند آواز سے درود بھیجنا شروع کیا اور کہا خدا نے تیرا نکاح اس لڑکی سے حضرت آدم کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے کر دیا تھا۔ یہ سن کر وہ دونوں خوشی اور مسرت سے پھول گئے۔ ان کا ایمان اور زیادہ مضبوط ہو گیا۔ صبح ہوئی تو انہوں نے فجر کی نماز پڑھی۔ عمر بن الخطاب کا یہ دستور تھا کہ وہ اندھیرے ہی سے صبح کی نماز شروع کر دیتے اور اکثر ایسا ہوتا کہ جب وہ محراب میں داخل ہوتے تو ان کے پیچھے دو مقتدیوں سے زیادہ نہ ہوتے اور آپ انعام یا نساء کی سورت پڑھنی شروع کر دیتے اتنے میں سونے والے جاگ اٹھتے وضو کرنے والے وضو کر چکے اور دور رہنے والے آچکے یہاں تک کہ پہلی رکعت کے ختم ہوتے ہوتے اور جلد ختم کر دیتے۔ آج ایسا ہوا کہ آپ نے پہلی رکعت میں بھی چھوٹی سورت پڑھی اور دوسری رکعت میں بھی اور سلام پھیر کر اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے چلو دولہا اور دولہن کا خیر مقدم کریں۔ اس پر آپ کے ساتھیوں کو تعجب ہوا۔ وہ آپ کی اس بات کا مطلب نہ سمجھ سکے۔ آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیے اور آپ انہیں لے کر مدینے کے دروازے کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر جب روشنی ہوئی اور جوان کو مدینے کے اونچے مقامات دکھائی دینے لگے تو وہ آگے آگے اور اس کی بیوی پیچھے پیچھے مدینے کے دروازے کی طرف چلے۔ جب حضرت عمر اور دوسرے مسلمانوں کی نظر ان پر پڑی تو انہوں نے اسے سلام کیا اور شہر میں داخل ہونے کے بعد حضرت عمر نے حکم دیا کہ ولیمے کا کھانا پکوا دیا جائے۔ تمام مسلمان آ کر دعوت میں شریک ہوئے اور جوان اپنی دولہن سے ہم بستر ہوا اور خدا نے اس لڑکی سے جوان کو کئی اولادیں عطا کیں۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو سترویں رات

جب چار سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- خدا نے جو ان کو اس کی بیوی سے کئی اولادیں دیں جو خدا کی راہ میں لڑے اور اپنے آباء و اجداد کا فخر قائم رکھا۔ وہ سب نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ لذتوں کو کرکرا اور صحبتوں کو ترتر کرنے والی موت آ پہنچی۔

○ ابراہیم بن خواص اور شہزادی کی کہانی

ابراہیم بن خواص بیان کرتے ہیں، ایک بار میرا جی چاہا کہ کفار کے ملک میں چلنا چاہیے۔ میں نے اپنی جی کو بہت روکا وہ نہ رکا اور طبیعت کو دوسری طرف لگانا چاہا لیکن وہ نہ لگی۔ بالآخر میں چل کھڑا ہوا اور کفار کے ملکوں میں سیر کرنے لگا۔ خدا کی مہربانی میرے ساتھ تھی۔ جو عیسائی مجھے دیکھتا اپنی آنکھ نیچی کر لیتا اور کترا کر چلا جاتا۔ یہاں تک کہ میں ایک بڑے شہر کے پاس پہنچا، دیکھا کہ اس کے دروازے پر بہت سے غلام کھڑے ہوئے ہیں، ان کے پاس ہتھیار ہیں اور ہاتھوں میں لوہے کی چھڑیاں۔ ان کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ سب کے سب سرودھ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کیا تو طبیب ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ بولے بادشاہ کے پاس چل۔ اور وہ مجھے اس کے پاس لے گئے۔ وہ بڑا خوبصورت اور شاندار بادشاہ تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو پوچھا، کیا تو طبیب ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے غلاموں سے کہا اس شخص کو ”اس“ کے پاس لے جاؤ۔ مگر وہاں لے جانے سے پہلے اس سے کہہ دینا کہ شرط کیا ہے۔ اب وہ مجھے وہاں لے چلے اور مجھ سے کہا بادشاہ کی ایک بیٹی ہے جو سخت بیمار ہے، طبیب اسے اچھا کرنے سے عاجز آ گئے ہیں، جو طبیب آیا اس کا علاج کیا اور فائدہ نہ ہوا تو بادشاہ نے

اسے قتل کر دیا۔ آئندہ تیری مرضی۔ میں نے کہا بادشاہ نے مجھے اس کے پاس بھیجا ہے تو مجھے وہاں لے چلو۔ جب ہم اس کے دروازے پر پہنچے تو غلاموں نے دستک دی، لڑکی نے مکان کے اندر سے آواز دی۔ اس عجیب و غریب بھید والے طبیب کو اندر لے آؤ۔

ایک بوڑھے نے جلد سے دروازہ کھولا اور کہا اندر آ۔ میں اندر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گھر میں پھول بچھے ہوئے ہیں، ایک کونے میں پردہ پڑا ہوا ہے اور اس کے پیچھے کوئی کمزور انسان کراہ رہا ہے۔ میں پردے کے آگے بیٹھ گیا اور سلام کرنا چاہتا ہی تھا کہ مجھے خدا کا قول یاد آ گیا کہ ”یہودیوں اور عیسائیوں کو پہلے سلام نہ کیا کرو۔“ میں رک گیا۔ اس نے پردے کے پیچھے سے آواز دی۔ اے خواص کے بیٹے، توحید اور اخلاص کا سلام کہاں گیا؟ مجھے سخت تعجب ہوا۔ میں نے کہا تو مجھے کیونکر جانتی ہے؟ اس نے کہا جب دل اور طبائع ایک ساتھ ہوتے ہیں تو زبان اندرونی بھیدوں سے آگاہ ہو جاتی ہے۔ کل میں نے خدا سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے ولیوں میں سے ایک ولی کو میرے پاس بھیجے جو مجھے یہاں سے نجات دلوائے۔ میرے مکان کے ایک کونے سے مجھ کو جواب ملا تھا کہ غمگین نہ ہو میں ابراہیم خواص کو تیرے پاس بھیج رہا ہوں۔ میں نے لڑکی سے پوچھا، تیری حالت کیا ہے؟ اس نے جواب دیا چار سال ہوئے کہ حق مجھ پر ظاہر ہو گیا۔ وہی میرا ساتھی، دوست مقرب، اور ہم صحبت ہے۔ لوگ مجھے گھور گھور کر دیکھنے، مجھ پر طرح طرح کے گمان کرنے اور مجھے مجنون کہنے لگے۔ جب کبھی کوئی طبیب آتا تو مجھے اس سے وحشت ہوتی، کبھی کوئی ملنے آتا تو میرا دل گھبراتا۔ میں نے پوچھا، کیا چیز تجھے اسلام کی طرف لائی؟ اس نے کہا اس کی صاف دلیلیں اور روشن نشانیاں۔ جب راستہ صاف ہو جاتا ہے تو دلیل اور مدلول سب دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ وہ بوڑھا پہنچا جو اس کا پریدار تھا اور اس نے لڑکی سے پوچھا طبیب نے کیا کہا؟ وہ بولی کہ بیماری کی تشخیص کی اور ٹھیک دوا دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• چار سو اٹھترویں رات

جب چار سو اٹھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا سے نیک نہاد بادشاہ ----- لڑکی نے کہا طبیب نے ٹھیک تشخیص کی اور مناسب دوا دی، مجھے اس سے خوشی حاصل ہوئی اور وہ مجھ سے بھلائی کے ساتھ پیش آیا۔ اس نے بادشاہ کے پاس جا کر خبر کی اور بادشاہ نے مجھے انعام و اکرام دینے کے لیے کہا۔ سات دن تک میں لڑکی کے پاس آتا جاتا رہا۔ اب اس نے کہا اے ابواءہ دارالاسلام کو کب میں ہجرت کروں گی؟ میں نے کہا تو کس طرح یہاں سے نکل سکتی ہے اور تجھے نکالنے کی کسے جرات ہے۔ اس نے کہا اس کو جو تجھے یہاں لایا اور مجھ ملایا۔ میں نے کہا تو نے کیا خوب کہا! دوسرے روز ہم شہر پناہ کے دروازے پر آئے اور اس نے لوگوں کی آنکھیں ہماری طرف بند کر دیں جس کا یہ حال ہے جب وہ کسی بات کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ میں نے اس لڑکی سے زیادہ نماز اور روزے پر صبر کرنے والا کسی اور کو نہیں دیکھا۔ سات سال وہ بیت اللہ کے پڑوس میں رہی اور جب فوت ہوئی تو مکے میں دفن ہوئی، خدا اپنی رحمت اس پر نازل کرے!

○ نبی، دوار اور لکڑ ہارے کی کہانی

ایک نبی کسی اونچے پہاڑ پر عبادت میں مشغول رہتا جس کے نیچے ایک چشمہ بہتا تھا۔ دن کے وقت وہ پہاڑ کی چوٹی پر ایسی جگہ بیٹھ کر عبادت کرتا کہ راہ گیر اسے دیکھ نہ سکتے۔ وہ ہر اس شخص کو دیکھ سکتا جو چشمے پر آ کر ٹھہرتا۔ ایک روز وہ بیٹھا چشمے کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے دیکھا کہ ایک سوداگر آ کر گھوڑے سے اترا اور گلے سے ایک

تھیلی اتار کر رکھ دی، ستیا اور پانی پی کر چل دیا، تھیلی وہیں چھوڑ دی جس میں دینار تھے۔ اس کے جاتے ہی ایک دوسرا شخص چشمے پر پہنچا اور تھیلی اٹھائی اور پانی پی کر صبح و سلامت وہاں سے چلتا ہوا۔ اس کے بعد ایک لکڑ ہارا آیا جس کی پیٹھ پر لکڑیوں کا ایک بھاری بوجھ تھا اور چشمے پر بیٹھ کر پانی پینے لگا۔ اتنے میں وہی سوار گھبرا یا آیا اور لکڑ ہارے سے کہنے لگا وہ تھیلی کہاں ہے جو اس جگہ تھی؟ اس نے کہا مجھے خبر نہیں۔ سوار تلوار کھینچ کر ایک ایسا ہاتھ مارا کہ وہ مر گیا اور اس کی تلاشی لی مگر کچھ نہ ملا۔ وہ اسے چھوڑ کر چلتا بنا۔ نبی نے کہا اے پروردگار ہزار دینار کوئی لے جائے اور مارا کوئی جائے! خدا نے اس کے پاس وحی بھیجی کہ تو، اپنی عبادت کیے جا، ملک کی سیاست تیرا کام نہیں۔ اس سوار کے باپ نے اس شخص کے باپ کے ایک ہزار دینار ایک بار جبراً چھین لیے تھے اس لیے میں نے بیٹے کو باپ کا مال دلوا دیا اور اس لکڑ ہارے نے سوار کے باپ کو قتل کیا تھا اس کے بیٹے نے اس کا قصاص لے لیا۔ نبی نے کہا کہ لا الہ الا انت سبحانک انت علام الغیوب۔۔۔۔۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو اناسیویں رات

جب چار سو اناسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- نبی نے کہا،
لا الہ الا انت سبحانک انت علام الغیوب۔

URDU4U.COM

○ ملحق اور ولی اللہ کی کہانی

ایک بزرگ کا بیان ہے کہ مصر میں دیائے نیل پر ملاجی کرتا اور پورب سے پچھتم کی طرف سواریاں لے جاتا۔ ایک روز میں اپنی کشتی میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک نورانی چہرے والا بوڑھا شخص میرے پاس آیا اور سلام کیا۔ میں نے سلام کا جواب دیا۔ اس نے کہا کیا تو خدا کے واسطے مجھے لے چلے گا؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ بولا اور خدا کے واسطے مجھے کھانا کھلائے گا؟ میں نے کہا ہاں اب وہ کشتی میں بیٹھ گیا اور میں نے اسے پورب کی طرف پہنچا دیا۔ وہ ایک گڈری پہنے ہوئے تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چمڑے کی تھیلی اور ایک ڈنڈا تھا۔ جب وہ اترنے لگا تو اس نے مجھ سے کہا ایک امانت سپرد کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے پوچھا وہ کیا؟ اس نے کہا کل جب میں ظہر کے وقت تجھ کو بلاؤں تو آجائیو تو مجھے اس درخت کے نیچے مرا ہوا پائے گا۔ مجھے غسل دے کر وہ کفن پہنائیو جو میرے سر کے نیچے ہو اور نماز پڑھ کر مجھے ریت میں دفن کر دیجیو اور گڈری، تھیلی اور ڈنڈا لے کر اپنے پاس رکھ لیجیو۔ جب کوئی انہیں مانگنے آئے تو دے دیجیو۔ مجھے اس پر سخت تعجب ہوا اور جا کر رات کو سو رہا۔ صبح ہوئی تو میں اس وقت کا انتظار کرنے لگا جو اس نے کہا تھا لیکن ظہر کا وقت ہوا تو میں اس کی بات بھول گیا۔ ظہر کے وقت مجھے الہام ہوا۔ میں جلدی سے گیا دیکھا کہ وہ درخت کے نیچے مرا ہوا پڑا ہے اور اس کے سرہانے ایک نیا کفن رکھا

ہوا ہے جس میں سے مشک کی خوشبو آ رہی ہے۔ میں نے اسے غسل دے کر کفن پہنایا، جنازے کی نماز پڑھ کر قبر کھودی اور اسے دفن کر کے نیل کو پار کیا اور رات کے وقت پچھتم کی جانب پہنچا۔ گدڑی، تھیلی اور ڈنڈا میرے ساتھ تھا۔ صبح کو وقت ہوا اور شر کا دروانہ کھلا تو مجھے ایک جوان دکھائی دیا جو چور تھا اور جسے میں پہچانتا تھا۔ اس کے کپڑے نہایت باریک تھے اور اس کے ہاتھوں پر مہندی لگی ہوئی تھی وہ آتے ہی میرے پاس پہنچا اور کہنے لگا تو ہی فلاں شخص ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں۔ اس نے کہا لا امانت دے۔ میں نے کہا کیسی امانت؟ اس نے کہا گدڑی، تھیلی اور ڈنڈا۔ میں نے کہا تجھے ان کا پتہ کس نے دیا؟ اس نے کہا یہ تو تجھے معلوم نہیں مگر میں رات فلاں شخص کی شادی میں گیا ہوا تھا۔ رات بھر گاتا رہا، صبح ہوئی تو میں لیٹ کر سو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص میرے پاس آ کر کہنے لگا کہ خدا نے فلاں ولی کی روح قبض کر لی ہے اور تجھے اس کا جانشین بنایا ہے اب تو فلاں ملاح کے پاس جر کر اس سے اس ولی کی گدڑی، تھیلی اور ڈنڈا لے۔ وہ انہیں اس کے پاس بطور امانت رکھ گیا ہے۔ یہ سن کر میں تینوں چیزیں نکالیں اور اس کے حوالے کر دیں۔ اس نے اپنے کپڑے اتار کر وہ گدڑی پہن لی اور مجھے چھوڑ کر چلتا ہوا۔ میں اس محرومی پر رونے لگا۔

رات کو میں نے خواب میں اللہ میاں کو دیکھا کہ وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ اے میرے بندے کیا تجھے یہ گراں گزرا کہ میں نے ایک بندے پر احسان کیا اور اسے اپنی طرف واپس لے لیا۔ یہ میرا فرض ہے جسے میں چاہتا ہوں دیتا ہوں، میں ہر چیز پر قادر ہوں۔

○ نیکے مرد کے بیٹے کی کہانی

بنی اسرائیل کے ایک نیک مرد کے پاس بہت دولت تھی اور اس کا ایک نیک خصال

بیٹا تھا۔ جب اس کے مرنے کا وقت قریب ہوا تو اس کا بیٹھا سرہانے آ کر بیٹھا اور کہنے لگا اے میرے آقا مجھے وصیت کر۔ باپ نے کہا بیٹا کبھی خدا کی قسم نہ کھائیو، نہ سچی نہ جھوٹی۔ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اکیلا رہ گیا۔ بنی اسرائیل کے بادشاہوں کو اس وصیت کی خبر ملی تو ایک شخص آیا اور بولا کہ میرا تیرے باپ کے ذمے اس قدر نکلتا ہے اور تجھے اس کی خبر ہے؟ یا تو قرضہ ادا کر دے ورنہ قسم کھا۔ بیٹا باپ کی وصیت پر کاربند تھا جو کچھ اس نے مانگا دے دیا۔ اب اس قسم کے لوگوں کا تانا بندا گیا جھوٹ موٹ قرضہ بتاتے اور لے جاتے۔ ناداری نے زور پکڑا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کی ساری پونجی ختم ہوئی۔ اس کی ایک نیک بخت بیوی تھی جس سے پہلے دو بچے تھے ایک روز اس نے اپنی بیوی سے کہا لوگ میرے پاس بہت آنے لگے ہیں۔ جب تک میرے پاس انہیں دینے کے لیے تھا میں دیتا رہا، اب کچھ باقی نہیں ہے۔ اس حال میں کوئی مانگنے والا آیا تو میں اور تو دونوں مصیبت میں پھنس جائیں گے، بہتر ہے کہ ہم ایسی جگہ نکل چلیں جہاں جاننے والا کوئی نہ ہو اور ہم انجانوں کی طرح گزارہ کریں۔ الغرض وہ اپنی بیوی اور دونوں بچوں کو لے کر کشتی پر سوار ہو گیا۔ کہاں جائے، یہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ خدا کا حکم کسی کے ٹالے نہیں ٹلتا۔ اتفاق کی بات کشتی ٹوٹ گئی۔ مرد ایک تختے پر رہ گیا۔ عورت دوسرے پر اور ہر بچہ ایک ایک تختے پر۔ لہروں نے انہیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ عورت کسی شہر میں پہنچی۔ ایک بچہ کہیں جا نکلا اور دوسرے کو کسی کشتی والوں نے سمندر میں سے نکال لیا۔ مرد کا یہ حشر ہوا کہ موجوں نے اسے ایک دور دراز جزیرے میں جا پھینکا۔ وہاں پہنچ کر اس نے سمندر کے پانی سے وضو کیا، اذان دی اور نماز پڑھی۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو اسی ویں رات

جب چار سو اسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- وہ شخص جزیرے میں پہنچا تو اس نے سمندر کے پانی سے وضو کیا۔ اذان دی اور نماز پڑھی۔ اتنے میں سمندر سے مختلف رنگوں کے لوگ نکل کر آئے اور انہوں نے اس کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو چکا تو جزیرے میں ایک درخت کے پاس جا کر اس نے پھل کھائے۔ پیٹ بھرنے کے بعد ایک چشمتے سے پانی پیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ تین دن تک یہی حالت رہی کہ وہ نماز پڑھتا اور لوگ سمندر سے نکل کر اسی کی طرح نماز پڑھتے۔ تین دن گزر گئے تو اس نے کسی کو یہ کہتے سنا کہ اے نیک مرد جس نے اپنے باپ کے ساتھ نیکی کی ہے اور اپنے پروردگار کا احترام کیا ہے غمگین نہ ہو جو کچھ تیرے ہاتھ سے نکل گیا ہے اسے خدا پھر تجھے دے گا۔ اس جزیرے میں خزانے ہیں اور مال دولت، خدا وہ تجھے دینا چاہتا ہے۔ یہ چیزیں اس جزیرے میں فلاں فلاں جگہ ہیں۔ انہیں کھود کر نکال اور ہم تیرے پاس کشتیاں بھیجتے ہیں۔ لوگوں کے ساتھ احسان کر اور انہیں اپنے پاس بلا۔ خدا ان کے دل تیری طرف مائل کر دے گا۔" وہ شخص اٹھ کر جزیرے میں بتائی ہوئی جگہ گیا اور خدا نے وہ خزانے اس پر ظاہر کر دیئے۔ لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر اس کے پاس آنے لگے اور وہ ان کے ساتھ بہت احسان کرتا اور ان سے کہتا تم اور لوگوں کو بھی میرے پاس لاؤ میں انہیں فلاں فلاں چیزیں دوں گا اور ان کے لیے فلاں فلاں بات کروں گا۔ اب چاروں طرف سے مخلوق اس کے پاس آنے لگی اور ابھی دس سال بھی نہ گزرے ہوں گے کہ جزیرہ آباد ہو گیا اور وہ شخص وہاں کا بادشاہ کہلانے لگا جو کوئی وہاں آتا وہ اس کے ساتھ احسان کرتا۔ یہ خبر دنیا میں ہر طرف مشہور ہو گئی۔

اس کا بڑا بیٹا ایک شخص کے ہاتھ لگا جس نے اسے لکھایا پڑھایا اور دوسرا ایک دوسرے

شخص کے پاس پہنچا جس نے اس کی بہت اچھی تربیت کی اور اسے تجارت کے طریقے سکھائے۔ عورت کو ایک تاجر نے نکالا۔ سارا مال اس کے سپرد کر دیا اور وعدہ کیا کہ وہ اس کے ساتھ خیانت نہ کرے گا بلکہ خدا کی فرمانبرداری میں اس کی مدد کرے گا۔ وہ اسے کشتی میں لے کر ملک ملک کی سیر کرتا اور جہاں جاتا اسے بھی لے جاتا۔ بڑے بیٹے نے اس بادشاہ کا شہرہ سنا تو وہ اس کے پاس روانہ ہو گیا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ وہ کون ہے۔ وہ بادشاہ کے پاس پہنچا تو اس نے مصاحبت میں لے لیا اور اسے اپنا وزیر بنایا۔ جب دوسرے بیٹے نے اس عادل اور خدا پرست بادشاہ کے حالات سنے تو وہ بھی اس کے پہنچا۔ اسے بھی خبر نہ تھی کہ وہ کون ہے۔ بادشاہ نے اسے اپنا حاجب بنا لیا۔ اسی طرح وہ ایک مدت بادشاہ کی خدمت کرتے رہے اور ایک کو دوسرے کا حال مطلق معلوم نہ ہوا۔ تاجر کے پاس وہ عورت تھی اس نے بھی اس بادشاہ کی شہرت سنی کہ وہ لوگوں کے ساتھ نیکی اور احسان کرتا ہے۔ اس نے بھی کچھ عمدہ کپڑے اور ملک کے اچھے اچھے تحفے مہیا کئے۔ وہ عورت کو ساتھ لے کر کشتی میں سوار ہو گیا۔ جزیرے کے کنارے جا اترا اور بادشاہ کی خدمت میں ہدیے پیش کئے۔ بادشاہ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ اس شخص کو عمدہ انعام دیا جائے۔ ہدیے میں جڑی بوٹیاں بھی تھیں اور بادشاہ نے تاجر سے ان کے نام اور خاصیتیں دریافت کیں اور اس سے کہا کہ آج رات یہیں میرے پاس ٹھہر۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو اکیاسی ویں رات

جب چار سو اکیاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب بادشاہ نے تاجر سے کہا کہ آج رات میرے پاس ٹھہر جا تو اس نے کہا کشتی میں میری ایک امانت ہے جس سے میں نے وعدہ کیا ہے کہ اسے اپنے سوا اور کسی کے سپرد نہ کروں گا۔ وہ ایک پارسا عورت ہے جس کی دعا سے میں خوشحال ہوا ہوں اور جس کے مشوروں سے مجھے برکت ملی ہے۔ بادشاہ نے کہاں میں بھی اس کے پاس معتمد لوگوں کو بھیجتا ہوں جو رات بھر اس کی پاسبانی اور اس کے مال کی حفاظت کریں گے۔ تاجر کی تسکین ہو گئی اور وہ بادشاہ کے پاس ٹھہر گیا۔ بادشاہ نے اپنے وزیر اور حاجب کو یہ کہہ کر اس عورت کے پاس روانہ کر دیا کہ رات بھر کشتی کی محافظت کرنا۔ دونوں چل دیئے اور کشتی پر سوار ہو کر ایک اگلی طرف اور دوسرا کچھلی طرف بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک تو خدا کی یاد میں مشغول رہے پھر ایک نے دوسرے سے کہا اے فلاں شخص، بادشاہ نے ہمیں چوکیدار کا حکم دیا ہے اور ہمیں ڈر ہے کہ کہیں نیند نہ آ جائے، آؤ ہم ایک دوسرے سے دنیا کی خبریں بیان کریں اور جو کچھ اچھی بری چیزیں ہم نے دیکھی ہیں سنائیں۔ دوسرے نے جواب دیا بھائی مجھ پر یہ مصیبت گزری کہ زمانے نے مجھے میرے ماں باپ اور بھائی سے جدا کر دیا۔ میرے بھائی کا نام وہی تھا جو تیرا ہے اور یہ اس طرح ہوا کہ میرا باپ فلاں شہر سے کشتی میں سوار ہوا، راستے میں طوفان آیا، مخالف ہوائیں چلنے لگیں، کشتی چکنا چور ہو گئی اور خدا نے ہمیں تتر بتر کر دیا۔ دوسرے نے یہ باتیں سنیں تو کہنے لگا تیری ماں کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا فلاں۔ اس نے پوچھا تیرے باپ کا نام؟ اس نے کہا فلاں۔ یہ سن کر بھائی بھائی سے لپٹ گیا اور کہنے لگا کدا کی قسم تو میرا بھائی ہے، اب دونوں بھائی اپنے اپنے لڑکپن کی داستانیں سنانے

لگے۔ ماں سن رہی تھی لیکن اس نے اپنا راز نہ کھولا۔ جب پوچھی تو ایک بھائی نے دوسرے سے کہا۔ اب گھر چل وہاں باتیں کریں گے۔ اس نے کہا اچھا اور دونوں چل کھڑے ہوئے۔

صبح تاجر عورت کے پاس آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہے۔ اس نے پوچھا تجھے کیا تکلیف پہنچی؟ اس نے جواب دیا رات تو نے میرے پاس دو شخصوں کو بھیجا تھا جس سے مجھے بہت تکلیف پہنچی۔ یہ سن کر تاجر کو غصہ آ گیا اور اس نے بادشاہ کے پاس جا کر دونوں معتمدوں کی شکایت کی۔ بادشاہ نے انہیں فوراً طلب کیا۔ بادشاہ کو ان سے بہت محبت تھی۔ اسے ان کی دیانت اور امانت کا یقین تھا۔ بادشاہ نے عورت کو بھی بلوایا تا کہ وہ اپنی زبان سے ان کی شکایت کرے۔ جب وہ حاضر ہوئی تو بادشاہ نے کہا اے عورت تو نے ان دونوں امانت دار شخصوں سے کون سی حرکت دیکھی ہے؟ اس نے جواب دیا اے بادشاہ، میں اس بزرگ خدا کا تجھے واسطہ دیتی ہوں جو عرش کا مالک ہے تو ان دونوں کو حکم دے کہ وہ اس گفتگو کو دہرائیں جو یہ کل رات کر رہے تھے۔ بادشاہ نے ان سے کہا جو کچھ تم نے کہا تھا سے دہراؤ اور بے کم و کاست بیان کرو۔ انہوں نے اپنی اپنی باتیں دہرائیں تو بادشاہ تخت اتر پڑا اور ایک چیخ مار کر ان سے لپٹ گیا۔ انہیں گلے لگا لیا اور کہنے لگا واللہ تم میرے دونوں بیٹے ہو۔ اب عورت نے اپنا چہرہ کھول دیا اور کہنے لگی واللہ میں ان دونوں کی ماں ہوں۔ غرض کہ سب مل گئے اور نہایت عیش و عشرت سے زندگی گزارنے لگے یہاں تک کہ موت نے انہیں جدا کر دیا۔ پاک ہے وہ ذات کہ اگر بندہ اس کی طرف جائے تو نجات پائے اور جس کی امید و رجا اس کے ساتھ وابستہ ہو، کبھی ٹوٹی نہ ہو۔

○ ابوالحسن دراج اور ابو جعفر مجذوم کی کہانی

ابوالحسن دراج کا بیان ہے کہ میں اکثر مکے جایا کرتا تھا۔ خدا اس کی بزرگی اور زیادہ بڑھائے! اور لوگ میرے ساتھ کرتے تھے کیونکہ میں راستے سے واقف تھا اور منزلیں مجھے ازر تھیں۔ ایک سال کا واقعہ ہے کہ میں نے بیت اللہ جانے اور رسول اللہ کی قبر کی زیارت کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے دل میں کہا مجھے راستہ تو معلوم ہے ہی، میں اکیلا جاؤں گا چنانچہ میں روانہ ہو گیا اور قادیہ پہنچا۔ شہر کے اندر داخل ہو کر مسجد میں گیا۔ دیکھا کہ ایک کوڑھی محراب کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔ مجھے دیکھ کر اس نے کہا اے ابوالحسن میں چاہتا ہوں کہ تیرے ساتھ مکے چلوں۔ میں نے اپنے دل میں سوچا میں ساتھیوں سے تو بھاگ کر آیا ہوں کوڑھیوں کے ہمراہ کیوں جاؤں! اور اس سے کہا میں کسی کے ساتھ نہیں جانا چاہتا۔ وہ چپ ہو گیا اور دوسرے دن میں اکیلا چل کھڑا ہوا۔ چلتے چلتے عقبہ پہنچا۔ جب میں وہاں مسجد کے اندر گیا تو دیکھا کہ وہ کوڑھی محراب میں بیٹھا ہوا ہے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا سبحان اللہ یہ شخص مجھ سے پہلے یہاں کس طرح آ گیا! اس نے اپنا سر اٹھایا اور مسکرا کر بولا اے ابوالحسن ”وہ“ کمزور کے ساتھ ایسی کرتا ہے جس سے زور آور کو تعجب ہوتا ہے۔ رات بھر میں اس واقعے پر تعجب ہوا کرتا رہا۔ صبح ہوئی تو میں پھر اکیلا چل کھڑا ہوا۔ عرفات پہنچ کر مسجد میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی شخص وہاں بھی محراب کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔ میں اس کے قدموں پر گر پڑا اور کہا اے میرے آقا میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ساتھ لے چل۔ یہ کہہ کر میں نے اس کے ہاتھ پاؤں چومنے شروع کر دیئے۔ اس نے کہاں میرے لیے ممکن نہیں۔ اس کی صحبت سے محروم ہونے کی وجہ سے میں رونے پٹنے لگا۔ وہ بولا بے قرار نہ ہو، رونے سے کوئی فائدہ نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو بیاسی ویں رات

جب چار سو بیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- مجذوم نے کہا، 'رونے دھونے سے کوئی فائدہ نہیں۔ لاچار میں وہاں سے چل دیا۔ جب میں کسی منزل پر پہنچا تو دیکھتا کہ وہ وہاں مجھ سے پہلے موجود ہے لیکن جب میں مدینے میں پہنچا تو نہ اس کا پتا چلا نہ اس کی کوئی خبر معلوم ہوئی۔ اس کے بعد میری ملاقات ابویزید بسطامی، ابو بکر شبلی اور کئی بزرگوں سے ہوئی۔ میں نے انہیں اپنی سرگزشت سنائی اور ان کے سامنے اپنا رونا رویا۔ انہوں نے کہا افسوس ہے اگر تو اس سے پھر نہ مل سکے۔ وہ ابو جعفر مجذوم ہے۔ اس کی برکت سے پانی برستا ہے اور دعا قبول ہوتی ہے۔

میں نے ان سے یہ باتیں سنیں تو مجھے اس کی زیارت کا شوق اور بھی زیادہ ہوا۔ میں نے خدا سے دعا مانگی وہ مجھے اس سے ملا دے۔ میں عرفات میں کھڑا ہوا تھا کہ کسی نے پیچھے سے میرا دامن کھینچا۔ میں نے دیکھا تو وہی شخص تھا۔ اسے دیکھ کر میں نے زور سے چیخ ماری اور غش کھا کر گر گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو وہاں نہ تھا۔ میرا اشتیاق اور زیادہ ہو گیا، گلیاں مجھے تنگ معلوم ہونے لگیں اور میں نے خدا سے اس کے دیدار کی دعا مانگی۔ تھوڑے دنوں کے بعد پھر اس نے مجھے پیچھے سے کھینچا اور میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو انے کہا میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میرے پاس آ اور اپنی حاجت مانگ۔ میں نے میرے لیے تین دعائیں مانگ۔ پہلے یہ کہ فقر سے مجھے محبت ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ کسی رات کو مجھے اپنے آئندہ رزق کا علم نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ خدا مجھے اپنا دیدار دکھائے۔ اس نے تینوں دعائیں میرے لیے مانگیں اور غائب ہو گیا اور خدا نے میرے لیے اس کی دعا قبول کر لی۔ پہلی کے متعلق یہ ہے کہ خدا نے فقر کی محبت میرے دل میں ڈال دی۔ خدا کی قسم اس سے زیادہ پیار چیز

میرے لیے کوئی اور نہیں۔ دوسری کے متعلق یہ ہے کہ مجھے اتنے سال ہو گئے اور مجھے رات کے وقت یہ کبھی معلوم نہ ہوا کہ کل میرا رزق کہاں ہے، اور باوجود اس کے خدا نے مجھے کبھی کسی چیز کا محتاج نہیں بنایا اور مجھے امید ہے کہ خدا میری تیسری دعا بھی قبول کرے گا جس طرح کہ اس نے پہلی دو دعائیں قبول کر لی ہیں، وہ کریم ہے اور بڑے فضل والا۔

○ حکیم دانیال کے بیٹے کی کہانی

پرانے زمانے میں دانیال نامی یونان کا ایک حکیم تھا۔ فوج کی فوج اس کی شاگرد تھی۔ وہاں کے حکما اس کی دھاک مانتے اور اس کے علم سے فائدہ اٹھاتے۔ باوجود ان تمام علم و حکمت کی باتوں کے اللہ کی بے نیازی کہ اس کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ ایک رات وہ اسی سوچ میں پڑا ہوا کڑھ رہا تھا کہ میرے بعد میری علمی دولت کا کیا حشر ہو گا۔ یک بہ یک اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر کوئی شخص خدا کی طرف رجوع کرے تو وہ اس کی دعا قبول کر لیتا ہے۔ اس کی رحمت کے دروازے پر کوئی دربان نہیں، وہ جسے چاہے بغیر حساب کے روزی دیتا ہے اور وہ کسی سائل کو نامراد نہیں لوٹاتا بلکہ اس کے ساتھ بہت نیکی اور احسان کرتا ہے۔ یہ یقین کر کے وہ خدا سے دعا مانگنے لگا کہ مجھے ایک ایسا بیٹا عطا کر جو میرا جانشین ہو اور اس پر احسان و عنایت کر۔ اس کے بعد وہ گھر گیا اور اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا۔ وہ اسی رات حاملہ ہو گئی۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو ترسی ویں رات

چار سو ترسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- حکیم کی بیوی کو اسی رات حمل بہ گیا۔ اسی اثناء میں وہ کشتی پر سوار کہیں جا رہا تھا کہ کشتی ٹوٹ گئی۔ اس کی کتابیں سمندر میں جا پڑیں وہ ایک تختے پر بیٹھ کر بچ گیا۔ اس کی کتابوں میں سے جو سمندر میں جا پڑی تھیں صرف پانچ ورق باقی بہ گئے۔ گھر پہنچ کر اس نے یہ پانچ ورق صندوق میں بند کر کے اس میں قفل لگا دیا۔ جب بیوی کا حمل ظاہر ہوا تو حکیم نے کہا، سن میرے مرنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ میں اس فانی دنیا سے باقی آخرت کی طرف جلد جانے والا ہوں اور تو حاملہ ہے، اگر میرے مرنے کے بعد تیرے لڑکا پیدا ہوا تو اس کا نام حاسب کریم الدین رکھو اور اس کی تربیت اچھی طرح سے کیجیو۔ وہ بڑا ہو اور پوچھے کہ میرے باپ نے میرے لیے کیا ورثہ چھوڑا ہے تو اسے یہ پانچ ورق دے دیجیو۔ اگر اس نے انہیں پڑھ کر سمجھ لیا تو وہ اپنے زمانے کا بڑا عالم ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ بیوی سے رخصت ہوا۔ ایک چیخ ماری اور دنیا و مافیہا چھوڑ کر چلتا بنا، خدا اس پر رحمت کرے! اہل و عیال اور دوست آشنا نے بہت غم کیا، اس کا جنازہ نہایت شان و شوکت سے نکالا اور اسے دفن کر آئے۔ تھوڑے دنوں بعد اس کے ہاں ایک نہایت خوبصورت لڑکا پیدا ہوا، بیوی نے اس کا نام حاسب کریم الدین رکھا جیسا کہ باپ وصیت کر گیا تھا۔ یہ لڑکا پیدا ہوا تو ماں نے منجموں کو بلوایا، انہوں نے لڑکے کا طالع اور ستاروں کی رفتار دیکھ کر کہا، اے عورت سن یہ لڑکا بہت دن جئے گا لیکن ابتدائی عمر میں اسے مصیبت کا سامنا ہو گا اگر وہ اس سے بچ گیا تو حکمت میں کمال حاصل کرے گا۔

منجم تو یہ کہہ کر چلتے ہوئے، بات آئی گئی ہوئی۔ ماں نے دو سال دودھ پلا کر چھڑایا۔

پانچ سال کا ہوا تو اسے پڑھنے کے لیے مکتب میں بٹھایا لیکن اس نے کچھ نہ پڑھا۔

ماں نے مکتب سے اٹھا کر دست کاری سیکھنے کے لیے بھیجا، اس نے دستکاری بھی بالکل نہ سیکھی اور کوئی کام اس کے ہاتھ سے بن نہ پڑا۔ ماں کو اس کا بڑا صدمہ تھا۔ ہر وقت اسے بیٹے کے جاہل رہنے کا غم کھائے جاتا۔ لوگوں نے اسے مشورہ دیا کہ اس کا بیاہ کر دے، ممکن ہے وہ بیوی کا بوجھ پڑنے سے کوئی فن سیکھ لے۔ ماں نے ایک لڑکی کو اس کی طرف سے پیغام دیا اور بیٹے کا نکاح اس سے کر دیا۔ اس پر بھی ایک مدت گزر گئی اور اس نے کوئی پیشہ اختیار نہ کیا۔ پڑوس میں چند لکڑ ہارے رہتے تھے، انہوں نے اس کی ماں کے پاس آ کر اس کے لیے ایک گدھا، ایک رسی اور ایک کلباڑی خرید دے وہ ہمارے ساتھ پہاڑ میں چل کر لکڑیاں کاٹے اور جمع کرے جو اس کے دام ملیں گے ہم آپس میں تقسیم کر لیا کریں گے اور وہ اپنے حصے کے دام تم پر خرچ کرے گا۔ ماں لکڑ ہاروں کی یہ باتیں سن کر بہت خوش ہوئی اور اس نے اپنے بیٹے کے لیے ایک گدھا، ایک رسی اور ایک کلباڑی خریدی اور اسے لے کر لکڑ ہاروں کے سپرد کر دیا اور ان کی نگرانی میں دے دیا۔ انہوں نے اس کی ماں سے کہا فکر نہ کر ہمارا پروردگار اس لڑکے کو بھی روزی دے گا، یہ ہمارے استاد کا بیٹا ہے۔ اب وہ اسے لے کر پہاڑ پر گئے۔ لکڑیاں کاٹیں، انہیں گدھوں پر لاد کر شہر میں لائے اور انہیں بیچ کر اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا۔ ایک مدت تک اسی طرح ہوتا رہا۔ وہ لکڑ ہاروں کے ساتھ جاتا، لکڑیاں کاٹتا، لکڑیاں بکتیں اور سب کے گھر کے خرچ چلتے۔

اب اللہ کی قدرت کا تماشہ دیکھو، ایک دن جب وہ لکڑیاں جمع کرنے جا رہے تھے، سخت بارش ہونے لگی اور سب کے سب اپنی اپنی جان لے کر ایک غار میں جا چھپے کہ مینہ سے بچیں۔ حاسب کریم الدین ان کے پاس سے اٹھ کر علیحدہ جا بیٹھا اور کلباڑی زمین پر مارنے لگا۔ وہ جگہ اس کو نیچے سے کھوکھلی معلوم ہوئی۔ اس نے زور زور سے کلباڑی چلائی شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد کچھ مٹی ہٹ کر اس کی نظر ایک گول اینٹ پر پڑی جس میں ایک حلقہ لگا ہوا تھا۔ خوش ہو کر اس نے اور لکڑ ہاروں کو آواز دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• چار سو چوراسی دین رات

چار سو چوراسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب حاسب کریم الدین نے لکڑ ہاروں کو آواز دی تو وہ سب کے سب وہاں پہنچے اور لپک کر اینٹ کو ہٹایا دیکھا کہ اس کے نیچے ایک دروانہ ہے۔ یہ دروانہ کھولا تو ایک کنواں دکھائی دیا جو شہد سے بھرا ہوا تھا۔ لکڑ ہاروں نے آپس میں کہا یہ کنواں شہد سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے سوا چاہ نہیں کہ شہر جا کر برتن لائیں۔ شہد کو ان میں بھر کر لے آئیں، بچیں اور اس کے دام آپس میں تقسیم کر لیں۔ مگر ہم میں سے ایک شخص یہیں بیٹھا رہے اور اس کی حفاظت کرے کہیں کوئی اور لے کر چلتا نہ ہو۔ حاسب نے کہا میں یہاں بیٹھ کر اس کی نگہبانی کروں گا تم لوگ جا کر برتن لے آؤ۔ وہ حاسب کریم الدین کو کنوئیں پر پہرا دینے کے چھوڑ کر شہر گئے اور برتن لا کر شہد بھرا اور گدھوں پر لاد کر شہر کو واپس گئے اور اسے بیچ کر دوبارہ کنوئیں پر آئے۔ ایک مدت تک یہی کرتے رہے: رات شہر میں گزارتے دن میں کنوئیں پر جا کر شہد بھرتے اور حاسب کریم الدین کنوئیں پر بیٹھ کر اس کی نگہبانی کرتا۔ ایک دن وہ آپس میں کہنے لگے جس شخص نے شہد کو کنوئیں کو دیکھا ہے وہ حاسب کریم الدین ہے۔ کل وہ شہر میں آ کر ہم پر دعویٰ کرے گا اور شہد کی قیمت لے گا کیونکہ وہ کہے گا کہ میں نے ہی تو اسے دیکھا ہے۔ اس سے چھٹکارے کی یہی تدبیر ہو سکتی ہے کہ ہم اسے کنوئیں کے اندر اتار دیں۔ اس بہانے کہ وہ بچا کھچا شہد جمع کرے اور پھر اسے وہیں پڑا رہنے دیں۔ وہ مارے تکلیف کے مر جائے گا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی۔ اس پر سب نے اتفاق کیا اور چل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے کنوئیں کے پاس پہنچے اور حاسب کریم الدین سے کہا کنوئیں کے اندر اتر کا بچا کھچا شہد جمع کر۔ حاسب کنوئیں میں اتر

اور بچا کھچا شہد اکٹھا کیا اور اس کے بعد ان سے کہا مجھے نکال لو، اب شہد باقی نہیں رہا لیکن کسی نے کوئی جواب نہ دیا اور گدھے لاد کر شہر چلے گئے۔ وہ کنوئیں میں اکیلا رہ گیا۔ غریب دہائیاں دیتا، روتا چلاتا اور لاجول پڑھتا رہا۔ وہاں کون تھا جو سنتا۔ یہ تو حاسب کریم کا قصہ ہوا۔ اب لکڑ ہاروں کا حال سنئے۔ وہ شہر گئے، شہد بیچا اور حاسب کی ماں کے پاس جا کر رونے لگے اور کہا خدا تجھے سلامت رکھے! تیرا بیٹا مر گیا، اس نے پوچھا کس طرح اس کی موت آئی؟ انہوں نے جواب دیا ہم پہاڑ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ بہت زور سے مینہ برسنے لگا۔ ہم نے ایک غار میں پناہ لی۔ اتنے میں تیرے بیٹے کا گدھا گھاٹی کی طرف ایک بہ یک بھاگا اور تیرا بیٹا اس کے پیچھے دوڑا کہ اسے غار میں واپس لے آئے۔ وہاں گھاٹی میں ایک بہت بڑا بھیڑیا تھا جو تیرے بیٹے اور اس کے گدھے دونوں کو پھاڑ کر کھا گیا۔ لکڑ ہاروں کی یہ باتیں سن کر ماں منہ پیٹنے اور سر پر خاک ڈالنے لگی اور سوگ میں بیٹھ گئی۔ لکڑ ہارے ہر روز اس کے پاس آتے اور کھانا پینا لاتے۔ ادھر تو اس کی ماں اس غم میں مبتلا تھی۔ ادھر لکڑ ہاروں نے دکانیں کھول لیں اور سوداگر بن بیٹھے اور دن رات کھانے پینے اور کھیل کود میں مشغول ہو گئے۔ اب حاسب کریم الدین کی سرگزشت سنو۔ وہ برابر روتا اور فریاد کرتا رہا۔ اسی حالت میں تھا کہ ایک بڑا بچھو اس پر آ کر گرا۔ اس نے اٹھ کر اسے مارا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس کنوئیں میں تو شہد بھرا ہوا تھا۔ یہ بچھو کہاں سے آیا اور وہ اٹھ کر دیکھنے لگا کہ آخر بچھو کس جگہ سے گرا ہے۔ دائیں بائیں نظر دوڑاتے دوڑاتے ایک سوکھا سا سوراخ معلوم ہوا اور اس کے اندر روشنی دکھائی دی اس نے اپنی چھری نکال کر اسے چوڑا کیا۔ جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آدمی نکل جائے تو حاسب اس کے اندر گھسا۔ پار نکل کر تھوڑی دیر چلنے کے بعد اسے ایک دروانہ نظر آیا۔ ورید جا کر دیکھا کہ دروانہ بڑا اور سیاہ لوہے کا ہے، ا میں چاندی کا قفل پڑا ہے اور سونے کی کنجی لگی ہوئی ہے۔ دروازے کی دراڑ میں سے جھانکا تو اندر تیز روشنی ہو رہی تھی، دروانہ

کھول کر اندر گیا۔ آگے چل کر ایک حوض سا دکھائی دیا جس میں پانی کی طرح کوئی چیز چمک رہی تھی، اس کے نزدیک پہنچا تو ہرے زرجد کا ایک اونچا ٹیلا دیکھا۔ اس پر ایک سونے کا تخت رکھا تھا جس میں طرح طرح کے ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو پچاسی ویں رات

چار سو پچاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اسے نیک نہاد بادشاہ ----- حاسب کریم نے دیکھا کہ تخت بچھا ہے اور اس کے آس پاس بہت سی کرسیاں پڑی ہوئی ہیں جس میں سے کچھ سونے، کچھ چاندی اور کچھ سبز زمرد کی ہیں۔ جب وہ کرسیوں کے پاس پہنچا تو اس نے ٹھنڈا سانس کھینچا اور کرسیاں گننے لگا۔ اس کی تعداد بارہ ہزار نکلی، پھر وہ اس تخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا جو ان کرسیوں کے بیچ میں تھا۔ کبھی حوض کو دیکھتا، کبھی کرسیوں کو کبھی سوچتا کہ یہ کیا ظلم ہے۔ اس حیرت میں اسے نیند آ گئی، وہ سو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھنکاروں، سیٹیوں اور سرسراہٹ کی آواز سنائی دیں۔ وہ اٹھ بیٹھا اور اس نے دیکھا کہ کرسیوں پر بڑے بڑے سانپ بیٹھے ہوئے ہیں جن کی لمبائی سو سو گز ہو گئی۔ وہ سہم گیا۔ مارے ڈر کے دم خشک ہونے لگا، جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ سانپوں کی آنکھیں انگاروں کی طرف چمک رہی تھیں اور کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اس کی نظر حوض پر پڑی تو اسے چھوٹے چھوٹے اس قدر سانپ اس میں دکھائی دیئے جن کی تعداد سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہ ہو سکتی تھی۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ نچر کے برابر ایک سانپ اس کے سامنے آیا جس کی پیٹھ پر سونے کی سینی تھی، سینی کے اندر ایک سانپ تھا جو بلور کی طرف چمک رہا تھا، جس کی صورت انسان کی سی تھی اور نہایت شیریں کلام تھا۔ حاسب کریم کے پاس پہنچ کر سانپ نے سلام کیا، اس نے سلام کو جواب دیا۔ اب ان سانپوں میں سے جو کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک سانپ اٹھا اور سینی میں سے سانپ کو اتار کر اک کرسی پر بٹھا دیا۔ اس سانپ نے اپنی بولی میں ان سانپوں کو ڈانٹنا شروع کیا۔ سب سانپ کرسیوں سے نیچے گر پڑے اور اسے دعائیں دینے لگے۔ اب اس نے ان سے کہا بیٹھ جاؤ، وہ بیٹھ گئے اور اس نے حاسب کریم الدین کی طرف مخاطب ہو کر کہ اے جوان ہم سے ڈر نہیں۔ میں

سانپوں کی ملکہ اور اس قوم کا سلطان ہوں۔ سانپ سے یہ باتیں سن کر حاسب کریم کو اطمینان ہوا اور اس سانپ نے دوسرے سانپوں کی طرف اشارہ کر کے کہا، کھانے کے لیے کچھ چیزیں لاؤ۔" وہ سیب، انگور، انار، پتے، اخروٹ، بادام اور کیلے لے آئے اور حاسب کریم الدین کے آگے رکھ دیئے۔

پھر سانپوں کی ملکہ نے کہا خوش آمدید اے جوان، تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا حاسب کریم الدین۔ ملکہ نے کہا اے حاسب، یہ میوے کھا، ہمارے پاس ان کے سوا کوئی چیز نہیں جو کھانے کا کام دے اور ہم سے بالکل نہ ڈر۔ حاسب نہ سانپ کی باتیں سنیں تو اس نے پیٹ بھر کا کھایا اور خدا کا شکر بجا لایا۔ وہ کھا چکا تو دسترخوان بڑھایا گیا اور سانپوں کی ملکہ نے کہا اسے حاسب اب تو بتا کہ تو کہاں کا رہنے والا ہے یہاں کیسے آیا اور تیرا ماجرا کیا ہے؟ حاسب نے اپنی ساری سرگزشت کہہ سنائی کہ میرے باپ پر کیا گزری میں کس طرح پیدا ہوا۔ ماں نے پانچ سال کی عمر میں مجھے مکتب میں بٹھایا میں نے کچھ نہ پڑھا۔ پھر ماں نے دستکاری سیکھنے بھیجا، بے ہنر کا بے ہنر رہا تو آخر اس نے ایک گدھا خرید دیا اور میں لکڑہار ہو گیا، اس کے بعد کس طرح شہد کا کنواں ملا، کیونکہ ساتھی کنوئیں میں چھوڑ کر چلتے بنے، کس طرح بچھو گرا اور بچھو کے نکلنے کی جگہ تلاش کی، سوکھا پایا۔ اسے بڑا کیا اور اندر آ کر لوہے کے دروازے کے پاس پہنچا، اسے کھول کر اندر آیا اور سانپوں کی ملکہ سے ملا غرض کہ سارا قصہ اول سے آخر تک سنا کر کہا اور اب خدا جانے کہ اس کے بعد کیا پیش آئے گا۔ سانپوں کی ملکہ نے حاسب کریم الدین کی سرگزشت سنی تو کہنے لگی۔ اس لمحے کے بعد تیرے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو چھیاسی ویں رات

جب چار سو چھیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- سانپوں کی ملکہ بولی اب تیرے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے لیکن اے حاسب میں چاہتی ہوں کہ کچھ دنوں تو یہاں ٹھہر میں بھی اپنی سرگزشت تجھے سناؤں اور جو جو عجیب و غریب واقعات مجھ پر گزرے ہیں تو بھی انہیں سنے۔

حاسب ملکہ سے کیا عذر کرتا، ٹھہر گیا۔ ملکہ بولی اے حاسب سن۔ مصر پر بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ کی حکومت تھی۔ بلوقیا نام کا اس کا ایک بیٹا تھا۔ بادشاہ کو دو شوق تھے عبادت اور تحصیل علوم۔ جب عبادت سے فرصت ملتی مختلف علوم کی کتابیں پڑھا کرتا۔ وہ بوڑھا ہو گیا اور اس کے مرنے کے دن قریب آ گئے تو سلطنت کے امراء سلام کرنے کے حاضر ہوئے۔ سلام کر چکے اور اس کے پاس بیٹھے تو اس نے کہا، اے لوگو! اب میں دنیا سے آخرت کی طرف جانے والا ہوں اور میرے پاس اپنے بیٹے بلوقیا کے سوا کوئی اور نہیں جسے تمہارے سپرد کروں۔ یہ کہہ کر اس نے اشهد ان لا الہ الا اللہ پڑھا اور ایک چیخ مار کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ خدا اس پر رحمت کرے! لوگوں نے اسے غسل دیا۔ تجنیز و تکفین کر کے دفن کر آئے۔ اس کی طرف سے بہت کچھ خیرات کی اور اس کے بیٹے بلوقیا کو اپنا بادشاہ بنایا۔ بلوقیا نے رعایا کے ساتھ انصاف کیا اور اس کے عہد میں لوگ امن و امان سے رہے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ اس نے اپنے باپ کے خزانے کھولے تاکہ انہیں دیکھے۔ جب اس نے خزانہ کھولا تو اسے ایک دروانہ نظر آیا۔ اندر جا کر اس نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹی سی کوٹھری ہے اور اس کے اندر سفید مرمر کا ایک کھمبا جس کے اوپر آبنوس کا ایک صندوق ہے۔ بلوقیا نے یہ صندوق کھولا تو اس کے اندر ایک اور صندوق نکلا جو سونے کا تھا۔ جب وہ صندوق کھولا تو اس کے اندر سے ایک کتاب نکلی جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف

لکھی ہوئی تھی اور یہ کہ وہ آخری زمانے میں بھیجے جائیں گے اور اگلے پچھلوں کے سردار ہوں گے۔

بلوقیا نے یہ کتاب پڑھی اور اسے ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات سے واقفیت ہوئی تو اسے آپ سے محبت ہو گئی اور اس نے بنی اسرائیل کے امرا، احبار، کاہنوں اور رہبانوں کو بلا کر انہیں اس کتاب سے آگاہ کیا اور پڑھ کر سنایا اور کہنے لگا اے لوگو! میں اپنے باپ کو قبر سے نکال کر جلا دوں گا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تو اسے کیوں جلانا چاہتا ہے؟ بلوقیا نے کہا کہ اس نے یہ کتاب مجھ سے چھپائی اور مجھے نہ دکھائی۔ اس کتاب کو بادشاہ نے تواریت اور حضرت ابراہیم کے صحیفوں سے اخذ کر کے لکھا اور اسے اپنے خزانے میں چھپا رکھا تھا اور کسی سے اس کی کوئی بات نہیں کہی تھی۔

لوگوں نے کہا۔ اے ہمارے بادشاہ! تیرا باپ مر چکا ہے اور اس وقت زمین کے نیچے ہے۔ اس کی جزا و سزا خدا کے ہاتھ میں ہے، اسے قبر سے نہ نکال۔ بلوقیا نے بنی اسرائیل کے امرا سے یہ باتیں سنیں تو اسے یقین ہو گیا کہ وہ اسے ہاتھ نہ لگانے دیں گے لہذا وہ ان کے پاس سے اٹھ کر اپنی ماں کے پاس پہنچا اور اس سے کہنے لگا، اماں میں نے اپنے باپ کے خزانے میں ایک کتاب دیکھی ہے جس میں نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف ہے جو آخری زمانے میں مبعوث ہوں گے اور مجھے ان سے محبت ہو گئی ہے میں چاہتا ہوں کہ سیاحت کر کے ان سے ملوں۔ اگر میں ان سے نہ مل سکا تو میں ان کے پیچھے جان دے دوں گا۔

یہ کہہ کر اس نے شاہی لباس اتار ڈالا اور ایک عبا اور لمبے جوتے پہن لیے اور کہنے لگا اماں اپنی دعا میں مجھے نہ بھولیو۔ ماں رونے لگی اور اس نے کہا تیرے بعد ہمارا کیا حال ہو گا؟ بلوقیا نے کہا اب مجھے زیادہ صبر نہیں اور میں اپنے آپ کو اور تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ اس کے بعد وہ شام کی طرف چل پڑا اور اپنے لوگوں میں سے کسی کو نہ خبر نہ کی۔ چلتے چلتے سمندر کے کنارے آیا اور ایک کشتی میں سوار ہو گیا جس

میں اور سواہیاں بھی تھیں۔ کشتی ایک جزیرے پر آ گئی اور لوگ اتر کر جزیرے میں گئے۔ بلوقیا بھی ان کے ساتھ روانہ ہوا مگر آگے چل کر ان سے علیحدہ ہو گیا اور ایک درخت کے نیچے جا بیٹھا، اسے نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔ جب وہ جاگا اور کشتی پر سوار ہونے لگا تو اس نے دیکھا کہ کشتی نے لنگر اٹھا دیئے ہیں اور چل دی ہے۔ اس جزیرے میں اسے اونٹوں اور تاڑ کے درختوں کے برابر سانپ دکھائی دیئے جو خدا کی یاد اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیج رہے اور تحلیل و تسبیح میں مشغول تھے۔ یہ دیکھ کر بلوقیا حیران ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• چار سو ستاسیویں رات

جب چار سو ستاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- سانپوں کی تسبیح و تحلیل جو سنی تو بلوقیا حیران رہ گیا۔ بلوقیا کو دیکھ کر سانپ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے اور ایک سانپ نے اس سے پوچھا تو کون ہے کہاں سے آیا ہے اور تیرا نام کیا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ اس نے کہا میرا نام بلوقیا ہے اور میں بنی اسرائیل میں سے ہوں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں نکل کھڑا ہوں اور انہیں ڈھونڈھ رہا ہوں مگر اے شریف بندو تم کون ہو؟ سانپوں نے کہا ہم دونخ کے رہنے والے ہیں، خدا نے ہمیں کافروں کو عذاب دینے کے پیدا کیا ہے۔ بلوقیا نے پوچھا تم یہاں کیسے آئے ہو؟ سانپوں نے کہا کہ ابال کی زیادتی کی وجہ سے دونخ سال میں دو بار سانس لیتی ہے ایک بار جاڑوں میں اور بار گرمیوں میں۔ گرمی کی وجہ سے اسے ابال آتا ہے۔ جب وہ باہر کی طرف سانس کھینچ لیتی ہے تو ہمیں نکال پھینکتی ہے اور جب وہ اندر کی طرف سانس لیتی ہے تو ہمیں اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ بلوقیا نے کہا دونخ میں تم سے بڑے بھی سانپ ہیں؟ سانپوں نے جواب دیا ہم تو چھوٹے ہیں اور اسی لیے سانس باہر نکل پڑتے ہیں۔ دونخ میں اتنے بڑے بڑے سانپ ہیں کہ اگر ہم سب سے بڑا ان کی ناک پر ریگنے تو انہیں خبر تک نہ ہو۔ بلوقیا نے کہا تم خدا کو یاد کرتے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہو مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تم کہاں سے جانتے ہو۔ انہوں نے کہا اے بلوقیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام جنت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو خدا نہ مخلوقات پیدا کرتا نہ جنت نہ دونخ نہ آسمان نہ زمین۔ خدا نے تمام موجودات کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر پیدا کیا ہے اور ان کے نام کو ہر جگہ اپنے نام کے قریب رکھا ہے اس وجہ سے ہم

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں۔

بلوقیا نے سانپوں سے یہ باتیں سنیں تو اس کی محبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور زیادہ بڑھ گئی اور اشتیاق زیادہ ہو گیا۔ اب بلوقیا ان سے رخصت ہو کر چل دیا اور سمندر کے کنارے پہنچا اس نے دیکھا کہ جزیرے کے کنارے ایک کشتی لنگر ڈالے کھڑی ہے وہ بھی اور لوگوں کے ساتھ اس میں سوار ہو گیا اور کشتی انہیں لے کر چل دی۔ چلتے چلتے وہ ایک دوسرے جزیرے پر پہنچے۔ بلوقیا اتر کا ایک طرف چلا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد اسے وہاں بہت سے چھوٹے اور بڑے سانپ دکھائی دیئے جن کی گنتی سوائے خدا کے اور کسی کو معلوم نہیں۔ ان کے درمیان ایک سفید سانپ بیٹھا ہوا تھا اور سنی ایک دوسرے سانپ کی پیٹھ پر تھی جو ہاتھی کے برابر تھا۔ یہ سانپ تمام سانپوں کی ملکہ تھی اور اے حاسب وہ میں تھی۔ حاسب نے پوچھا کہ تو نے بلوقیا کو کیا جواب دیا۔

ملکہ نے کہا اے حاسب جب میں نے بلوقیا کو دیکھا تو اسے سلام کیا اور اس نے سلام کو جواب دیا۔ میں نے پوچھا تو کون ہے تیرا کیا قصہ ہے تو کہاں سے آیا ہے اور کہاں جاتا ہے؟ اس نے کہا میں بنی اسرائیل میں سے ہوں میرا نام بلوقیا ہے اور میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سفر کر رہا ہوں اور انہیں ڈھونڈ رہا ہوں کیونکہ میں نے ان کی تعریف آسمانی کتابوں میں پڑھی ہے۔ اس کے بعد بلوقیا نے مجھ سے پوچھا تو کیا چیز ہے تیرا ماجرا کیا ہے اور تیرے آس پاس یہ سانپ کیسے ہیں؟ میں نے کہا اے بلوقیا میں سانپوں کی ملکہ ہوں۔ جب تیری ملاقات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہو تو انہیں میرا سلام کہیو۔ اس کے بعد بلوقیا مجھ سے رخصت ہو کر کشتی میں بیٹھ گیا اور چلتے چلتے بیت المقدس پہنچا۔ بیت المقدس میں ایک شخص جس کو تمام علوم پر دسترس تھی۔ ہندسہ، فلکیات، حساب سیما اور روحانی علوم اسے ازیر تھے اور تواریت، انجیل، زبور اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے پڑھا کرتا اس کا نام عفان

تھا۔ اس نے اپنے ہاں کی کتابوں میں پڑھا تھا کہ جو شخص سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی پہن لے تو جن و انس اور پرندے اور چرندے اور غرض کہ ساری خدائی اس کی فرمانبردار ہو جائے گی۔ اس نے کسی کتاب میں یہ پڑھا تھا کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہوا تو لوگ انہیں ایک تابوت میں رکھ کر سات سمندر پار لے گئے۔ انگوٹھی ان کی انگلی میں رہی، انسان اور جنات میں سے کسی کو یہ طاقت نہیں کہ وہ انگوٹھی اتار لے نہ کسی ملاح کی مجال ہے کہ اپنی کشتی اس جگہ تک لے جا سکے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھا دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• چار سو اٹھاسیویں رات

جب چار سو اٹھاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- عفان نے کہا کہ کسی ملاح کی مجال نہیں کہ اپنی کشتی ساتوں سمندر پار وہاں لے جا سکے جہاں ان کا تابوت ہے۔ ایک کتاب میں اس نے یہ بھی پڑھا تھا کہ کوئی ایسی جڑی بوٹی ہے کہ اگر کوئی اس کا تھوڑا سا عرق نکال کر اپنے تلوؤں میں لگا لے تو وہ خدا کے پیدا کیے ہوئے ہر سمندر پر چل سکتا ہے اور اس کے پاؤں ذرا بھی نہ بھیگیں اور کوئی شخص اس بوٹی کو نہیں پا سکتا جب تک اس کے ساتھ سانپوں کی ملکہ نہ ہو۔

جب بلوقیا بیت المقدس پہنچا تو وہ ایک جگہ بیٹھ کر خدا کی عبادت کرنے لگا ایک روز اسی حالت میں بیٹھا ہوا تھا کہ عفان نے آ کر اسے سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا۔ عفان نے دیکھا کہ بلوقیا تو رایت پڑھ رہا ہے اور خدا کی عبادت میں مشغول ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا اے شخص تیرا کیا نام ہے، تو کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ اس نے کہا میرا نام بلوقیا ہے، میں مصر کا رہنے والا ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکلا ہوں۔ عفان نے بلوقیا سے کہا کہ گھر چل کر میرا مہمان بن۔ اس نے کہا سر آنکھوں پر۔ عفان بلوقیا کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے گھر لے گیا، اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اس سے کہا اے میرے بھائی، اپنی داستان سنا اور یہ بتا کہ تجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر کہاں سے لگی کہ تو ان کی محبت میں گرفتار ہو گیا اور ان کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور یہاں تک تیری کس نے رہنمائی کی؟ بلوقیا نے اپنی ساری سرگزشت شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنائی۔

عفان نے اس کی باتیں سنیں تو قریب تھا کہ اس کے ہوش و حواس جاتے رہیں۔ وہ حیران و پریشان ہو کر رہ گیا اور اس نے بلوقیا سے کہا تو مجھے سانپوں کی ملکہ سے ملا دے میں تجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا دوں گا۔ مگر ان کے آنے کا زمانہ ابھی

دور ہے۔ اگر سانپوں کی ملکہ ہمارے ہتھے چڑھ گئی تو ہم اسے ایک پنجرے میں بند کر کے پہاڑی جڑی بوٹیوں کے پاس سے گزریں گے اس کے ساتھ ہم جس جڑی بوٹی کے پاس سے گزریں گے وہ خدا کی قدرت سے بولنے لگے گی اور یہ بتا دے گی کہ اس میں کیا فائدہ ہیں کیونکہ میں نے اپنے ہاں کی ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ ایک بوٹی ایسی ہے کہ اگر کوئی اسے لے کر کوٹے اور اس کا عرق نکال کر اپنے پاؤں کے تلوؤں پر مل لے تو وہ خدا کے حکم سے ہر سمندر پر چل سکتا ہے اور اس کے تلوے تک تر نہ ہوں گے۔ اگر ہم سانپوں کی ملکہ کو اپنے ساتھ لے چلیں تو ہمیں اس کے ذریعے اس بوٹی کا پتہ چل جائے گا اور جب وہ بوٹی مل جائے گی تو ہم اسے لے کر کوٹیں گے اور اس کا عرق نکال لیں گے پھر ملکہ کو جانے دیں گے اور اس عرق کو پاؤں کے تلوؤں پر مل کر سات سمندر طے کریں گے، سلیمان کے مدفن تک پہنچ کر ان کی انگلی سے انگوٹھی اتار لیں گے اور سلیمان کی طرح حکومت کریں گے اور ہمارا مقصد حاصل ہو جائے گا اس کے بعد بحر ظلمات میں جا کر زندگی کا پانی پییں گے جس کی وجہ سے خدا ہمیں آخری زمانے تک زندہ رکھے گا اور ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کر سکیں گے۔

بلوقیا نے عفان کی یہ باتیں سنیں تو اس نے کہا اے عفان میں تجھے سانپوں کی ملکہ سے ملا دوں گا اور تجھے اس کی جگہ دکھا دوں گا۔ یہ سن کر عفان نے لوہے کا ایک پنجرہ بنایا اور ایک پیالے میں شراب اور ایک میں دودھ بھر کر بلوقیا کے ساتھ چل کھڑا ہوا۔ کئی دن رات چلنے کے بعد وہ اس جزیرے میں پہنچے جہاں سانپوں کی ملکہ رہتی تھی۔ وہاں پہنچ کر عفان اور بلوقیا تھوڑی دور چلے اور پنجرہ رکھا اس میں پھندا لگایا اور دودھ اور شراب کے دونوں پیالے رکھ کر پنجرے سے دور جا بیٹھے اور تھوڑی دیر چھپے بیٹھے رہے۔ اتنے میں سانپوں کی ملکہ پنجرے کی طرف آتی دکھائی دی۔ وہ دو پیالوں کے پاس آئی تو تھوڑی دیر تک انہیں غور سے دیکھتی رہی اور اسے دودھ کی خوشبو آئی تو وہ سانپ

کی پیٹھ پر سے اتر پڑی جس پر وہ سوار تھی، سینی میں سے نکل کر پنجرے کے اندر گئی اور شراب کے پیالے کے پاس جا کر اتنی پی کہ اس کے سر میں چکر آنے لگے اور وہ سو گئی۔ اب عفان پنجرے کی طرف بڑھا اور ملکہ کو اس میں بند کر کے قفل لگا دیا پھر عفان اور بلوقیا اسے لے کر چل دیئے۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک لوہے کے پنجرے میں بند ہے، پنجرے ایک آدمی کے سر پر ہے اور بلوقیا اس کے ساتھ ساتھ ہے۔

جونہی سانپوں کی ملکہ کی نظر بلوقیا پر پڑی اس نے کہا اس کی یہی سزا ہے جو انسانوں کو تکلیف نہیں پہنچاتا؟ بلوقیا نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے سانپوں کی ملکہ ہم سے ڈر نہیں، ہم تجھے ہر گز کوئی تکلیف نہ پہنچائیں گے۔ ہمارا مقصد محض یہ ہے کہ تو ہمیں اس بوٹی کا پتا بتا دے جسے اگر کوئی لے کر کوٹے اور اس کا عرق نکال کر اپنے پاؤں میں مل لے تو خدا کے جس سمندر پر چاہے چلے اور اس کے پاؤں تک نہ بھیگیں۔ جس وقت ہمیں یہ بوٹی مل جائے گی تو ہم اسے لے لیں گے اور تجھے تیرے گھر پہنچا کر آزاد کر دیں گے۔ یہ کہہ کر بلوقیا اور عفان سانپوں کی ملکہ کو اس پہاڑ کی طرف لے چلے جہاں جڑی بوٹیاں تھیں۔ وہ جس جڑی بوٹی کے پاس سے گزرے اس نے خدا کے حکم سے بولنا اور اپنا فائدہ بتانا شروع کیا۔ اسی طرح چلے جا رہے تھے اور جڑی بوٹیاں دائیں بائیں بولتی جاتیں اور اپنے فائدے بتاتی جاتی تھیں۔ اتنے میں ایک بوٹی بولی کہ میں وہ بوٹی ہوں کہ جو کوئی مجھے لے کر کوٹے اور میرا عرق نکال کر اپنے پاؤں میں چھڑ لے تو وہ خدا کے جس سمندر پر چاہے چلے اس کے پاؤں تک نہ بھیگیں گے۔ بوٹی کی یہ بات سن کی عفان نے پنجرے کو سر سے اتار کر زمین پر رکھ دیا اور دونوں نے اس بوٹی کی کافی مقدار لے لی۔ اسے کوٹ کر اس کا عرق نکالا اور دو کانچ کی بوتلوں میں بھر کر حفاظت سے رکھ لیا۔ جو بچ رہا اسے پاؤں پر مل لیا۔ اس کے بعد سانپوں کی ملکہ کو لے کر چل دیئے اور چلتے چلتے اس جزیرے پر پہنچے جہاں سے اسے لائے تھے۔ وہاں پہنچ کر عفان نے پنجرہ کھولا اور سانپوں کی ملکہ کو اس میں سے

نکال دیا۔

پنجرے سے نکل کر ملکہ نے پوچھا کہ تم اس عرق کا کیا کرو گے؟ انہوں نے کہا،
 اسے ہم اپنے پاؤں پر چڑھ کر سات سمندر پار جائیں گے۔ اور سلیمان کے مدفن پر جا کر
 ان کی انگوٹھی اتار لیں گے۔ سانپوں کی ملکہ نے کہا تم ہرگز انگوٹھی نہیں لے سکتے۔
 انہوں نے پوچھا، کیوں؟ ملکہ نے کہا خدا نے خاص طور پر سلیمان علیہ السلام کے لیے
 یہ انگوٹھی عطا کی تھی۔ ان کا قول ہے کہ ”اے پروردگار مجھے ایسی حکومت عطا کر
 جو میرے بعد کسی دوسرے کو نہ مل سکے“ تو بڑا بخشش کرنے والا ہے۔“ اس لیے وہ
 انگوٹھی تو تمہارے ہاتھ آئے گی نہیں لیکن ان بوٹیوں کے درمیان ایک اور بوٹی تھی
 جس کا کھانے والا اس وقت تک نہیں مرے گا۔ جب تک پہلا صور نہ پھونکا جائے گا
 اس کا لینا اس بوٹی کے لینے سے تمہارے لیے زیادہ مفید ہوتا۔ افسوس اس بوٹی سے
 تمہارا مقصد نہیں حاصل ہو گا۔ یہ سن کر وہ بہت پشیمان ہوئے۔ وہاں سے چل دیئے۔
 اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
 ملی تھی۔

• چار سو نواسیویں رات

جب چار سو نواسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- بلوقیا اور عفان سانپوں کی ملکہ کی گفتگو سن کر بہت پشیمان ہوئے اور وہاں سے چل دیئے۔ ادھر جب سانپوں کی ملکہ اپنے لشکر میں پہنچی تو اس نے دیکھا کہ سب کی حالت ابتر ہے، قوی کمزور ہونے لگے ہیں اور ضعیف مر مٹے ہیں۔ سانپ اپنی ملکہ کو اپنے درمیان دیکھ کر بہت خوش ہوئے، اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اور اس سے پوچھا کہ تو کہاں تھی اور تجھ پر کیا گزری؟ اس نے وہ سارا ماجرا بیان کر دیا جو اسے عفان اور بلوقیا کے ساتھ پیش آیا تھا اور اپنی فوج جمع کر کے وہ کہہ قاف چلی گئی کیونکہ وہ جاڑوں میں وہاں رہتی تھی اور گرمیوں میں اس جگہ جہاں حاسب کریم الدین نے اسے دیکھا تھا۔ اب سانپ نے کہا کہ اے حاسب، یہ ہے میری داستان اور سرگزشت حاسب کو سخت تعجب ہوا۔

حاسب نے کہا مجھ پر اتنی مہربانی کر اپنے کسی نوکر سے کہہ کر وہ مجھے زمین کے اوپر پہنچا دے تا کہ میں اپنے گھر والوں کے پاس چلا جاؤں۔ سانپوں کی ملکہ نے کہا اے حاسب تو ہمارے پاس سے اس وقت سے پہلے نہیں جا سکتا جب تک کہ جاڑوں میں تو ہمارے ساتھ کہہ قاف چل کر وہاں کے ٹیلوں، ریت درختوں اور چڑیوں کا تماشا جو خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور بھوتوں، دیوؤں اور جنوں کو نہ دیکھ لے جن کی تعداد سوائے خدا کے اور کسی کو معلوم نہیں۔ سانپوں کی ملکہ کی یہ باتیں سن کر حاسب کریم الدین بہت غمگین ہوا اور اس سے کہنے لگا کہ اچھا یہ تو بتا کہ تجھ سے رخصت ہونے کے بعد عفان اور بلوقیا کا کیا حشر ہوا اور سات سمندر پار جا کر وہ سلیمان کے مدفن تک پہنچے یا نہیں اور اگر پہنچے تو انہیں انگوٹھی ملی؟ ملکہ نے کہا، سن! جب عفان اور بلوقیا مجھ سے رخصت ہو کر چل دیئے تو انہوں نے وہ عرق اپنے پاؤں پر ملا اور سمندر پر

چلنے اور اس کی عجیب و غریب چیزوں کی سیر کرنے لگے۔ اسی طرح وہ ایک ایک سمندر کو پار کرتے کرتے ساتوں سمندروں کو پار کر کے گئے۔ ان سمندروں کو پار کرنے کے بعد انہیں ایک اونچا اور عالیشان پہاڑ ملا جو سبز زمرد کا تھا اور جہاں ایک چشمہ بہہ رہا تھا اور جس کی مٹی مشک تھی۔

اس جگہ پہنچ کر وہ بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے اب ہماری مراد بر آئی۔ چڑھتے چڑھتے وہ ایک اونچی چوٹی پر پہنچے اور انہیں دور سے ایک غار دکھائی دی جس پر ایک عالی شان گنبد تھا جہاں سے روشنی آ رہی تھی۔ وہ اس کی طرف چل کھڑے ہوئے، وہاں پہنچ کر اس کے اندر داخل ہوئے۔ دیکھا کہ وہاں سونے کا ایک تخت پڑا ہوا ہے، جس میں طرح طرح کے ہیرے، جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ اس کے ارد گرد اتنی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں جن کی تعداد سوائے خدا کے اور کسی کو معلوم نہیں، اور انہوں نے دیکھا کہ اس تخت پر سلیمان علیہ السلام سو رہے ہیں۔ ان کا لباس سبز ریشم کا ہے جس پر سونے کا کشیدہ کڑھا ہوا ہے اور طرح طرح کے جواہرات ٹنکے ہوئے ہیں، ان کا داہنا ہاتھ سینے پر رکھا ہوا ہے۔ انگلی میں انگوٹھی ہے اور اس کی روشنی ان جواہرات سے بڑھ کر ہے جو اس مکان میں ہے۔ عفان نے بلوقیا کو چند جادو منتر سکھا کر کہا جب تک میں انگوٹھی نہ لے لوں تو ان منٹروں کو برابر پڑھتا رہو۔ اب عفان آگے بڑھ کر تخت کے پاس گیا ہی تھا کہ اس کے نیچے سے ایک بڑا سانپ نکلا اور اس زور سے پھنکارا کہ مکان ہلنے لگا۔ اس کے منہ سے چنگاریاں برسنے لگیں اور اس نے عفان سے کہا اگر تو یہاں سے چلتا نہ بنا تو ہلاک ہو جائے گا۔ عفان منتر پڑھتا رہا اور اس سانپ کی بالکل پروا نہ کی۔ اب سانپ نے ایسی پھنکار ماری دی کہ قریب وہ مکان جل جائے اور عفان سے کہنے لگا کم بخت اگر تو نہ بھاگا تو میں تجھے جلا ڈالوں گا۔ بلوقیا تو سانپ کی یہ باتیں سن کر غار میں سے نکل بھاگا لیکن عفان نے اس کی کچھ پروا نہ کی بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف بڑھا اور ہاتھ بڑھا کر انگوٹھی چھولی اور چاہتا ہی تھا کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ اتار لے کہ اتنے میں سانپ نے پھنکار

ماری اور عفان کو جلا کر راکھ کر دیا۔ یہ تو اس کا حال ہوا، اب بلوقیا کی کہانی سن۔
وہ یہ کرشمہ دیکھ کر بے ہوش ہو گیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

○○○

• چار سو نوے ویں رات

چار سو نوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب عفان جل کر راکھ ہو گیا اور بلوقیا بے ہوش ہو کر گر پڑا تو خدا نے جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ قبل اس کے کہ سانپ بلوقیا پر پھنکار مارے تو زمین پر جا۔ جبریل علیہ السلام فوراً زمین پر اترے دیکھا کہ بلوقیا بے ہوش پڑا ہوا ہے اور عفان سانپ کی پھنکار سے جل گیا ہے۔ جبریل نے آ کر بلوقیا کو غشی سے اٹھایا۔ اسے ہوش آیا تو جبریل نے سلام کر کے پوچھا تم یہاں کیوں کر پہنچے؟ بلوقیا نے اپنی ساری داستان شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنائی اور کہنے لگا کہ سن میں اس جگہ محض محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب سے آیا ہوں کیونکہ عفان نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ آخری زمانے میں بھیجے جائیں گے اور وہی ان سے مل سکتا ہے جو اس وقت تک زندہ رہے اور اس وقت تک وہی زندہ رہ سکتا ہے جو زندگی کا پانی پئے اور یہ بغیر سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کے ممکن نہیں۔ اس وجہ سے میں اس کے ساتھی یہاں آیا تھا اور اس کا جو حشر ہوا ظاہر ہے دیکھ وہ جلا پڑا ہے اور میں نہیں جلا۔ اب میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں ملیں گے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا تو یہاں سے جا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ابھی دور ہے۔

یہ کہہ کہ حضرت جبریل تو آسمان کی طرف چل دیئے اور بلوقیا اپنے کروت پر پشیمان ہونے اور رونے لگا اور سانپوں کی ملکہ کی باتوں پر کہ ہرگز کوئی شخص انگوٹھی نہیں لے سکتا غور کرنے لگا۔ بلوقیا اپنے دل میں نہایت حیران پریشان ہوتا ہوا پہاڑ سے اتر کر چلا اور سمندر کے کنارے پہنچا تھوڑی دیر وہاں بیٹھ کر پہاڑوں، سمندروں اور جزیروں پر تعجب کرتا رہا۔ اسی سوچ میں رات ہو گئی اور وہیں سو گیا۔ صبح ہوئی تو اس نے وہ عرق اپنے پاؤں پر ملا جو انہوں نے اس بوٹی سے نکالا تھا اور سمندر میں اتر پڑا۔ دن رات

پانی پر چلتا اور سمندر کی ڈراؤنی چیزوں اور عجائبات کو اچنبھے کی نگاہ سے دیکھتا جاتا تھا یہاں تک کہ وہ ایک جزیرے پر پہنچا جو جنت کی طرح تھا اور وہ اس کی خوبصورتی پر حیران ہو گیا۔ جزیرے کی سیر کرتے کرتے اس نے دیکھا کہ وہ بہت بڑا جزیرہ ہے، اس کی مٹی زعفران کی ہے اور کنکر پتھر یا قوت اور قیمتی معدنیات، جھاڑیاں، چنبیلی، نباتات، بہترین درخت، خوبصورت اور نہایت خوشبو دار، جا بہ جا پھول، چشمے بہہ رہے ہیں۔ اس کی لکڑی قماری اور قاضی عود ہے، اس کے چھپر گنوں کے ہیں۔ چاروں طرف گلاب، زرس، چنبیلی، لونگ، بابونہ، سون اور بنفشہ کھلی ہوئی ہے اور یہ سب پھول طرح طرح اور رنگ رنگ کے ہیں اور چڑیاں درختوں پر چھجا رہی ہیں۔ جزیرہ خوش منظر اور وسیع اور ذرخیز ہے اور تمام خوبیاں اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ چڑیوں کا گانا باجوں سے زیادہ دلچسپ ہے۔ درخت سر سبز ہیں، زمین شاداب، پانی شیریں ہے۔ غزال چوکریاں بھر رہے ہیں، نیل گائیں سستا رہی ہیں، پرندے گا گا کر عاشق کو تسلی دے رہے ہیں۔

بلو قیا اس جزیرے کی بہار دیکھ کر حیران ہو گیا اور سمجھ گیا کہ میں غلط راستے پر پڑ گیا ہوں کیونکہ وہ پہلی مرتبہ عفان کے ساتھ اس راستے سے نہیں آیا تھا۔ دن بھر وہ جزیرے میں سیر کرتا پھرا۔ رات ہوئی تو وہ سونے کے لیے ایک اونچے درخت پر چڑھ گیا اور جزیرے کی خوبصورتی میں محو تھا کہ سمندر میں طوفان اٹھا اور اس میں سے ایک بڑا جانور نکل کر اس زور سے چلایا کہ جزیرے کے تمام جانوروں میں کھلبلی مچ گئی۔

بلو قیا نے درخت پر بیٹھے بیٹھے اس پر نظر ڈالی، وہ بہت بڑا جانور تھا اسے سخت حیرت ہوئی۔ دیکھتے دیکھتے اس جانور کے پیچھے سمندر میں سے اور جانور نکلے جو رنگ برنگ کے تھے ان کے ہاتھوں میں ایک ہیرا تھا ایسا درخشاں جیسے چراغ جس کی چمک سے جزیرہ دن کی طرح روشن ہو گیا۔ اس کے بعد جزیرے میں سے جانور نکل پڑے اتنے کہ جن کی تعداد سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔ بلو قیا نے دیکھا کہ وہ سب جنگل کے جانور ہیں مثلاً شیر، چیتے اور تیندوے وغیرہ۔ وہ بڑھ کر سمندر کے جانوروں سے ملے، آپس میں صبح تک باتیں کرتے رہے اور صبح ہوتے ہی چلتے بنے۔ اس تماشے سے بلو قیا ڈرا، درخت سے

اتر کر سمندر کی طرف چل دیا اور اسی عرق کو تلوؤں پر مل کر دوسرے سمندروں میں داخل ہو گیا، چلا چل چلا ایک بڑے پہاڑ کے پاس پہنچا جس کے نیچے بہت لمبی گھاٹی تھی۔ اس گھاٹی کے سارے پتھر مقناطیس کے تھے اور اس میں شیروں، خرگوشوں اور چیتوں کا رہنا تھا۔ بلوقیا اس پہاڑ پر چڑھ کر ہر طرف کی سیر کرنے لگا اور جب رات ہوئی تو وہ ایک چوٹی کے نیچے بیٹھ گیا جو سمندر کی طرف تھی اور مچھلیوں سے پیٹ بھرنا شروع کر دیا جن کو سمندر کی لہروں نے خشکی پر پھینک دیا تھا اور جو سوکھ گئی تھیں۔ بیٹھا مچھلیاں کھا رہا تھا کہ ایک بڑا چیتا بلوقیا کی طرف لپکا کہ اسے شکار کرے۔ یہ دیکھتے ہی بلوقیا نے عرق اپنے پاؤں پر ملا اور چیتے کے ڈر کے مارے تیسرے سمندر میں اتر بھاگا۔ رات اندھیری اور ہوا تیز چل رہی تھی مگر وہ اندھا دھند چلا جاتا تھا۔ بھاگتے دوڑتے ایک جزیرے میں پہنچا دیکھا کہ وہاں خشک اور تر درخت ہیں۔ بلوقیا نے وہاں سے پھل توڑ کر کھائے، خدا کا شکر بجا لایا اور شام تک اس کی سیر کرتا رہا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو اکیانوے ویں رات

جب چار سو اکیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- بلوقیا اس جزیرے میں شام تک سیر کرتا وہیں سو گیا۔ صبح ہوئی تو وہ ادھر ادھر پھرنے لگا۔ غرض وہاں دس دن تک سیر کرنے کے بعد سمندر کے کنارے پہنچا اور پاؤں پر عرق مل کر چوتھے سمندر میں اتر پڑا اور کئی دن رات چل کر پھر ایک جزیرے میں پہنچا جس کی زمین ریتیلی، نرم اور سفید تھی۔ وہاں کوئی درخت نہ تھا۔ باز اور شرے اسی ریت میں گھر بنائے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کی سیر کر چکا تو پاؤں پر عرق مل کر پانچویں سمندر میں داخل ہو گیا اور ایک چھوٹے سے جزیرے کے پاس پہنچا جس کی زمین اور پہاڑیاں بلور کی طرح چمک رہی تھیں اور جہاں ایسی جڑی بوٹیاں تھیں جن سے سونا بنایا جا سکتا ہے۔ وہاں ایسے عجیب و غریب درخت تھے جو اس نے اپنے سفر میں کہیں نہ دیکھے تھے، جن کے پھول پتے سونے کے رنگ کے تھے۔ بلوقیا اس جزیرے میں جا کر شام تک سیر کرتا رہا۔ رات ہوئی تو اس کے پھول تاروں کی طرح چمکنے لگے۔ بلوقیا کو یہ تماشا بڑا عجیب معلوم ہوا وہ کہنے لگا کہ اسی جزیرے میں وہ پھول ہیں جو دھوپ سے سوکھ کر زمین پر گرتے ہیں۔ ہوا انہیں اڑا کر پتھروں کے نیچے لے جاتی ہے۔ وہ وہاں اکسیر بن جاتے ہیں اور لوگ انہیں لے جا کر ان سے سونا بناتے ہیں۔ بلوقیا اس جزیرے میں صبح تک سوتا رہا ہے اور سورج نکلنے پر اس نے اپنے پاؤں پر وہ عرق چڑھ کر چھٹے سمندر کی راہ لی اور ایک اور جزیرے پر پہنچ کر سیر کرنے لگا دیکھا کہ وہاں دو پہاڑ ہیں جن پر بہت سے درخت ہیں اور ان درختوں کے پھل آدمی کے سر کی طرح ہیں جو اپنے بالوں سے لٹکے ہوئے ہوں۔ یہاں اسے اور درخت بھی نظر آئے جن کے پھل ہری چڑیاں تھیں کہ اپنے پنجوں کے بل لٹکی ہوئی ہیں۔ وہاں ایسے درخت بھی تھے جو آگ کی طرح روشن تھے اور ان کے پھل ایلوے کی طرح کے تھے جن میں اگر ایک

قطرہ بھی کسی پر گر پڑے تو اسے جلا دے۔ ایسے پھل بھی دکھائی دیئے جو روتے تھے اور ایسے بھی جو ہنستے تھے۔ ان کے علاوہ بلوقیا نے وہاں اور بھی بہت سی عجیب و غریب چیزیں دیکھیں۔ سمندر کے کنارے چلتے چلتے اس نے ایک بہت بڑا درخت دیکھا، وہ عشاء کے وقت تک وہیں بیٹھا رہا۔ اندھیرا ہوا، وہ اس درخت پر چڑھ گیا اور خدا کی بنائی ہوئی چیزوں پر غور کرنے لگا۔

اسی حالت میں تھا کہ سمندر میں جوش آیا اور اس میں سے پانی کی پریاں نکلیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ہیرا تھا جو سورج کی طرح چمکتا تھا۔ پریاں آتے آتے اس درخت کے نیچے آئیں اور بیٹھ کر کھیل کود اور ناچ میں مشغول ہو گئیں۔ انہیں دیکھ کر بلوقیا کو بڑا مزہ آیا۔ وہ صبح تک کھیل کود میں لگی رہیں اور دن نکلنے ہی سمندر میں چل گئیں۔ بلوقیا کو بڑا تعجب ہوا اور درخت سے اتر کر پاؤں میں عرق لگا کر ساتویں سمندر میں اتر گیا اور چلنے لگا۔ دو مہینے تک برابر چلتا رہا لیکن نہ اسے کوئی پہاڑ دکھائی دیا نہ جزیرہ نہ خشکی نہ گھاٹی نہ ساحل۔ جب بھوک سے تنگ آتا سمندر سے مچھلیاں نکال کر کچی کھا لیتا۔ اسی طرح چلتے چلتے وہ ایک جزیرے میں پہنچا جہاں بہت سے درخت اور لبریز چشمے تھے۔ وہ اس جزیرے میں سیر کرنے اور دہنے بائیں تماشا دیکھنے لگا۔ یہ چاشت کا وقت تھا پھرتے پھرتے ایک سیب کے درخت کے پاس پہنچا اور ایک پھل توڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ درخت پر سے کسی نے زور سے آواز دے کر کہا اگر تو اس درخت کے پاس آ کر کوئی چیز بھی توڑ کر کھائے گا تو میں تیرے دو ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ بلوقیا نے اس آواز کی طرف نظر اٹھائی دیکھا کہ وہ ایک بڑا لمبا تڑنگا شخص ہے۔ اس کی لمبائی آج کل کے حساب سے چالیس گز ہو گی۔ بلوقیا اسے دیکھ کر سم گیا، اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کہا، تو مجھے اس درخت کے پھل کھانے سے کیوں روکتا ہے؟ اس نے جواب دیا اس وجہ سے کہ تو آدم کی اولاد میں سے ہے اور آدم نے خدا کا عہد و پیمان بھول کر اس کی نافرمانی کی تھی اور اس درخت کا پھل کھایا تھا۔ بلوقیا نے

پوچھا، تو کیا مخلوق ہے، یہ جزیرہ اور درخت کس کے ہیں اور تیرا نام کیا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا، میرا نام شراہیا ہے، یہ جزیرہ اور درخت بادشاہ صخر کے ہیں، میں اس کا کارندہ ہوں اور اس نے مجھے یہاں کا پاسبان بنایا ہے تو بتا کہ تو کون ہے اور کہاں سے اس ملک میں پہنچا ہے؟ بلوقیا نے اپنا سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک سنا دیا۔ شراہیا نے کہا ڈر نہیں اور وہ اس کے لیے کھانا لایا، اس نے پیٹ بھر کر کھایا اور رخصت ہو کر چل دیا اور برابر دس دن تک چلتا رہا۔ وہ پہاڑوں اور ریگستانوں میں چلا ہی جا رہا تھا کہ اس نے ایک جانب گرد اٹھتی دیکھی، اور اس گرد کی طرف چل کھڑا ہوا، اسے چیخ پکار کی آوازیں اور مار پیٹ کا شور و غل سنائی دیا۔ گرد کی طرف چلتے چلتے بلوقیا ایک بڑی گھاٹی میں پہنچا جس کی لمبائی دو مہینے کی راہ تھی اور آواز کی طرف کان دھر کر سننے لگا۔ دیکھا کہ لوگ گھوڑوں پر سوار آپس میں لڑ رہے ہیں۔ خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں اور وہ سوار بجلی کی طرح کڑک رہے ہیں، ان کے ہاتھوں میں بھالے، تلواریں، لوہے کے گرز اور تیر کمان ہیں اور آپس میں سخت لڑائی ہو رہی ہے۔ یہ دیکھ کر وہ بہت ڈرا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو بانوے ویں رات

جب چار سو بانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- بلوقیا ان لوگوں کو دیکھ کر ڈر گیا۔ اس کا خون خشک ہونے لگا۔ وہ اسی حالت تھا کہ سواروں کی نظر اس پر پڑی۔ انہوں نے آپس میں لڑنا بند کر دیا، ان میں سے بعض اس کے پاس آئے، دیکھا کہ اس کی شکل و صورت عجیب و غریب ہے۔ انہیں بڑا اچنبھا ہوا اور ایک سوار نے آ کر پوچھا، تو کیا چیز ہے، کہاں سے آیا ہے، کہاں جا رہا ہے اور تجھے کس نے یہ راستہ بتایا کہ تو ہمارے ملک میں آ پہنچا؟ بلوقیا نے کہا، میں آدم کی اولاد میں سے ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں حیران و پریشان پھرتے پھرتے راستہ بھول کر ادھر نکل آیا ہوں۔ سوار بولا ہم نے آج تک آدم کی اولاد نہیں دیکھی تھی۔ ان میں سے کوئی اس ملک میں کبھی نہیں آیا اور اس کی صورت دیکھ کر اور باتیں سن کر انہیں بہت تعجب ہوا۔ اب بلوقیا نے ان سے پوچھا اے خدا کے بندو، تم کیا چیز ہو؟ سوار نے کہ ہم جن ہیں۔ بلوقیا نے کہا اے سوارو تو آپس میں لڑ کیوں رہے تھے اور تمہارا گھر کہاں ہے، یہ گھاٹی اور ملک کیا ہے؟ سوار نے کہا ہمارا گھر ارض بیضا ہے اور خدا ہمیں ہر سال حکم دیتا ہے کہ ہم یہاں آ کر کافر جنوں سے جنگ کریں۔ بلوقیا نے کہا ارض بیضا کہاں ہے؟ سوار نے کہا، کوہ قاف سے پچہتر سال کی مسافت پر ----- اور اس ملک کا نام شداد بن عاد کا ملک ہے، یہاں ہم لڑنے کی خاطر آئے ہیں اور ہمارا کام محض خدا کی پاکی بیان کرنا ہے۔ ہمارا ایک بادشاہ ہے جس کو بادشاہ صخر کہتے ہیں۔ تجھے ہمارے ساتھ اس کے پاس چلنا پڑے گا تا کہ وہ تجھے دیکھ کر خوش ہو۔ یہ کہہ کر وہ بلوقیا کو اپنے ساتھ لے چلے اور اپنے ملک میں پہنچے وہاں بلوقیا کو سبز ریشم کے بڑے بڑے خیمے دکھائی دیئے جن کا شمار سوائے خدا کے اور کوئی

نہ جان سکتا۔ ان کے درمیان ایک سرخ ریشم کا خیمہ دکھائی دیا جو سوگز کا ہو گا، اس کی رسیاں نیلے ریشم کی تھیں اور کھونٹیاں سونے اور چاندی کی۔ بلوقیا کو یہ خیمے دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ وہ لوگ اسے لیے بچ والے خیمے کے پاس پہنچے۔ یہی بادشاہ صخر کا خیمہ تھا۔ جب وہ اسے اندر لے گئے اور بادشاہ صخر کے سامنے حاضر ہوئے تو بلوقیا نے دیکھا، بادشاہ سرخ سونے کے ایک بڑے درخت پر بیٹھا ہے جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے ہیں، دہنی طرف جنوں کا بادشاہ بیٹھا ہے اور بائیں طرف حکما، امرا اور ملک کے بڑے بڑے لوگ کھڑے ہیں۔ بادشاہ صخر کی نظر اس پر پڑی تو اس نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ وہ اسے بادشاہ کے قریب لے گئے۔ بلوقیا نے آگے بڑھ کر سلام کیا، اس کے آگے زمین چومی۔ بادشاہ صخر نے سلام کا جواب دیا اور کہا اے انسان میرے پاس آ۔ بلوقیا اس کے قریب جا کر بالکل روبرو کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ صخر نے حکم دیا اس کے لیے ایک کرسی بچھائی جائے۔ لوگوں نے اس کے بادشاہ کے برابر ایک کرسی لا بچھائی۔ بادشاہ نے بلوقیا کو اس پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ بیٹھ گیا۔ اب بادشاہ صخر نے پوچھا تو کیا چیز ہے؟ اس نے جواب دیا میں آدم کی اولاد میں سے بنی اسرائیل کا ایک شخص ہوں۔ بادشاہ نے صخر سے کہا اپنی کہانی سنا، اپنی سرگزشت بیان کر اور یہ بتا کہ تو یہاں کیوں آیا ہے؟ بلوقیا نے اپنی ساری کہانی کہہ سنائی۔ بادشاہ صخر کو بڑا تعجب ہوا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو ترانوںے دیں راتے

جب چار سو ترانوںے دیں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- بادشاہ صخر کو بلوقیا کا حال سن کر بڑا تعجب ہوا۔ اس نے بکاولوں سے کہا، دسترخوان بچھاؤ۔ سرخ چاندی اور تانبے کی سینیاں آئیں جن میں سے بعض میں پچاس پچاس اونٹ تھے، بعض میں بیس بیس اونٹ اور بعض میں پچاس پچاس بھیڑیں۔ سینیوں کی تعداد ایک ہزار پانچ سو تھی۔ یہ دیکھ کر بلوقیا کی عقل چکر میں آ گئی۔ اب بلوقیا لوگ کے ساتھ کھانا کھایا اور پیٹ بھر کھایا، خدا کا شکر بجا لایا۔ اس کے بعد دسترخوان بڑھایا گیا۔ پھل لائے گئے۔ سب نے کھائے اور خدا کی پاکی بیان کرنے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر سن کر بلوقیا کو تعجب ہوا۔ اس نے بادشاہ صخر سے کہا میں تجھ سے دو ایک باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔ بادشاہ صخر بولا جو تیرا جی چاہے پوچھ۔ بلوقیا نے کہا اے بادشاہ تم لوگ کون سی مخلوق ہو۔ کس کی اولاد ہو اور تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پتا کیسے چلا کہ تم ان پر درود بھیجتے اور ان سے محبت کرتے ہو؟ بادشاہ صخر نے جواب دیا اے بلوقیا خدا نے دونخ کے سات طبقے پیدا کئے ہیں جو اوپر تلے ہیں اور ایک طبقے سے دوسرے تک ایک ہزار سال کی راہ ہے۔ پہلے کا نام اس نے جہنم رکھا ہے اور اسے نافرمان مومنوں کے لیے بنایا ہے جو بغیر توبہ کئے مر جاتے ہیں، دوسرے کا نام لظی ہے جو کافروں کے لیے ہے تیسرا حجیم ہے اور یہ یاجوج ماجوج کے لیے ہے۔ چوتھا طبقہ سیر کہلاتا ہے وہ ابلیس کی اولاد کے لیے ہے، پانچویں طبقے کا نام سفر ہے جو خدا نے نماز چھوڑنے والوں کے لیے بنایا ہے، چھٹے کو حطمہ کہتے ہیں جو یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے بنایا ہے۔ ساتواں ہاویہ ہے جو منافقوں کے لیے ہے۔ یہ ہیں سات طبقے دونخ کے۔

بلوقیا نے کہا غالباً جہنم سب سے کم عذاب والا ہے۔ کیونکہ وہ سب سے اوپر کا طبقہ

ہے۔ بادشاہ نے کہا ہاں وہ سب سے کم عذاب والا ہے اور باوجود عذاب کی کمی کے اس میں آگ کے ایک ہزار پہاڑ ہیں۔ ہر پہاڑ میں آگ کی ستر ہزار گھاٹیاں، ہر گھاٹی میں آگ کی ستر ہزار شہر، ہر شہر میں آگ کے ستر ہزار قلعے، ہر قلعے میں آگ کے ستر ہزار گھر، ہر گھر میں آگ کے ستر ہزار تخت اور ہر تخت پر ستر ہزار قسم کے عذاب ہیں۔ بلو قیا اس سے کم عذاب اور کسی دونخ میں نہیں کیونکہ وہ اس کا پہلا طبقہ ہے، دوسرے طبقوں میں کسی قدر عذاب ہو گا، خدا ہی جان سکتا ہے۔ بادشاہ کی یہ باتیں سن کر بلو قیا پر غشی طاری ہو گئی۔ غشی دور ہوئی تو رونے لگا اور کہا اے بادشاہ! آخر ہمارا کیا حشر ہو گا! بادشاہ صخر نے کہا اے بلو قیا ڈر نہیں اور جان لے کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے اسے دونخ کی آگ نہیں جلاتی، وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل بچ جاتا ہے اور جو کوئی ان کی امت میں ہو اسے دونخ کی آگ کوسوں دور بھاگتی ہے۔ ہمیں تو خدا نے آگ ہی سے پیدا کیا ہے۔ پہلی مخلوق جو اس نے جہنم میں پیدا کی ہے اس کے دو لشکر والے تھے، ایک کا نام خلیت اور دوسرے کا ملیت تھا۔ خدا نے خلیت کی شکل شیر کی بنائی تھی اور ملیت کی شکل بھیڑیے کی۔ ملیت کی دم عورت سی تھی اور اک رنگ چتکبرا تھا۔ خلیت کی دم مرد جیسی تھی اور وہ کچھوے کی طرح تھے۔ خلیت کی دم کی لمبائی بیس سال کی راہ تھی پھر خدا نے حکم دیا کہ دونوں کی دین مل کر جہتی کھائیں۔ اس سے سانپ اور بچھو پیدا ہوئے اور انہیں دونخ میں رکھا گیا تا کہ ان سے خدا دوزخیوں کو عذاب دے۔ جہتی کھاتے کھاتے سانپ اور بچھو بہت ہو گئے اس کے بعد خدا نے خلیت اور ملیت کی دمیں کو حکم دیا کہ وہ دوبارہ جہتی کھائیں۔ انہوں نے مل کر پھر جہتی کھائی، ملیت کی دم خلیت کی دم سے حاملہ ہو گئی۔ اس سے سات لڑکے اور سات لڑکیاں پیدا ہوئیں، دونوں نے پال پوس کر انہیں بڑا کیا۔ جب وہ بڑے ہوئے تو لڑکیوں نے لڑکوں کے ساتھ نکاح کر لیا اور سوائے ایک کے سب اپنے باپ کے فرمانبردار رہے۔ اس ایک نے اپنے

باپ کے حکم کی نافرمانی کی اور وہ ایک کیڑا بن گیا۔ یہ کیڑا ابلیس ہے، خدا اس پر لعنت بھیجے! پہلے یہ ابلیس خدا کا مقرب تھا کیونکہ اس نے خدا کی اتنی عبادت کی تھی کہ وہ آسمان پر اٹھایا گیا، خدا کے پاس اسے جگہ دی گئی اور تمام مقربین کا سردار بنایا گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• چار سو چورانوے ویں رات

جب چار سو چورانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- ابلیس نے خدا کی اتنی عبادت کی کہ وہ مقربین کا سردار بنایا گیا۔ جب خدا نے آدم کو پیدا کیا تو اس نے ابلیس کو حکم دیا کہ سجدہ کرے لیکن اس نے انکار کیا۔ خدا نے اسے نکال باہر کیا اور اس پر لعنت بھیجی۔ اس نے مجامعت کی تو شیطان پیدا ہوئے۔ باقی چھ لڑکے جن کو خدا نے مقبول کیا تھا ان سے مومن جن وجود میں آئے اور ہم انہی کی نسل سے ہیں۔ اے بلوقیا، یہ ہے ہمارا نسب۔ بادشاہ صخر کی باتیں سن کر بلوقیا کو تعجب اور اچنبھا ہوتا جاتا تھا۔ اس نے کہا اے بادشاہ! میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے کسی نوکر سے کہہ کر مجھے میرے وطن پہنچوا دے۔ بادشاہ صخر بولا، یہ بات تو میری طاقت سے باہر ہے۔ جب تک ہمیں خدا اس بات کا حکم نہ دے۔ لیکن اے بلوقیا، اگر تو یہاں سے جانا چاہتا ہے تو میں اپنا ایک گھوڑا منگوا کر تجھے اس پر سوار کر دوں گا اور اسے حکم دے دوں گا کہ وہ تجھے میرے ملک کی سرحد پر پہنچا آئے۔ جب تو میرے ملک کی سرحد پر پہنچے گا تو تجھے براخیا نامی بادشاہ کے لوگ ملیں گے۔ وہ گھوڑے کو دیکھ کر پہچان لیں گے اور تجھے اتار کر گھوڑا میرے پاس بھیج دیں گے۔ بس اتنا ہی میں کر سکتا ہوں، اس سے زیادہ نہیں۔ بلوقیا مایوس ہو کر رونے لگا اور بادشاہ سے کہا جو تیری مرضی ہو کر۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کے لیے گھوڑا لایا جائے۔ نوکروں نے گھوڑا لا کر اسے اس پر بٹھا دیا اور کہا خبردار، اس کی پیٹھ پر سے اتر یو نہیں، نہ ماریو، نہ ڈانٹیو۔ اگر تو نے ایسا کیا تو وہ تجھے مار ڈالے گا، چپ چاپ بیٹھا رہو جب تک وہ ٹھہر نہ جائے۔ جہاں یہ خود ٹھہرے وہاں اس کی پیٹھ سے اتر کر آگے چل دیجیو۔ بلوقیا گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ایک مدت تک خیموں ہی خیموں کے درمیان چلتا رہا جدھر سے گزرتا، بادشاہ

صخر کا باورچی خانہ ہی باورچی خانہ دکھائی دیتا۔ بلوقیا نے دیکھا کہ دیکیں لنگی ہوئی ہیں اور ہر دیگ میں پچاس اونٹ پک رہے ہیں اور ان کے نیچے آگ جل رہی ہے۔ اس قدر اور اتنی بڑی دیکیں دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا، انہیں غور سے دیکھتا، متعجب ہوتا، اتفاقاً بادشاہ صخر کی نظر اس پر پڑ گئی، اس نے دیکھا کہ بلوقیا باورچی خانے کو ٹنگی باندھے برابر گھور رہا ہے۔ اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ وہ بھوکا ہو گا، حکم دیا کہ دو تلے ہوئے اونٹ لے آئیں اور وہ دونوں تلے ہوئے اونٹ اس کے پیچھے گھوڑے پر باندھ دیئے۔ چلتے چلتے بلوقیا بادشاہ صخر کے ملک کی سرحد پر پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر گھوڑا رکا اور بلوقیا اس پر سے اتر کر اپنے کپڑوں کی مٹی جھاڑ رہا تھا کہ چند آدمی آئے۔ قریب آ کر گھوڑے کو دیکھا، اسے پہچان لیا اور اس کی لگام پکڑ کر چلتے ہوئے۔ بلوقیا بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔ جب وہ ان کے ساتھ بادشاہ براخیا کے پاس پہنچا تو سلام کیا۔ بادشاہ نے سلام کا جواب دیا۔ بلوقیا نے دیکھا کہ بادشاہ ایک بڑے شامیانے میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے دائیں بائیں اور ارد گرد لشکر اور سردار اور جنوں کے بادشاہ کھڑے ہیں۔ بادشاہ نے بلوقیا سے کہا قریب آ۔ وہ بڑھ کر آگے گیا۔ بادشاہ نے اسے اپنے پاس بٹھایا اور دسترخوان منگوایا۔ بلوقیا نے دیکھا کہ بادشاہ براخیا کی صورت بالکل بادشاہ صخر کی سی ہے۔ کھانا آیا تو سب نے کھایا۔ بلوقیا نے کھا پی کر خدا کا شکر کیا۔ اس کے بعد پھل حاضر کئے۔ دسترخوان اور پھلوں کی سینیاں اٹھائی گئیں تو بادشاہ براخیا نے بلوقیا سے پوچھا تو بادشاہ صخر کے پاس سے کب چلا ہے؟ اس نے جواب دیا دو دن ہوئے۔ بادشاہ براخیا نے کہا تجھے معلوم ہے کہ ان دو دنوں میں تو نے کتنے دن کی راہ طے کی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ بادشاہ بولا ستر مہینے کی راہ -----

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو پچانوے ویں رات

جب چار سو پچانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- براخیا نے بلوقیا سے کہا کہ ان دو دنوں میں تو نے ستر مہینے کی راہ طے کی ہے۔ جب تو گھوڑے پر سوار ہوا تو وہ تجھے سے ڈرتا تھا اسے خبر ہو گئی تھی کہ تو آدم کی اولاد میں سے ہے اور چاہتا تھا کہ تجھے پیٹھ پر سے پھینک دے اس لیے انہوں نے یہ دو اونٹ باندھ کر اسے بھاری کر دیا۔ بادشاہ براخیا کی یہ باتیں سن کر بلوقیا ششدر رہ گیا اور اپنی سلامتی پر خدا کا شکر بجا لایا۔ اب بادشاہ براخیا نے بلوقیا سے پوچھا تیرا قصد کیا ہے اور تو اس ملک میں کس طرح آیا ہے؟ بلوقیا نے اپنی ساری کہانی سنائی کہ وہ کس طرح سفر کرتے کرتے اس ملک تک پہنچا۔ اس کی باتیں سن کر بادشاہ کو بڑا اچنبھا ہوا، بلوقیا وہاں دو مہینے تک ٹھہرا رہا۔

حاسب نے سانپوں کی ملکہ سے یہ باتیں سنیں تو اس کے حواس جاتے رہے۔ اس نے پھر ملکہ سے کہا مجھ پر اتنی عنایت اور مہربانی کر کہ اپنے کسی نوکر سے کہہ کر مجھے زمین کے اوپر پہنچوا دے تاکہ میں اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ جاؤں۔ سانپوں کی ملکہ نے کہا اے حاسب کریم الدین سن! اگر تو زمین کے اوپر گیا تو تو اپنے گھر والوں کے پاس جائے گا، حمام میں جا کر نہائے گا اور تیرے غسل سے فارغ ہوتے ہی میں مر جاؤں گی۔ حاسب نے کہا میں قسم کھاتا ہوں کہ کبھی عمر بھر بھی حمام میں نہ پہنچ جاؤں گا اور جب کبھی مجھے نہانے کی ضرورت پڑے گی، گھر میں ہی نہا لیا کروں گا۔ سانپوں کی ملکہ نے کہا اگر تو سو قسمیں بھی کھائے تو بھی مجھے یقین نہیں آ سکتا۔ تو آدم زاد ہے تیرے وعدے کا کیا اعتبار۔ تیرے باپ آدم نے خدا سے اقرار کیا تھا اور اسے توڑ ڈالا۔ خدا نے اس کی مٹی کا چالیس دن تک خمیرا اٹھایا اور فرشتوں کو اس کے آگے سجدہ کرایا، باوجود ان تمام باتوں کے اس نے اپنا عہد پورا نہ کیا اور

اس کے حکم کی نافرمانی کی۔ یہ سن کر حاسب چپ ہو گیا پھر رونے لگا اور دس دن تک برابر روتا رہا۔ اس کے بعد اس نے کہا خیر تیری مرضی اچھا یہ تو بیان کر کہ بادشاہ براخیا کے ساتھ دو مہینے ٹھہرنے کے بعد بلوقیا نے کیا کیا؟ ملکہ بولی اے حاسب سن! بادشاہ براخیا کے پاس ٹھہرنے کے بعد وہ اس سے رخصت ہوا اور جنگل میں رواں دواں پھرتے پھرتے ایک اونچے پہاڑ کے پاس پہنچا اور اس پر چڑھ گیا دیکھا کہ ایک فرشتہ اس پر بیٹھا خدا کی یاد کرتا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتا ہے۔ اس فرشتے کے آگے ایک تختی رکھی ہوئی ہے جس پر کچھ سفید اور کچھ سیاہ حرفوں میں لکھا ہوا ہے اور فرشتہ تختی کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے دو بازو ہیں، ایک پورب کی طرف پھیلا ہوا ہے، اور دوسرا پچھم کی طرف۔ بلوقیا نے اس کے سامنے جا کر سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا۔

فرشتے نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا تو کون ہے، کہاں سے آیا ہے، کہاں جا رہا ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ بلوقیا نے کہا میں آدم کی اولاد اور اسرائیل کے گھرانے سے ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہوں اور میرا نام بلوقیا ہے۔ اس نے کہا اس ملک تک پہنچنے میں تیرے ساتھ کیا کیا باتیں پیش آئیں؟ بلوقیا نے سارا ماجرا اور جو جو کچھ اس نے اس سفر میں دیکھا تھا بیان کر دیا۔ فرشتے کو سن کر بڑا تعجب ہوا۔ پھر بلوقیا نے فرشتے سے پوچھا تو بھی مجھے بتا کہ یہ تختی کیسی ہے، اس پر کیا لکھا ہوا ہے، تو یہاں کام کرتا ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ فرشتے نے کہا میرا نام مخائیل ہے۔ میرا کام دن اور رات کو لانا اور لے جانا ہے۔

یہ کام قیامت تک میرے سپرد ہے۔ فرشتے کی باتیں اور اس کی صورت، اس کے بدبے اور ڈیل ڈول کو دیکھ کر بلوقیا حیران رہ گیا اور اس سے رخصت ہو کر پھر اپنا راستہ لیا یہاں تک کہ وہ بڑے سبزہ زار پر پہنچا۔ دیکھا کہ اس میں سات ندیاں اور بہت سے درخت ہیں۔ اس وسیع سبزہ زار کو دیکھ کر بلوقیا پر حیرت چھا گئی۔ وہ سیر کرتا پھر رہا تھا کہ ایک نہایت گھنیرا درخت دکھائی دیا اس کے نیچے چار فرشتے نظر آئے۔ بلوقیا

ان کے پاس جا کر انہیں دیکھنے لگا۔ دیکھا کہ ایک انسان کی شکل کا ہے دوسرا شیر کی، تیسرا پرندے کی اور چوتھا بیل کی صورت کا، وہ چاروں خدا کی یاد میں لگے ہوئے ہیں اور ہر ایک یہ کہہ رہا ہے کہ اے میرے اللہ، میرے آقا، میرے مولیٰ اپنی سچائی اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کے صدقے ان سارے بندوں کی معاف کر دے جو میری شکل و صورت کے ہیں اور ان پر مربانی کر، تو ہر چیز پر قادر ہے۔

ان کا کلام سن کر بلوقیا کو سخت اچنبھا ہوا اور وہ وہاں سے چل دیا اور منزلیں طے کرتے کرتے کہہ قاف کے پاس پہنچا اس کے اوپر چڑھ دیکھا کہ وہاں ایک بڑے ڈیل ڈول والا فرشتہ بیٹھا خدا کی پاکی بیان کر رہا ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیج رہا ہے اور پکڑنے چھوڑنے کھولنے اور لپیٹنے میں لگا ہوا ہے۔ وہ اسی حالت میں تھا کہ بلوقیا نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا۔ فرشتے نے سلام کا جواب دیا اور اس سے پوچھا کہ تو کون سی مخلوق ہے، کہاں سے آیا ہے، کہاں جا رہا ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ بلوقیا نے کہا اسرائیل کے گھرانے اور آدم کی اولاد میں سے ہوں۔ میرا نام بلوقیا ہے۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں پھر رہا ہوں اور راہ بھول گیا ہوں۔ بلوقیا اپنی ساری کہانی سنا چکا تو اس نے فرشتے سے پوچھا تو کون ہے، یہ پہاڑ کیا ہے اور تو کس کام مشغول ہے؟ فرشتے نے کہا اے بلوقیا، یہ پہاڑ کہہ قاف ہے جو دنیا کے چاروں طرف ہے اور جتنے ملک خدا نے دنیا میں پیدا کئے ہیں ان کی رسی میرے ہاتھ میں ہے۔ اگر خدا ان ملکوں میں زلزلہ یا قحط یا بہتات یا قتل یا صلح چاہتا ہے تو وہ مجھے اس کا حکم دیتا ہے اور میں یہیں بیٹھے بیٹھے اسے کہہ دیتا ہوں کیونکہ ساری دنیا کی جڑیں میرے ہاتھ میں ہیں۔

اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو چھیانوویں راتے

جب چار سو چھیانوویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک بادشاہ! فرشتے نے کہا کہ ساری دنیا کی جڑیں میرے ہاتھ میں ہیں۔ بلوقیا نے فرشتے سے پوچھا خدا نے سوا اس سر زمین کے جس پر تو ہے کوئی اور بھی ملک بنایا ہے؟ فرشتے نے کہا ہاں، اس نے ارض بیضا بنایا ہے جو چاندی کی طرح ہے۔ اس کی لمبائی چوڑائی سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔ اس میں خدا نے فرشتے بسائے ہیں جن کا کھانا اور پینا خدا کی پاکی بیان کرنا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجنا ہے۔ ہر جمعرات کو وہ اس پہاڑ پر آتے ہیں اور سب اکٹھے ہو کر ساری رات خدا سے دعا مانگتے ہیں اور اپنی تسبیح اور عبادت کا ثواب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے گہنگاروں اور جمعے کے روز نہانے والے لوگوں کو بخشتے ہیں۔ یہ ان کی حالت قیامت تک رہے گی۔ اس کے بعد بلوقیا نے فرشتے سے پوچھا کہ خدا نے کوہ قاف کے پیچھے بھی کوئی اور پہاڑ پیدا کیا ہے؟ فرشتے نے کہا ہاں کوہ قاف کے پیچھے ایک پہاڑ ہے جس کی لمبائی پانچ سو سال کی مسافت ہے اور اس پر ہمیشہ برف اور سردی پڑتی رہتی ہے جس کی وجہ سے جہنم کی گرم دنیا تک نہیں پہنچ سکتی۔ اگر وہ پہاڑ نہ ہوتا دنیا جہنم کی آگ کی گرمی سے جل بھن جاتی۔ کوہ قاف کے پیچھے چالیس زمینیں ہیں جن میں سے ہر ایک اس زمین سے چالیس گنا بڑی ہے۔ بعض ان میں سے سونے کی ہیں۔ بعض چاندی کی، بعض یاقوت کی اور ہر زمین کا رنگ جدا ہے۔ ان زمینوں میں خدا نے فرشتے لا کر بسائے ہیں جن کا کام سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ خدا کی تسبیح و تحلیل، تقدیس و تکبیر کریں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لیے دعائیں مانگیں۔ انہیں نہ تو حوا کی خبر ہے اور نہ آدم کی۔ نہ دن کا پتہ چلتا ہے نہ رات کا۔

اے بلوقیا‘ یہ بھی سن رکھ کہ زمین کے سات طبقے ہیں جو اوپر تلے ہیں۔ خدا نے ایک فرشتہ پیدا کیا ہے جس کی تعریف اور بڑائی سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں‘ وہ ساتوں زمینوں کو اپنے کندھے پر لیے ہوئے ہے۔ اس فرشتے کے نیچے خدا نے ایک چٹان پیدا کی ہے اور چٹان کے نیچے سائڈ‘ سائڈ کے نیچے ایک مچھلی اور مچھلی کے نیچے بہت بڑا سمندر۔

جب خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس مچھلی کی خبر دی تھی تو انہوں نے کہا تھا کہ اے پروردگار مجھے اس مچھلی کی زیارت کرا دے۔ ان کی التجا پر خدا نے ایک فرشتے کو حکم دیا کہ وہ انہیں مچھلی کے پاس لے جائے تاکہ وہ اسے دیکھیں۔ وہ فرشتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں لے کر اس سمندر میں گیا جہاں وہ مچھلی تھی اور ان سے کہا اے عیسیٰ علیہ السلام مچھلی کو دیکھ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مچھلی کی طرف دیکھا لیکن وہ انہیں دکھائی نہ دی کیونکہ وہ ان کے سامنے سے بجلی کی طرح گزر گئی۔ یہ دیکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے جب انہیں ہوش آیا تو خدا نے ان پر وحی بھیجی کہ اے عیسیٰ تو نے مچھلی دیکھی اور تجھے معلوم ہوا کہ اس کی لمبائی چوڑائی کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ نے جواب دیا ”اے پروردگار“ قسم ہے تیری عزت اور جلال کی میں نے اسے نہیں دیکھا لیکن میرے پاس سے ایک بہت بڑا سائڈ گزرا جس کی لمبائی تین دن کی راہ تھی مجھے معلوم نہیں کہ یہ کیسا سائڈ تھا۔“ خدا نے کہا اے عیسیٰ علیہ السلام جو چیز تیرے پاس سے گزری اور جس کی لمبائی تین دن کی راہ تھی وہ مچھلی کا سر تھا۔ سن اے عیسیٰ ”علیہ السلام“ میں ہر روز اس مچھلی کی طرح کی چالیس مچھلیاں پیدا کرتا ہوں۔ یہ سن کر انہیں خدا کی قدرت پر اچنبھا ہوا۔ اب بلوقیا نے فرشتے سے پوچھا کہ خدا نے اس سمندر کے نیچے کیا پیدا کیا ہے۔ جس میں مچھلی ہے؟ فرشتے نے کہا سمندر کے نیچے خدا نے ہوا پیدا کی ہے۔ ہوا کے نیچے آگ اور آگ کے نیچے بڑا بھاری سانپ جس کا نام فلق ہے۔ اگر اس سانپ کو خدا کا ڈر نہ ہوتا تو وہ ہوا‘ آگ فرشتہ اور جو کچھ وہ اٹھائے ہوئے ہے‘ سب کو نکل جاتا اور فرشتے کو

خبر تک نہ ہوتی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

URDU4U.COM

○○○

• چار سو ستانویویں رات

جب چار سو ستانویویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- فرشتے نے بلوقیا سے کہا اور فرشتے کو خبر تک نہ ہوتی۔ جب خدا نے اس سانپ کو پیدا کیا تو اس کے پاس وحی بھیجی کہ میں تیرے پاس ایک امانت رکھنا چاہتا ہوں، اسے حفاظت سے رکھو۔ سانپ نے کہا جو تیرا جی چاہے کہہ۔ خدا نے اس سانپ سے کہا اپنا منہ کھول۔ اس نے منہ کھولا اور خدا نے جہنم کو اس کے پیٹ کے اندر رکھ دیا اور اسے سے کہا کہ جہنم کو قیامت کے دن تک حفاظت سے رکھو۔ قیامت کے دن خدا فرشتوں کو حکم دے گا کہ جہنم کو زنجیروں سے باندھ کر محشر میں لے آؤ اور جہنم کو حکم دے گا کہ اپنے دروازے کھول دے، وہ دروازے کھول دے گی اور پہاڑ کے برابر انگارے اس میں سے اڑنے لگیں گے۔

فرشتے کی یہ باتیں سن کر بلوقیا دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اور اس سے رخصت ہو کر پچھم کی طرف چل دیا۔ چلتے چلتے دو شخصوں کے پاس پہنچا جو بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے قریب ایک بڑا سا دروانہ تھا جس میں قفل پڑا ہوا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ ان میں سے ایک کی صورت شیر کی ہے اور دوسرے کی سانڈ جیسی۔ بلوقیا نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا اور اس سے مخاطب ہو کر پوچھا تو کیا چیز ہے، کہاں سے آیا ہے اور کہاں جاتا ہے؟ بلوقیا نے کہا میں آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سرگرداں ہو کر راہ بھول گیا ہوں۔ پھر بلوقیا نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا تم لوگ کون ہو اور تمہارے قریب یہ دروانہ کیسا ہے؟ انہوں نے کہا ہم اس دروازے کے پہرے دار ہیں اور ہمارا کام خدا کی پاکی بیان کرنا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا ہے۔ بلوقیا نے یہ باتیں سنیں تو حیران ہو کر ان سے پوچھنے لگا کہ اس دروازے کے اندر کیا ہے؟ وہ بولے

ہمیں معلوم نہیں۔ اس نے کہا میں تمہیں پرورگار کی قسم دیتا ہوں کہ اس دروازے کو کھولو تا کہ میں دیکھو کہ اس کے اندر کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہمیں اس کے کھولنے کی طاقت نہیں۔ جبریل امین کے سوا اسے کوئی نہیں کھول سکتا۔

بلوقیا نے یہ سنا خدا کے آگے گڑگڑانے لگا کہ اے پرورگار جبریل امین کو میرے پاس بھیج کہ وہ اس دروازے کو کھول دے اور میں دیکھوں کہ اس کے اندر کیا ہے۔ خدا نے اس کی دعا قبول کر لی اور جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین پر اتر کر مجمع البحرین کا دروازہ کھول دے کہ بلوقیا اسے دیکھ لے۔ جبریل علیہ السلام بلوقیا کے پاس آئے، اسے سلام کیا اور بلوقیا سے کہا، دروازے میں جا۔ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسے تیرے لیے کھول دوں۔

بلوقیا اس کے اندر داخل ہوا اور جبریل علیہ السلام دروازہ بند کر کے آسمان کی طرف چلے گئے۔ بلوقیا نے دیکھا کہ اس میں ایک بہت بڑا سمندر ہے۔ آدھا کھاری آدھا میٹھا اور اس سمندر کے ارد گرد سرخ یا قوت کے دو پہاڑ ہیں۔ بلوقیا ان دونوں پہاڑوں کے قریب پہنچا۔ وہاں فرشتے خدا کی پاکی بیان کر رہے تھے انہیں دیکھ کر بلوقیا نے سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ بلوقیا نے پوچھا یہ سمندر اور پہاڑ کیسے ہیں؟ فرشتوں نے کہا یہ جگہ ٹھیک عرش کے نیچے ہے اور یہ سمندر دنیا کے تمام سمندروں کو پانی پہنچاتا ہے۔ ہم اس پانی کو تقسیم کر کے زمین پر لے جاتے ہیں، کھاری پانی کو کھاری زمین اور میٹھے پانی کو میٹھی زمین پر اور خدا نے ان دونوں پہاڑوں کو اس پانی کی حفاظت کے لیے پیدا کیا ہے۔ قیامت تک ہمارا یہی کام رہے گا۔

اب فرشتوں نے اسے سے پوچھا کہ تو کہاں سے آیا ہے، کہاں جا رہا ہے؟ بلوقیا نے اپنی ساری کہانی شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنائی اور کہا کہ مجھے راستے پر لگا دو۔ انہوں نے کہا سمندر پر سوار ہو جا۔ بلوقیا نے وہ ست نکالا جو اس کے پاس تھا۔ پاؤں پر چڑھا اور ان سے رخصت ہو کر سمندر پر چلنے لگا اور دن رات چلتا رہا۔ چلتے چلتے اسے ایک خوبصورت جوان نظر آیا جو پانی پر بڑی تیزی کے ساتھ چل رہا تھا۔ بلوقیا نے اس

کے پاس جا کر سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا۔ آگے بڑھا تو چار فرشتے دیکھے جو پانی پر چلے جا رہے تھے اور اتنے تیز جیسے بجلی۔ بلوقیا ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا، وہ پاس آئے تو انہیں سلام کیا اور کہا خدا کے واسطے یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے اور تم کہاں سے آئے ہو اور کہا جاتے ہو؟ ان میں سے ایک بولا میرا نام جبریل ہے دوسرے کا نام اسرائیل، تیسرے کا نام میکائیل اور چوتھے کا عزرائیل۔ پورب کی طرف ایک بہت بڑا اژدھا نکلا ہے جس نے ایک ہزار شر غارت کر دیئے ہیں۔ وہاں کے آدمیوں کو کھا گیا ہے۔ خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم وہاں جائیں اور پکڑ کر جہنم میں ڈال آئیں۔ بلوقیا ان کا ڈیل ڈول دیکھ کر دنگ رہ گیا اور پھر چلنا شروع کر دیا۔ کئی دن بعد ایک جزیرے میں پہنچا اور تھوڑی دیر تک سیر کرتا رہا۔ اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو اٹھانوویں رات

جب چار سو اٹھانوویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- بلوقیا جزیرے میں سیر کرنے لگا۔ سیر کر رہا تھا کہ اسے ایک حسین جوان نظر آیا۔ جس کے چہرے پر نور چمک رہا تھا۔ بلوقیا اس کے پاس پہنچا دیکھا کہ وہ دو قبروں کے بیچ میں بیٹھا رو پیٹ رہا ہے۔ بلوقیا نے اس کے پاس آ کر سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ بلوقیا نے پوچھا تیرا کیا حال ہے؟ کیا نام ہے؟ یہ قبریں کیسی ہیں جن کے درمیان تو بیٹھا ہوا ہے اور تو رو کیوں رہا ہے؟ جوان بلوقیا کی طرف دیکھ کر اتنا رویا کہ آنسوؤں اس کے کپڑے بھیگ گئے اور وہ بلوقیا سے کہنے لگی بھائی سن، میری کہانی بہت نرالی ہے، میں چاہتا ہوں کہ تو میرے پاس ٹھہر اور جو کچھ تو نے اپنی زندگی میں دیکھا ہے پہلے مجھے سنا اور بتا کہ تو یہاں کیوں آیا ہے؟ تیرا نام کیا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ اس کے بعد میں بھی اپنی کہانی سناؤں گا۔ بلوقیا جو ان کے پاس بیٹھ گیا اور جو کچھ اس نے اپنے سفر میں دیکھا تھا شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنایا اور یہ بھی کہا کہ اس کا باپ کس طرح مرا تھا اور وہ کس طرح اس کے بعد بادشاہ بنا، کس طرح اس نے خزانہ کھول کر اس میں صندوق دیکھا اور وہ کتاب پائی جس میں محمد صلی علیہ وآلہ وسلم کی تعریف تھی اور اسے کس طرح ان سے محبت ہو گئی اور محبت کے مارے وہ ادھر ادھر پھرنے لگا۔ الغرض اس نے جوان سے ملنے تک کے سارے حالات کہہ سنائے اور کہا کہ یہ ہے میری ساری کہانی اور خدا بہتر جانتا ہے۔ معلوم نہیں آگے چل کر مجھ پر کیا گزرے گی۔

اس کی باتیں سن کر جوان نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا کہ اے بد نصیب تو نے اپنی زندگی میں کیا دیکھا کچھ بھی نہیں دیکھا، میں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کے زمانے میں دیکھا ہے۔ ایسی ایسی اور اتنی چیزیں دیکھی ہیں جن کی نظیر ہے نہ شمار۔

میری کہانی بڑی عجیب ہے تو یہاں ٹھہر جا پھر میں تجھے اپنی کہانی سناؤں اور یہ بتاؤں گا کہ میں یہاں کیوں بیٹھا ہوا ہوں۔

حاسب نے سانپوں کی ملکہ سے یہ باتیں سنیں تو اسے اچنبھا ہوا اور کہنے لگا اے سانپوں کی ملکہ! میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے آزاد کر دے اور اپنے کسی نوکر کو حکم بھیج دے کہ مجھے زمین کے اوپر نکال دے اور میں تیرے آگے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جیتے جی کبھی حمام میں نہ جاؤں گا۔ ملکہ نے کہا یہ تو نہیں ہو سکتا، مجھے تیری قسم کا اعتبار نہیں۔

یہ سن کر حاسب رونے لگا۔ اس کے رونے سے سارے سانپ رو پڑے اور ملکہ سے اس کی سفارش کرنے لگے اور کہا ہم میں سے کسی کو حکم دے کہ وہ اسے زمین سے اوپر نکال آئے اور وہ قسم کھا لے کہ جیتے جی کبھی حمام نہ جائے گا۔ سانپوں کی ملکہ کا نام یملیخا تھا۔ کو بھی آخر رحم آ گیا۔ اس نے حاسب کو قسم دلائی اور اس نے قسم کھائی۔ ملکہ نے ایک سانپ کو حکم دیا کہ وہ اسے زمین کے اوپر نکال آئے۔ سانپ اسے اوپر لے جانے کے لیے آیا تو اس نے سانپوں کی ملکہ سے کہا اچھا اس جوان کی کہانی تو سنا دے جس کے پاس بلوقیا ٹھہرا تھا اور جسے اس نے دو قبروں کے بیچ میں بیٹھا دیکھا تھا، بے سنے چلا گیا تو حسرت رہ جائے گی۔ ملکہ نے کہا اے حاسب! بلوقیا نے جوان کے پاس بیٹھ کر اپنی کہانی شروع سے لے کر آخر تک سنا دی تا کہ جوان بھی اپنی کہانی سنائے جو کچھ اس نے اپنی زندگی میں دیکھا ہے بیان کرے اور دو قبروں کے بیچ میں بیٹھنے کا سبب بتائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو ننانویس راتے

جب چار سو ننانوی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- بلوقیا اپنی ساری کہانی سنا چکا تو جوان نے کہا اے قسمت کے بیٹے، تو نے کیا خاک نرالی بات دیکھی۔

میں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کے زمانے میں دیکھا ہے اور اتنی انوکھی باتیں دیکھی ہیں۔ میں نے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کے زمانے میں دیکھا ہے اور اتنی انوکھی باتیں دیکھی ہیں جن کی گنتی نہیں۔ بھائی سن! میرا باپ بادشاہ تھا اسے طیغموس کہتے تھے۔ اس کی حکومت کابل اور بنی شہلان پر تھی۔ دس ہزار پہلوان اس کے ماتحت تھے اور ہر پہلوان کی حکومت سو شہروں اور سو قلعوں پر تھی جن کے ارد گرد شہر پناہیں تھیں۔ اس کے زیر نگین سات سلطان تھے۔ پورب کے ملکوں سے اس کے پاس خراج آتا تھا اور وہ بڑا انصاف پسند تھا۔ خدا نے اسے ساری چیزیں دے رکھی تھیں اور اتنی بڑی حکومت دی تھی لیکن وہ لاولد تھا۔ اسے بڑی تمنا تھی کہ کوئی بیٹا ہوتا جو اس کے بعد حکومت کرتا۔

ایک دن اس نے عالموں، نجومیوں اور زائچے کھینچنے والوں کو بلا کر کہا کہ میری قسمت کا لکھا دیکھو اور بتاؤ کہ خدا مجھے زندگی میں کوئی بیٹا بھی دے گا جو میرے بعد بادشاہت کرے۔ نجومیوں نے کتابیں کھولیں، اس کے ستاروں پر غور کیا اور کہنے لگے اے بادشاہ تیرے ہاں ایک بیٹا پیدا ہو گا مگر خراسان کے بادشاہ کی بیٹی سے۔ یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور نجومیوں اور حکیموں کو بے حد مال و دولت دے کر رخصت کیا۔ بادشاہ طیغموس کا ایک بڑا وزیر تھا جو بہت بڑا پہلوان اور ایک ہزار سواروں کا سردار تھا۔ اس کا نام عین زار تھا۔ بادشاہ نے اس سے کہا اے وزیر میں چاہتا ہوں کہ تو خراسان جانے کی تیاری کر اور میرے نکاح کا پیغام خراسان کے بادشاہ بہروان کی بیٹی کے لیے لے جا، اس نے وزیر سے وہ تمام باتیں بیان کر دیں جو نجومیوں نے کہیں تھیں۔ بادشاہ

کا حکم پاتے ہی، وزیر فوراً اٹھ کر کھڑا ہوا، سفر کی تیاری کرنے لگا۔ لشکر بہادروں اور فوجوں کو لے کر شہر کے باہر ڈیرے ڈنڈے ڈال دیئے۔

ادھر وزیر یہ کہہ رہا تھا۔ ادھر بادشاہ طیغموس نے ایک ہزار پانچ سو صندوق، ریشم جواہرات،

موتیوں، یاقوت، سونے چاندی اور قیمتی معدنیات کے اور بہت سا عروسی کا ساز و سامان

تیار کر کے اونٹوں اور خچروں پر لدوا کر وزیر عین زار کے سپرد کر دیا اور خراسان کے بادشاہ کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا: حمد و ثناء کے بعد بہروان کو سلام پہنچے۔

تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے نجومیوں، حکیموں اور زاپچے کھینچنے والوں کو جمع کیا

تھا۔ انہوں نے مجھ سے یہ کہا کہ میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو گا مگر تیری بیٹی سے۔

اس لیے میں اپنے وزیر عین زار کو بہت سا عروسی کا ساز و سامان دے کر بھیج رہا ہوں

اس معاملے میں وزیر میرا وکیل ہے۔ میں اس کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ میری طرف

سے نکاح قبول کرے۔ مجھے تیری مرہانی سے امید ہے کہ تو اس کی درخواست منظور

کرے گا، وہ میری درخواست ہو گی اور اس میں دیر نہ کرے گا۔ تیری نیکی کا میں

شکر گزار ہوں گا۔ اس بات میں میری مخالفت ہرگز نہ کیجیو کیونکہ اے بادشاہ بہروان

تجھے معلوم ہے کہ خدا نے مجھے کابل اور بنی شہلان کا بادشاہ بنایا ہے اور میرے قبضے

میں بہت بڑا ملک ہے اگر تو نے اپنی بیٹی کا بیاہ میرے ساتھ کر دیا تو حکومت کے معاملے

میں ہم تم دونوں ایک ساتھ ہوں گے اور میں تجھے ہر سال اتنی دولت بھیجا کروں گا

جو تیرے لیے کافی ہو۔ یہی میری تجھ سے خواہش ہے اور بس۔“

اس خط پر بادشاہ طیغموس نے مہر لگائی اور وزیر عین زار کو دے کر اسے خراسان جانے

کا حکم دے دیا۔ وزیر چلتے چلتے بادشاہ بہروان کے شہر کے قریب پہنچ گیا۔ لوگوں نے

اسے خبر پہنچائی کہ بادشاہ طیغموس کا وزیر آ رہا ہے۔ یہ خبر سن کر بادشاہ بہروان نے

اپنے امراء کو اس کی ملاقات کے لیے بھیجا اور ان کے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں،

گھوڑوں کا چارا، دانہ روانہ کیا اور تاکید کر دی کہ وزیر عین زار سے بہت سلوک سے

ملیں۔ امراء دعوت کا سامان لے کر چل دیئے اور وزیر کے پاس پہنچ کر انہیں اتارا،

سارا لاؤ لشکر اترا، سب نے ایک دوسرے کو سلام کیا اور دس روز وہیں ٹھہر رہے۔
گیارہویں دن شہر کی طرف روانہ ہوا۔

بادشاہ بہروان نکل کر بادشاہ طیغموس کے وزیر سے ملا۔ وزیر نے سلام کیا۔ بادشاہ نے اسے گلے لگایا اور اپنے ساتھ قلعے کے اندر لے گیا۔ قلعے میں جا کر وزیر نے تمام تحفے تحائف اور ساز و سامان بادشاہ بہروان کے آگے پیش کیا اور اپنے بادشاہ کو خط دیا۔ بادشاہ بہروان نے پڑھا اس کا مطلب سمجھا اور بہت خوش ہوا۔ وزیر کی خاطر و مدارت کے بعد اس سے کہا خوش ہو، تیری آرزو پوری ہو گئی۔ اگر بادشاہ طیغموس میری جان بھی مانگے تو میں دینے کے لیے تیار ہوں۔ یہ کہہ کر بادشاہ بہروان فوراً اپنی بیٹی کے پاس گیا۔ اس کی ماں اور دوسرے کنبے والوں کو بلایا اور انہیں یہ خبر سنا کر ان کی رائے دریافت کی۔ انہوں نے کہا جو تیری مرضی وہی ہماری خوشی۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سوویں رات

جب پانچ سوویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- بہروان شاہ نے لڑکی اس کی ماں اور کنبے والوں سے مشورہ کیا۔ ان کی رائے لے کر باہر آیا اور وزیر عین زار سے کہا تیری آرزو پوری ہو گئی۔ وزیر بادشاہ بہروان کے پاس دو مہینے ٹھہرا اس کے بعد اس سے کہنے لگا مہربانی فرما کر اب ہمیں با مراد رخصت کر دے کہ ہم اپنے وطن چلے جائیں۔ بادشاہ نے شادی کی خوشیاں منانے کا حکم دے دیا اور جینر تیار کرایا۔ یہ سارے کام ہو گئے تو اس نے وزیروں اور ملک کے تمام بڑے بڑے امراء کو جمع کیا اور راہیوں کو بلوا کر شہزادی کا نکاح بادشاہ طیغموس سے کرا دیا۔ پھر سفر کی تیاری ہونے لگی۔ رخصت کے وقت اس نے اپنی بیٹی کو اتنے ہدیے، تحفے اور جواہرات دیئے جن کے بیان سے زبان عاجز ہے۔ شہر کے گلی کوچوں میں فرش بچھوایا، بازاروں کو آراستہ کیا اور وزیر عین زار بادشاہ بہروان کی بیٹی کو لے کر وطن روانہ ہو گیا۔ یہ خبر بادشاہ طیغموس کو ملی تو اس نے حکم دیا کہ جشن کیا جائے اور شہر میں چراغاں ہو۔ دھوم دھام ہو چکی تو طیغموس بادشاہ بہروان کی بیٹی کے ساتھ ہم بستر ہوا۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ حاملہ ہو گئی اور حمل کے دن پورے ہونے کے بعد لڑکا پیدا ہوا جو بڑا خوبصورت تھا۔ بادشاہ کی خوشی کا کیا پوچھنا، اس نے حکیموں، نجومیوں اور زائچے بنانے والوں کو بلوا کر کہا میں چاہتا ہوں کہ تم اس بچے کے ستاروں پر غور کرو اور بتاؤ کہ اس کی زندگی میں کیا پیش آنے والا ہے۔ حکیموں اور نجومیوں نے ستاروں کا حساب لگا کر دیکھا کہ وہ نیک بخت ہو گا لیکن ابتدائی زندگی میں اسے کچھ تکلیفیں پہنچیں گی اور یہ خطرات پندرہ سال کی عمر تک ہیں۔ پندرہواں سال اگر گزر گیا اور لڑکا جیتا رہا تو اسے بہت ملے گا اور وہ بہت بڑا بادشاہ ہو گا، اپنے باپ سے بھی بڑا اور اسے بڑی کامیابی ہو گی، اس کے دشمن ہلاک ہوں گے اور وہ بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر

کرے گا اور اگر مر گیا تو مر گیا، آئندہ خدا بہتر جاننے والا ہے۔ بادشاہ یہ سن کر کچھ متفکر ہوا، کچھ خوش اور اس کا نام جان شاہ رکھا۔ انائیں اور دائیاں بلائیں اور بچہ چلنے لگا اور بڑی احتیاط کے ساتھ پرورش ہونے لگی جب اس کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو باپ نے اسے لکھنا پڑھنا سکھایا اور وہ انجیل پڑھنے لگا۔ سات برس کے اندر اس نے فنون حرب، نیزہ اندازی اور شمشیر زنی میں مہارت حاصل کر لی۔ سیر و شکار کے لیے جانے لگا۔ شہ سواری میں طاق اور پورا پہلوان ہو گیا۔ جب اس کا باپ سنتا کہ لڑائی کے ہر انداز میں وہ پورا سورا ہے تو بہت خوش ہوتا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ بادشاہ طلیغموس نے لشکر کو سیر و شکار کے لیے چلنے کا حکم دیا۔ لشکر اور فوجیں نکلیں۔ بادشاہ اور اس کا بیٹا جان شاہ بھی سوار ہوا۔ سب لوگ جنگل بیابان میں نکل گئے اور تیسرے دن عصر کے وقت تک سیر و شکار میں مصروف رہے۔ اتفاقاً ایک عجیب و غریب رنگ کا ہرن جان شاہ کے پاس سے نکل کر بھاگا۔ جونہی جان شاہ نے ہرن کو اپنے پاس بھاگتا ہا دیکھا اس کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا اور بڑی تیزی سے بھاگتے ہوئے ہرن کا پیچھا کیا۔ بادشاہ طلیغموس کے غلاموں میں سے سات غلام جان شاہ کے پیچھے پیچھے چلے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کا آقا ہرن کے پیچھے بہت تیزی کے ساتھ جا رہا ہے تو انہوں نے بھی اپنے گھوڑوں کو سر پٹ چھوڑ دیا۔ چلے جا رہے تھے کہ سامنے سمندر آ گیا۔ سمجھے کہ اب ہرن کہاں جائے گا۔ گھیرا ڈال کر لپکے کہ اسے پکڑ لیں مگر ہرن چوڑی بھر کر سمندر میں کود پڑا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو کے بعد پہلی رات

جب پانچ سو کے بعد پہلی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! ہرن چوکری بھر کر سمندر میں کود پڑا۔ سمندر میں ایک ماہی گیر کی کشتی پڑی ہوئی تھی۔ ہرن نے اس میں پناہ لی۔ جان شاہ اور اس کے غلام بھی گھوڑوں سے اتر کشتی میں پہنچ گئے اور ہرن کو پکڑ لیا۔ واپسی پر سمندر سے نکل کر وہ خشکی میں اترنا چاہتے ہی تھے کہ جان شاہ کی نظر ایک بہت بڑے جزیرے پر پڑی، اس نے غلاموں سے کہا میں چاہتا ہوں کہ اس جزیرے میں چلیں۔ کسی کو کیا عذر ہوتا، کشتی کو جزیرے کی طرف کھینچنے لگے اور تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ گئے۔ جزیرے میں سیر کرتے کرتے وہ جب لوٹے اور ہرن کو لے کر کشتی میں سوار ہو کر اس خشکی کی طرف روانہ ہوئے جہاں سے وہ آئے تھے تو شام ہو گئی۔ ہر طرف اندھیرا ہو گیا۔ راستہ بھول گئے اور ہوا نے کشتی کو سمندر میں لے جا کر ڈال دیا۔ جان شاہ پڑ کر سو گیا اور صبح تک سوتا رہا۔ آنکھ کھلی تو وہ سب پریشان۔

راستہ گم، وہ سمندر کے چکر لگاتے رہے۔ ادھر بادشاہ طیغموس نے اپنے بیٹے کو بہت ڈھونڈا، کچھ پتہ نہ چلا تو اس نے لشکر کو حکم دیا کہ ٹولیاں بنا کر ایک راستے پر روانہ ہو جائیں۔ لشکری حکم کے مطابق جان شاہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ ایک ٹولی سمندر کی طرف بھی جا نکلی اور انہوں نے اس غلام کو دیکھا جسے وہ گھوڑوں کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ اس سے شنراہے اور چھ غلاموں کے متعلق دریافت کیا۔ غلام نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ تلاش کرنے والی ٹولی غلام اور گھوڑوں کو لے کر بادشاہ کے پاس گئی اور قصہ سنایا۔ بادشاہ سن کر رونے پٹنے لگا اور اپنے سر سے تاج پھینک دیا۔ غم و غصے کے مارے انگلیاں کاٹنے لگا اور فوراً خط لکھوا کر سمندر میں پھر کر میرے بیٹے کو

ڈھونڈو۔ یہ حکم دے کر بادشاہ رنج میں منہ لپیٹ پڑ گیا۔ جان شاہ کی ماں کو یہ خبر ملی تو اس نے الگ اپنا برا حال کر لیا، رونے پٹینے لگی اور سوگ میں بیٹھ گئی۔

URDU4U.COM

ادھر تو یہ ہوا، ادھر جان شاہ کا حال سنو۔ وہ اور اس کے ساتھ والے غلام سمندر میں بھٹکتے اور ڈھونڈنے والے انہیں رہے۔ دس دن جب کوئی کھوج نہ لگا تو انہوں نے بادشاہ کے پاس آ کر اسے خبر کی اور جان شاہ کی کشتی طوفان میں پڑ گئی۔ موبصیں اسے ایک جزیرے کے پاس لے پہنچیں، جان شاہ اور چھنوں غلام کشتی سے اتر کر وہاں سیر کرنے لگے۔ پھرتے پھرتے جزیرے کے بیچ میں ایک پانی کا چشمہ نظر آیا، چشمے کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا دکھائی دیا۔ قریب جا کر انہوں نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا اور ان سے چڑیوں کی سی بولی میں باتیں کرنے لگا۔ اس شخص کی باتیں سن کر جان شاہ کو بڑا اچنبھا ہوا۔ اس کے بعد اس شخص نے دائیں بائیں دیکھا۔ یہ اس شخص کو ابھی اچنبھے سے دیکھ ہی رہے تھے کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور ہر ٹکڑا ایک طرف چلتا ہوا۔ پھر انہیں بے شمار لوگ پہاڑ کی طرف سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ آتے آتے وہ چشمے کے پاس پہنچے اور ان میں سے ہر ایک دو ٹکڑوں میں ہو گیا اور سب جان شاہ اور غلاموں کی طرف بڑھے کہ انہیں کھا جائیں۔ جان شاہ اور اس کے غلام بھاگے، انہوں نے ان کا پیچھا کیا اور تین غلاموں کو ہڑپ کر لیا۔ جان شاہ کے ساتھ اب فقط تین غلام باقی رہ گئے۔

ان تینوں غلاموں کو لے کر جان شاہ کشتی میں سوار ہو گیا اور کشتی کو کھینچ کر سمندر کے بیچ لے گئے۔ رات دن چلاتے تھے مگر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کشتی انہیں کہاں لیے جا رہی ہے۔ بھوک لگی تو انہوں نے ہرن کو ذبح کر کے کھانا شروع کیا۔ ہوا نے انہیں اڑا کر ایک جزیرے میں لا پھینکا۔ انہوں نے دیکھا کہ اس جزیرے میں درخت، نہریں، پھل اور باغ ہیں۔ طرح طرح کے میوے اور درختوں کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں۔ جزیرہ کیا ہے جنت ہے۔ جان شاہ اس جزیرے کو دیکھ کر حیران ہو گیا اور اس

نے غلاموں سے کہا تم میں سے کون جا کر اس جزیرے کی خبر لائے گا؟ ایک غلام نے کہا میں ابھی خبر لے کر آتا ہوں۔ جان شاہ نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ تم تینوں جا کر اس جزیرے کی خبر لاؤ اور جب تک تم لوٹ کر نہ آؤ، میں یہاں کشتی میں بیٹھا تمہاری راہ دیکھوں گا۔ جان شاہ نے تینوں غلاموں کو اتار دیا تا کہ وہ جزیرے کی خبر لائیں اور غلام جزیرے میں چل دیئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• پانچ سو کے بعد دوسری رات

جب پانچ سو کے بعد دوسری رات ہوئی تو اس نے کہا نیک نہاد بادشاہ ----- غلام جزیرے میں اتر کر پورب پچھم چکر لگانے لگے لیکن انہیں وہاں کوئی انسان حوان دکھائی نہ دیا۔ اب وہ اس کے وسط میں چلے۔ انہیں دور سے سفید مرمر کا ایک قلعہ دکھائی دیا۔ اس کے اندر چمک دار بلور کے گھر تھے اور قلعے کے بیچ میں ایک باغ تھا جس میں خشک و تر پھل اس بہتات سے تھے جس کا بیان نہیں ہو سکتا اور طرح طرح کی خوشبوئیں تھیں۔ قلعے کے اندر بہت سے درخت میوؤں سے لدے ہوئے دیکھے اور چٹیاں درختوں پر بیٹھی چھجا رہی تھیں۔ وہاں ایک بڑا حوض بھی تھا اور حوض کے پہلو میں ایک بڑا چبوترا جہاں کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ کرسیوں کے بیچ میں ایک سرخ سونے کا تخت تھا جس میں طرح طرح کے ہیرے اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ اس قلعے کی خوبصورتی دیکھ کر غلام ادھر ادھر گھومنے لگے لیکن جب انہیں وہاں کوئی دکھائی نہ دیا تو وہ قلعے سے نکل کر جان شاہ کے پاس گئے اور جو کچھ دیکھا تھا کہہ سنایا۔ شہزادے جان شاہ نے ان کی باتیں سن کر کہا میں ضرور اس قلعے کی سیر کروں گا وہ غلاموں کو لے کر کشتی سے اترے۔ قلعے پہنچا، اس کے اندر گیا اور وہاں کی خوبصورتی دیکھ کر دنگ ہو گیا۔ یہ سب دیر تک اس کی سیر کرتے اور میوے کھاتے رہے۔ شام ہوئی تو اس جگہ پہنچے جہاں کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ جان شاہ اس تخت پر بیٹھا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ باپ کے تخت، وطن اور گھر والوں کی جدائی پر رونے لگا اور جو غلام اس کے آس پاس تھے وہ بھی رو پڑے۔

یہ اس حالت میں تھے کہ سمندر کی طرف سے ایک شور اٹھا۔ وہ ادھر متوجہ ہوئے دیکھا کہ بندر بندوں کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ قلعہ اور جزیرہ انہی بندروں کا تھا۔ جب ان بندروں نے وہ کشتی دیکھی جس میں جان شاہ آیا تھا تو انہوں نے اسے سمندر کے

کنارے چھپا دیا اور جان شاہ کے پاس وقت پہنچے جب وہ قلعے میں بیٹھا ہوا تھا۔
 اب سانپوں کی ملکہ کہنے لگی اے حاسب، یہ ساری باتیں بلوقیا سے اس جوان نے کہیں
 جو دونوں قبروں کے بیچ میں بیٹھا ہوا تھا۔ حاسب نے اس سے کہا پھر جان شاہ نے بندروں
 کے ساتھ کیا کیا؟ سانپوں کی ملکہ بولی جب جان شاہ تخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور غلام
 اس کے دہنے بائیں کھڑے ہو گئے تو بندروں نے ان کے پاس آ کر انہیں بہت ڈرایا
 پھر کچھ بندر آگے بڑھ کر اس تخت کے پاس آئے جس پر جان شاہ بیٹھا ہوا تھا، اس
 کے سامنے زمین چومنے لگے اور ہاتھ سینے پر باندھ کر تھوڑی دیر تک اس کے سامنے کھڑے
 رہے۔ اس کے بعد بندر کئی ہرن پکڑ لائے اور انہیں ذبح کر کے ان کی کھالیں اتار
 لیں۔ گوشت کی بوٹیاں کیں اور انہیں اتنا تلا کہ وہ کھانے کے قابل ہو گئیں۔ پھر
 انہیں سونے چاندی کی سینیوں میں رکھا اور دسترخوان بچھا کر جان شاہ اور اس کے ساتھیوں
 کی طرف اشارہ کیا کہ کھاؤ۔ جان شاہ تخت سے نیچے آیا اور کھانے لگا۔ بندروں اور
 غلاموں نے بھی اس کے ساتھ کھایا۔ یہاں تک کہ ان کا پیٹ بھر گیا۔ اب بندروں
 نے دسترخوان بڑھایا اور پھل لائے۔ سب نے پھل کھا کر خدا کا شکر کیا۔ جان شاہ
 نے بڑے بندروں کی طرف اشارہ کر کے کہا تم کون لوگ ہو اور یہ جگہ کس کی ہے؟
 بندروں نے اشارے سے جواب دیا کہ اس جگہ ہمارے مالک ہمارے آقا سلیمان بن
 داؤد علیہ السلام تھے اور وہ یہاں ہر سال ایک بار سیر کرنے آتے اور پھر لوٹ جاتے
 تھے۔
 اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
 ملی تھی۔

• پانچ سو کے بعد تیسری رات

جب پانچ سو کے بعد تیسری رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- بندروں نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہمارے ہاں سال میں ایک بار آتے اور پھر چلے جاتے تھے۔ اس کے بعد بندروں نے کہا اے بادشاہ سن اب تو ہمارا بادشاہ ہے، ہم تیری خدمت کریں گے، کھا پی اور جو کچھ تو ہمیں حکم دے گا ہم اسے مانیں گے اور سب بندر اٹھے، اس کے آگے زمین چوم کر چلتے بنے اور جان شاہ تخت پر سو گیا۔ غلام بھی ان کرسیوں پر جو آس پاس پڑی تھیں، سو گئے۔ سویرے جب وہ اٹھے تو بندروں کے چار سردار اور ان کا لشکر آیا۔ سارا قلعہ ان سے بھر گیا اور جان شاہ کے آس پاس صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ سرداروں نے اشارے سے کہا کہ ہمارے اوپر ٹھیک طرح سے حکومت کر۔ بعد ازاں ایک دوسرے پر غرائے اور چلتے بنے۔

تھوڑے سے بندر جان شاہ کی خدمت کے لیے اس کے پاس ٹھہرے رہے۔ پھر کچھ اور بندر آئے جن کے ساتھ گھوڑوں کی شکل کے کتے تھے اور ان کی گردنوں میں زنجیریں پڑی ہوئی تھیں۔ جان شاہ کو ان کتوں اور ان کے ڈیل ڈول کو دیکھ کر بڑا اچنبھا ہوا۔ بندروں کے سرداروں نے اشارے سے جان شاہ سے کہا کہ سوار ہو کر ہمارے ساتھ چل۔ جان شاہ اور تینوں غلام اور بندر سوار ہو گئے۔ بندر اس افراط سے تھے جیسے مڈی دل۔ ان میں سے بعض سوار تھے بعض پیدل۔ سب کے سب چلتے چلتے سمندر کے کنارے پہنچے۔ جان شاہ نے دیکھا کہ وہ کشتی جس پر وہ سوار ہو کر آیا تھا، نوارد ہے تو اس نے بندروں کے سرداروں کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا یہاں جو کشتی تھی وہ کیا ہوئی؟ انہوں نے کہا اے بادشاہ سن، جب تم لوگ ہمارے ٹاپو میں آئے تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ تو ہمارا بادشاہ بنے گا، اس لیے ہمیں یہ ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب ہم تمہارے پاس نہ ہوں تو تم کشتی پر چڑھ کر بھاگ جاؤ۔ اس لیے ہم نے اسے چھپا

دیا۔

جان شاہ نے یہ باتیں سنیں تو وہ غلاموں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اب ان بندروں کے پاس سے جانے کی کوئی تدبیر باقی نہ رہی، تقدیر پر صبر کرنا چاہیے۔ آخر چلتے چلتے وہ ایک ندی کے پاس پہنچے جس کے پاس ایک اونچا پہاڑ تھا۔ جان شاہ نے دیکھا کہ اس پہاڑ پر بہت سے بھوت ہیں۔ وہ بندروں کی طرف مخاطب ہو کر پوچھنے لگا۔ یہ بھوت کیسے ہیں؟ بندروں نے کہا اے بادشاہ کیسے ہیں؟ بندروں نے کہا اے بادشاہ سن، یہ بھوت ہمارے دشمن ہیں اور ہم انہی سے لڑنے کے لیے آئے ہیں۔ جان شاہ ان بھوتوں اور ان کے ڈیل ڈول کو دیکھ کر اچنبھے میں پڑ گیا۔ وہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ بعضوں کے سر نیل کی طرح تھے اور بعضوں کے اونٹوں جیسے نظر آئے۔ بندروں کا لشکر دیکھتے ہی بھوت آگے بڑھے اور ندی کے کنارے کھڑے ہو کر ان پر پتھر برسانے لگے جو ڈنڈوں کی شکل کے تھے اور سخت لڑائی ہونے لگی۔ جب جان شاہ نے دیکھا کہ بھوت جیتے جا رہے ہیں تو اس نے غلاموں کو لکار کر کہا کہ تیر کمان نکالو اور ان پر تیر برساؤ اور مارو اور بھگاؤ۔ غلاموں نے جان شاہ کے کہنے پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ بھوت مصیبت میں پھنس گئے۔ ان میں سے بہت سے مارے گئے باقی پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ بندروں نے جان شاہ کی یہ کاروائی دیکھی تو انہوں نے ندی میں جان شاہ کے ساتھ اتر کر بھوتوں کو اتا مارا کہ وہ بھاگ کر نظروں سے غائب ہو گئے اور ہزاروں کھیت رہے۔ جان شاہ اور بندر وہاں سے آگے چلے اور ایک دوسرے اونچے پہاڑ کے پاس پہنچے جہاں جان شاہ نے مرمر کی ایک تختی دیکھی جس کے اوپر یہ لکھا ہوا تھا:

”اے اس سر زمین میں آنے والے سن، تو ان بندروں کا بادشاہ ہو کر رہے گا اور ان سے تیرا پیچھا اس وقت تک نہیں چھوٹ سکتا جب تک تو پہاڑ کی پورب والی گھاٹی سے نہ نکلے جس کی لمبائی تین مہینے کی راہ ہے اور جنگلی جانوروں، بھوتوں، کافر جنوں اور دیوؤں میں سے ہو کر نہ جائے۔ پھر تو اس سمندر میں پہنچے گا جو دنیا کو گھیرے ہوئے ہے یا اگر تو پچھم کی گھاٹی سے جائے تو اس کی لمبائی چار مہینے کی راہ ہے اور اس

کے آخر میں وادی النمل ہے۔ جب تو وہاں پہنچ کر وادی النمل میں داخل ہو تو چیونٹیوں سے بچ کر چلیو حتیٰ کہ تو ایک اونچے پہاڑ کے پاس نہ پہنچ جائے جو آگ کی طرح جل رہا ہو گا اور وہ دس دن کی راہ ہے۔ ”جان شاہ نے یہ سختی دیکھی۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو کے بعد چوتھی رات

پانچ سو کے بعد چوتھی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب جان شاہ نے یہ سختی دیکھی اور اسے پڑھا تو اس کے آخر میں یہ لکھا ہوا تھا کہ ”اس کے بعد تو ایک بڑے دیا کے پاس پہنچے گا جس کے بہاؤ کی تیزی کی وجہ سے آنکھیں چکا چوند ہو جائیں گے۔ یہ دیا ہر سینچر کو سوکھ جاتا ہے اس کے کنارے ایک شہر بسا ہوا ہے جس میں صرف یہودی رہتے ہیں جو محمد ججود کی اولاد میں سے ہیں۔ وہاں کوئی مسلمان نہیں رہتا۔ علاوہ اس شہر کے وہاں کوئی اور بستی نہیں لیکن اگر تو بندروں کے ساتھ رہے گا تو ان کی بھوتوں پر جیت رہے گی اور یہ بھی تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اس سختی کو سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے لکھا ہے۔“ یہ پڑھ کر جان شاہ بہت رویا اور اپنے غلاموں کی طرف مخاطب ہو کر انہیں بتایا کہ سختی پر کیا لکھا ہوا ہے۔ بعد ازاں وہ سوار ہو گیا، بندروں کا لشکر اس کے ارد گرد تھا۔ بندر اس بات پر خوش تھے کہ دشمن ہار گئے۔ اب وہ اپنے قلعے میں پہنچے اور جان شاہ قلعے میں بیٹھ کر ڈیڑھ سال تک بندروں پر حکومت کرتا رہا۔ ایک دن جان شاہ نے بندروں کو حکم دیا کہ سب سیر و شکار کے لیے چلیں۔ بندر سوار ہو گئے۔ جان شاہ اور اس کے غلام بھی ساتھ ساتھ سوار ہو کر جنگلوں اور بیابانوں میں چل کھڑے ہوئے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے کرتے وہ اس جگہ پہنچے جہاں وادی النمل تھی۔ اس نے وہاں وہ تمام نشانیاں پائیں جو مرمر کی سختی پر لکھی ہوئی تھیں۔ حکم دیا کہ یہاں قیام کرو۔ غلام اور بندروں کا لشکر اتر پڑا۔ دس دن تک کھانے پینے میں مشغول رہے۔ اس کے بعد جان شاہ نے اپنے غلاموں سے تنہائی میں کہا میں چاہتا ہوں کہ ہم بھاگ کر وادی النمل میں چلے جائیں اور وہاں سے یہودیوں کے شہر میں، ممکن ہے کہ ان بندروں سے ہمارا پیچھا چھوٹے اور

ہم اپنے گھر جا سکیں۔ انہوں نے کہا سر آنکھوں پر۔

چنانچہ جان شاہ اس بات کی راہ دیکھنے لگا کہ ذرا رات ہو جائے۔ رات آئی تو وہ اٹھا، اس کے غلام بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ہتھیار باندھے، کمر میں تلواریں خنجر لگائے، غرض کہ لڑائی کو پورا سامان لے جا کر جان شاہ اور اس کے غلام چل نکلے اور صبح تک برابر چلتے رہے۔ اتنے میں بندروں کی آنکھ کھل گئی، انہوں نے دیکھا کہ نہ جان شاہ وہاں ہے نہ اس کے غلام۔ انہیں یقین ہو گیا کہ وہ بھاگ گئے۔ یہ معلوم کر کے بندروں کی ایک ٹولی اٹھی اور سوار ہو کر پورب والی گھاٹی کی طرف چلی اور دوسری ٹولی وادی النمل کی طرف روانہ ہوئی۔ یہ دوسری ٹولی زیادہ دور نہیں گئی تھی کہ ان کی نظر جان شاہ اور اس کے غلام ساتھیوں پر پڑی کہ وہ وادی النمل کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ بندر اور تیز دوڑنے لگے۔ جان شاہ نے انہیں دیکھا تو وہ اس کے غلام بھاگ کر وادی النمل چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ بندر ان پر ٹوٹ پڑے اور چاہتے تھے کہ جان شاہ اور اس کے غلاموں کو مار ڈالیں۔ زمین کے نیچے سے ٹڈیوں کی طرح چیونٹے نکل پڑے۔ ہر چیونٹا کتے کے برابر تھا۔ بندروں کو دیکھ کر چیونٹے ان پر پل پڑے اور بہت سے بندروں کو کھا گئے۔ چیونٹے بھی بہت مارے گئے لیکن جیت چیونٹیوں کی ہی رہی۔ ایک ایک چیونٹا ایک ایک بندر کے پاس جاتا اور کلٹ کر اسے دو ٹکڑے کر دیتا۔ اس طرح دس دس بندر ایک چیونٹے پر چڑھ بیٹھتے اور اسے پکڑ کر دو ٹکڑے کر ڈالتے۔ شام تک دونوں میں سخت لڑائی رہی۔ جب شام ہو گئی تو جان شاہ اور غلام وادی النمل کے اندر جا پہنچے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو پانچویں رات

جب پانچ سو پانچویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب شام ہوئی تو جان شاہ اور اس کے غلام وادی النمل کے اندر بھاگ گئے۔ صبح کو بندر پھر جان شاہ کے پاس جا پہنچے۔ اس نے انہیں دیکھا تو اپنے غلاموں کو لاکر کر کہا انہیں تلواروں سے مارو۔ غلاموں نے تلواریں کھینچ کر انہیں مارنا شروع کیا۔ اب ایک بندر ان کی طرف بڑھا جس کے ہاتھی کے سے دانت تھے اور ایک غلام کے پاس آ کر اس نے اس زور سے حملہ کیا کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ بہت سے بندروں نے جان شاہ کو گھیر لیا، وہ جوں توں کر کے وہاں سے بھاگا اور گھاٹی کے نیچے کی طرف پہنچ کر دیکھا کہ ایک دیا بہہ رہا ہے اور اس کے پاس ایک چیونٹا کھڑا ہے۔ چیونٹے نے جان شاہ کو تو اس پر حملہ کر دیا لیکن غلام نے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر چیونٹیوں کی فوج نے ایک دم غلام پر ہلہ بول دیا اور اسے مار ڈالا۔ اسی اثناء میں بندر بھی پہاڑ پر سے آ کر جان شاہ پر ٹوٹ پڑے۔ جان شاہ نے دیکھا کہ بندر کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتے تو وہ کپڑے اتار کر دیا میں کود پڑا۔ اس غلام نے بھی جو بچ رہا تھا اس کے ساتھ پانی میں چھلانگ ماری اور دونوں تیر کر دیا کے بیچ میں پہنچ گئے۔ جان شاہ کو دیا کے دوسرے کنارے ایک درخت دکھائی دیا۔ وہ اس کی ٹہنی پکڑ کر لٹک گیا اور خشکی میں جا پہنچا۔ مگر غلام لہروں میں پھنس رہا اور پہاڑ سے نکراتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ جان شاہ خشکی پر اکیلا کھڑا ہو کر کپڑے نچوڑنے اور انہیں دھوپ میں سکھانے لگا۔ ادھر بندروں اور چیونٹیوں میں سخت لڑائی ہوئی اور آخر کار بندر ہار کر اپنے ملک میں واپس چلے گئے۔

ادھر تو بندروں اور چیونٹیوں کا یہ حال تھا اور ادھر جان شاہ شام تک بیٹھا رویا پھر ایک غار میں جا کر آرام کیا۔ ہزاروں خوف اسے گھیرے ہوئے تھے اور سخت گھبراہٹ

تھی کہ اس کے سارے غلام مر گئے۔ بہر حال وہ اسی غار میں سو گیا اور صبح کو آگے روانہ ہوا۔ گھاس پات کھاتا، ندی نالوں کا پانی پیتا چلا چل اس پہاڑ کے پاس پہنچا جو آگ کی طرح روشن تھا اور وہاں اس کے دامن میں چلنے لگا یہاں تک کہ اس چشمے کے پاس جا پہنچا جو ہر سنیچر کو سوکھ جاتا ہے۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑا چشمہ ہے اور اس سے ملا ہوا ایک عالی شان شہر ہے۔ یہ وہی یہودیوں کی بستی تھی جس کا ذکر حنختی میں تھا۔ جان شاہ وہاں ٹھہر کر منتظر رہا کہ سنیچر آئے اور چشمہ سوکھے۔ جب سنیچر آیا اور چشمہ سوکھ گیا تو وہ اسے پار کر کے یہودیوں کے شہر میں پہنچا مگر وہاں اسے کوئی آدمی نہ دکھائی دیا۔ پھرتے پھرتے آخر وہ ایک گھر کے دروازے پر رکا اور اسے کھول کر اندر چلا گیا، دیکھا کہ گھر والے چپ چاپ بیٹھے ہیں۔ بات تک نہیں کرتے۔ جان شاہ ان سے کہنے لگا میں پردیسی ہوں اور بھوکا۔ انہوں نے اشارے سے کہا کھا اور پی مگر بات نہ کر۔ وہاں ٹھہر گیا اور کھا پی کر رات کو آرام کیا۔ صبح کو گھر کے مالک نے اسے سلام کیا اور پوچھا، تو کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ یہودی کی باتیں سن کر جان شاہ رونے لگا، اسے اپنا سارا حال سنا دیا اور اپنے باپ کے شہر کا نام بتایا۔ یہودی کو اس پر بڑا اچنبھا ہوا، وہ کہنے لگا اس شہر کا نام تو ہم نے آج تک نہیں سنا۔ سوداگروں کے قافلوں سے صرف یمن کا نام سنا کرتے ہیں کہ وہ بھی کوئی ملک ہے۔ جان شاہ نے یہودی سے پوچھا یہ ملک جس کا سوداگر ذکر کرتے ہیں۔ یہاں سے زیادہ دور تو نہیں؟ یہودی نے کہا سوداگر کہتے ہیں کہ اس ملک سے یہاں تک دو سال اور تین مہینے کا سفر ہے۔ جان شاہ نے پوچھا کہ وہ قافلہ کب آئے گا؟ یہودی نے جواب دیا، اگلے سال۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو چھٹی رات

جب پانچ سو چھٹی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- یہودی نے کہا کہ قافلہ اگلے سال آئے گا۔ یہ سن کر شاہ رونے اور اپنے غلاموں، ماں باپ کی جدائی اور جو کچھ اس سفر میں اس پر گزری تھی اس پر افسوس کرنے لگا۔ یہودی نے اس سے کہا اے جوان ڈر نہیں، قافلے کے آنے تک ہمارے ہاں ٹھہرا رہ۔ ہم تجھے ان کے ساتھ تیرے وطن پہنچا دیں گے۔ یہ سن کر جان شاہ یہودی کے گھر دو مہینے تک ٹھہرا رہا اور ہر روز شہر کی گلیوں، کوچوں، بازاروں میں جا کر سیر کیا کرتا۔ ایک دن جب وہ عادت کے موافق گھر سے نکل کر شہر کی سڑکوں پر ادھر ادھر پھر رہا تھا اس نے کسی کو یہ ڈھنڈورا پیٹتے سنا کہ ----- ہے کوئی جو مجھ سے ایک ہزار دینار اور ایک حسین کنیز لے اور میرے لیے صبح سے دوپہر تک ایک کام کر دے؟“ مگر کوئی اس کی ہامی نہ بھرتا۔ جان شاہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر وہ کام مشکل نہ ہوتا تو ڈھنڈورا پیٹنے والا ایک ہزار دینار اور ایک حسین کنیز صبح سے دوپہر تک کام کرنے کے بدلے نہ دیتا، بہر حال ہمت تو کرنی چاہیے۔ وہ ڈھنڈورا پیٹنے والے کے پاس جا کر کہنے لگا کہ میں اس کام کو کروں گا۔ ڈھنڈورا پیٹنے وال جان شاہ کو مکان کے پاس لے گیا اور دونوں اندر گئے۔ جان شاہ نے مکان کو خوب آراستہ پایا اور دیکھا کہ ایک یہودی سوداگر آبنوس کی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ ڈھنڈورا پیٹنے والے نے اس سے جا کر کہا اے سوداگر تین مہینے سے میں شہر میں ڈھنڈورا پیٹ رہا ہوں لیکن سوائے اس جوان کے کسی نے ہامی نہیں بھری۔ یہ سن کر سوداگر جان شاہ کو مرحبا کہتا ہوا ایک خوبصورت کمرے میں لے گیا اور اپنے غلاموں سے کہا اس کے لیے کھانا لاؤ۔ غلاموں نے دستر خوان بچھا کر طرح طرح کے کھانے چن دیئے، سوداگر اور جان شاہ نے کھانا کھایا، ہاتھ دھوئے، پھر پینے کی چیزیں آئیں اور دونوں نے پیں۔ اس کے بعد سوداگر جا کر ہزار

دینار کا ایک توڑا اور ایک نہایت حسین کنیر لے آیا اور کہنے لگا یہ کنیر اور یہ مال اس کام کے بدلے میں ہے جو تو کرے گا، انہیں لے۔ جان شاہ نے دینار اپنے پاس رکھے اور کنیر کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ سوداگر نے کہا اب کل میرا کام کیجیو۔

یہ کہہ کر سوداگر اس کے پاس چلا گیا اور اس رات جان شاہ کنیر کے ساتھ سویا۔ صبح ہوئی تو وہ حمام گیا، سوداگر نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کے پاس ریشمی لباس لے جائیں۔ غلام ایک نفیس ریشمی لباس لے کر پہنچے، جب وہ حمام سے نکلا تو اسے پہنایا اور اسے گھر لائے۔ پھر سوداگر نے اپنے غلاموں سے کہا باب، عود اور شراب لاؤ۔ سب چیزیں حاضر کی گئیں اور دونوں آدھی رات تک پیتے اور کھیتے کودتے رہے۔

اس کے بعد سوداگر زنان خانے میں چلا گیا اور جان شاہ کنیر کے ساتھ سو رہا۔ دوسرے دن بھی صبح کو وہ حمام گیا۔ وہاں سے لوٹا تو سوداگر اس کے پاس آ کر کہنے لگا میں چاہتا ہوں کہ تو ہمارا کام کرے۔ جان شاہ نے کہا سر آنکھوں پر، سوداگر نے اپنے غلاموں سے کہا دو خچر لاؤ۔ خچر آگئے تو ایک پر وہ خود سوار ہوا اور جان شاہ سے کہا کہ دوسرے پر سوار ہو جائے۔ چنانچہ سوداگر اور جان شاہ دونوں سوار ہو کر چلے۔ صبح سے دوپہر تک چلتے چلتے ایک ایسے اونچے پہاڑ پر پہنچے جس کی اونچائی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہاں پہنچ کر سوداگر خچر سے اتر پڑا اور جان شاہ سے کہا کہ تو بھی اتر آ۔ جان شاہ اترتا تو سوداگر نے ایک چھری اور ایک رسی دے کر کہا کہ اس خچر کو ذبح کر ڈال۔ جان شاہ آستینیں

چڑھا کر خچر کے پاس آیا۔ اس کی چاروں ٹانگیں رسی سے باندھ کر اسے زمین پر گرا دیا۔ چھری لے کر ذبح کیا، اس کی کھال کھینچی اور چاروں ٹانگیں اور سر کاٹ کر اسے گوشت کا لوتھڑا بنا دیا۔ اب سوداگر نے اس سے کہا میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ تو اس کا پیٹ پھاڑ کر اس کے اندر گھس جا۔ میں تجھے اس کے اندر سی دوں اور تھوڑی دیر تک اس کے اندر بیٹھا رہ پھر جو کچھ تو اس کے پیٹ کے اندر دیکھے مجھ سے کہیو۔

جان شاہ نے خچر کا پیٹ پھاڑا اور اس کے اندر چلا گیا۔ سوداگر نے ٹانگے لگا دیئے اور اسے چھوڑ کر دور جا بیٹھا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• پانچ سو ساتویں رات

جب پانچ سو ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- سوداگر اسے چھوڑ کر دور جا کر پہاڑ کے دامن میں چھپ گیا۔ اتنے میں اس نخر پر ایک بڑا پرندہ گرا، جھپٹا مار کر اسے لے اڑا، پہاڑ کے اوپر جا کر اسے اتارا اور کھانا ہی چاہتا تھا کہ جان شاہ کو پرندے کی آہٹ معلوم ہوئی اور وہ نخر کا پیٹ چاک کر کے باہر نکل آیا۔ جان شاہ کو دیکھ کر پرندہ ڈر گیا اور اڑ گیا۔ جان شاہ کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا مگر سوا مردوں کے جو دھوپ سے سوکھ گئے تھے اسے کچھ نہ دکھائی دیا۔ اس نے اپنے دل میں لاجول پڑھی۔ پہاڑ کے نیچے جو نگاہ ڈالی تو سوداگر کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سوداگر کی نظر اس پر پڑی تو اس نے کہا، اپنے آس پاس کے پتھر میری طرف پھینک دے پھر میں تجھے نیچے اترنے کا راستہ بتا دوں گا۔ جان شاہ ان پتھروں میں سے کم و بیش دو سو پتھر پھینک دیئے۔ یہ پتھر یا قوت، زبرد اور قیمتی ہیرے تھے۔ اب جان شاہ نے کہا اے تاجر مجھے راستے بتا اور میں تیری طرف دوبارہ پتھر پھینکتا ہوں۔ تاجر نے وہ پتھر اٹھا کر نخر پر لاد دیئے جس پر وہ سوار ہو کر آیا تھا اور چل دیا۔ کوئی جواب نہ دیا۔ جان شاہ پہاڑ پر اکیلا رہ گیا تو وہ مدد مانگنے اور رونے لگا۔

تین دن تک پہاڑ پر رہنے کے بعد وہ چل کھڑا ہوا۔ پہاڑ کی چوٹائی کی طرف دو مہینے تک چلتا رہا، اس کی خوراک محض پہاڑ کی جڑی بوٹیاں تھیں۔ چلتے چلتے وہ پہاڑ کے دامن میں پہنچا۔ وہاں اسے دور سے ایک گھاٹی دکھائی دی جہاں پھلوں کے لدے ہوئے درخت تھے اور چٹیاں خدا کی پاکی بیان کر رہی تھیں۔ اس گھاٹی کو دیکھ کر جان شاہ خوش ہو گیا اور اس کی طرف روانہ ہوا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد اسے پہاڑ میں ایک دہ دکھائی دیا جہاں سے ایک آبشار گرتی تھی، وہ وہاں سے اترتا ہوا ایک گھاٹی میں جا پہنچا جو اس نے پہاڑ پر سے دیکھی تھی۔

گھاٹی میں آ کر وہ ادھر ادھر پھرنے لگا۔ پھرتے پھرتے وہ ایک بلند محل کے اس طرف جا نکلا اور قریب پہنچتے پہنچتے وہ اس کے دروازے پر آ گیا۔ وہاں اس نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو نہایت خوبصورت تھا جس کے چہرے پر نور چمک رہا تھا اور ہاتھ میں یاقوت کا سونٹا لیے محل کے دروازے پر کھڑا تھا۔ جان شاہ بڑھتے بڑھتے اس کے پاس جا پہنچا اور اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ کہنے لگا بیٹا بیٹھا جا۔ جان شاہ محل کے دروازے پر بیٹھ گیا۔ بوڑھے نے پوچھا تو کہاں سے اس ملک میں آیا ہے کیونکہ کسی آدم زاد نے آج تک یہاں قدم نہیں رکھا اور تو کہاں جا رہا ہے؟ جان شاہ کا دل بوڑھے کی باتوں سے بھر آیا اور اپنی تکلیفوں کو یاد کر کے اتنا رویا کہ اس کا گلا گھٹنے لگا۔ بوڑھے نے کہا بیٹا رونا دھونا جانے دے تیرے رونے سے میرا دل کڑھتا ہے۔ یہ کہہ کر بوڑھا اٹھا اور کچھ کھانا لا کر اس کے آگے رکھ دیا اور کہا کھا۔ جان شاہ نے کھایا اور خدا کا شکر کیا۔ اس کے بعد بوڑھے نے جان شاہ سے کہا بیٹا میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے اپنا حال سنا تجھ پر کیا گزری ہے۔ جان شاہ نے شروع سے لے کر آخر تک اس بوڑھے سے ملنے تک کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ بوڑھا سن کر اچنبھے میں پڑ گیا۔ جان شاہ نے پوچھا کہ یہ گھاٹی کس کی ہے اور اس عالی شان محل کا مالک کون ہے؟ بوڑھے نے کہا بیٹا سن! یہ گھاٹی اور جو کچھ اس کے اندر ہے یہ محل اور جو چیزیں اس کے آس پاس ہیں حضرت سلیمان بن داؤد کی ہیں۔ میرا نام شیخ نصر ہے۔ میں پرندوں کا بادشاہ ہوں اور حضرت سلیمان نے اس محل کی حفاظت میرے سپرد کر رکھی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو آٹھویں رات

جب پانچ سو آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- پرندوں کے بادشاہ شیخ نصر نے جان شاہ سے کہا کہ حضرت سلیمان نے اس محل کی حفاظت میرے سپرد کی ہے اور مجھے پرندوں کی بولیاں سکھا کر دنیا کے سارے پرندوں کا حاکم بنا دیا ہے۔ ہر سال پرندے اس محل میں آتے ہیں اور مجھے اپنی صورت دکھا کر چلے جاتے ہیں۔ یہ ہے سبب میرے اس جگہ رہنے کا۔ شیخ نصر کی باتیں سن کر جان شاہ رو پڑا اور کہنے لگا، اے میرے باپ کسی تدبیر سے میں اپنے وطن بھی پہنچ سکتا ہوں؟ بوڑھے نے جواب دیا۔ بیٹا سن تو اس وقت کہ قاف کے قریب ہے اور یہاں سے جانے کی سوا اس کے اور کوئی تدبیر نہیں کہ جب پرندے آئیں تو میں ان میں سے کسی ایک سے کہہ دوں کہ وہ تجھے تیرے وطن پہنچا دیں۔ اس وقت تک میرے پاس اس محل میں ٹھہر، کھا اور پی اور جب تک چڑیاں نہ آئیں تو ان کو ٹھریوں کی سیر کی۔ جان شاہ بوڑھے کے پاس ٹھہر گیا، وہ اس گھاٹی کے چکر لگاتا، وہاں کے میوے کھاتا، سیر کرتا اور ہنتا کھیلتا۔ ایک مدت تک عیش و عشرت سے رہنے کے بعد وہ وقت آ گیا کہ پرندے اپنے اپنے وطنوں سے شیخ نصر سے ملنے آئے۔ جس وقت شیخ نصر کو معلوم ہوا کہ اب پرندے آنے والے ہیں تو اس نے جان شاہ سے کہا اے جان شاہ، یہ کنجیاں لے اور اس محل کی کوٹھریاں کھول اور ان کی سیر کر مگر خبردار فلاں کوٹھری کو نہ کھولیو اور اگر قسم کھانے کے بعد اسے کھول کر اس کے اندر گیا تو کبھی کوئی بھلائی تجھے نہ پہنچے گی۔ جان شاہ کو تاکید کے ساتھ یہ نصیحت کر کے وہ پرندوں سے ملنے روانہ ہوا۔ پرندوں نے شیخ نصر کو دیکھا تو ان کی ایک ایک جنس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ چومے۔ یہ تو شیخ نصر کا حال تھا۔ اب جان شاہ کہہ کمانی سنئے۔ وہ اٹھ کر محل کے اندر گیا۔

ادھر ادھر سیر کرنے لگا اور محل کی ساری کوٹھریاں کھولیں یہاں تک کہ وہ اس کوٹھری کے پاس پہنچا جسے کھولنے کو شیخ نصر نے منع کیا تھا۔ جب اس کی نظر اس کوٹھری کے دروازے پر پڑی تو وہ اسے بہت بھلا معلوم ہوا، اس نے دیکھا کہ دروازے میں سونے کا قفل پڑا ہوا ہے، وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ کوٹھری میں کون سی ایسی چیز ہے کہ شیخ نصر نے مجھے اس کے اندر جانے سے منع کیا ہے! میں ضرور جا کر دیکھوں گا کہ اس کے اندر کیا ہے۔ قسمت کا لکھا ہو کر رہتا ہے، اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ کوٹھری کھول دی، اندر جا کر دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا تالاب ہے اور اس کے پاس ایک چھوٹا سا محل جو سونے، چاندی اور بلور کا بنا ہوا ہے جس کے جھروکے یا قوت کے ہیں اور اینٹیں ہیرے زبرجد، بلخش زمرد اور ہیروں کی جو فرش میں جڑی ہوئی ہیں۔

محل کے نیچے سوئے کا ایک حوض ہے جس میں پانی بھرا ہوا ہے، حوض کے ارد گرد سونے اور چاندی کے جانور اور چڑیاں بیٹھی ہیں جن کے پیٹ میں سے پانی نکلتا ہے اور جب ہوا چل کر ان کے کانوں میں جاتی ہے تو ہر مورت اپنی اپنی بولی بولتی ہے۔ حوض کے ایک طرف ایک بڑا چبوترا ہے، اس پر یا قوت کا ایک تخت رکھا ہوا ہے جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ تخت کے اوپر شامیانہ لگا ہوا ہے جو سبز ریشم کا ہے اور اس میں نگ اور قیمتی جواہرات ٹنکے ہوئے ہیں۔ اس کی لمبائی پچاس گز ہے۔ شامیانے کے اندر ایک حجرہ ہے جس میں حضرت سلیمان کا بویا ہے۔ محل کے چاروں طرف ایک بڑا باغ ہے جس میں بہت سے درخت اور میوے ہیں، نہریں بہہ رہی ہیں۔ محل کے چاروں طرف گلاب، نسرين اور دوسرے خوشبودار پھولوں کی کیا باریاں ہیں، ہوا چلتی ہے تو شاخیں جھک جھک جاتی ہیں۔ جان شاہ نے دیکھا کہ اس باغ میں تر اور خشک ہر طرح کے میوے ہیں اور یہ تمام چیزیں اس کوٹھری کے اندر ہیں۔ انہیں دیکھ کر وہ حیران ہو گیا اور اس باغ، محل اور ان میں عجیب و غریب چیزیں تھیں، ان کی سیر کرنے لگا۔ دیکھا کہ تالاب کی کنکریاں نفیس ہیرے، قیمتی جواہرات اور نایاب

معدنیات ہیں۔ غرض کہ اس نے کوٹھری میں بہت سی چیزیں دیکھیں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے
اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو نوویں رات

جب پانچ سو نوویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جان شاہ نے اس کوٹھری میں بہت سی چیزیں دیکھیں اور اسے بڑی حیرت ہوئی۔ سیر کرتے کرتے اس محل کے اندر پہنچا جو اس کوٹھری میں تھا پھر اس تخت کے قریب چلا جو حوض کے کنارے چبوترے پر پڑا ہوا تھا۔ شامیانے میں داخل ہوا جو تخت پر تپا ہوا تھا اور تخت پر لیٹ کر سو رہا دیر تک سوتا رہا۔ سونے کے بعد آنکھ کھلی تو وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ ٹہلتے ٹہلتے محل کے دروازے کے باہر آ گیا جو وہاں کرسی پڑی تھی اس پر بیٹھ گیا۔

وہ بیٹھا بیٹھا مناظر کی خوبصورتی کا خیال کر ہی رہا تھا کہ اس کے پاس سے تین چڑیاں جو کبوتروں کی طرح تھیں اڑتی ہوئی گزریں اور تالاب کے کنارے اتر پڑیں۔ تھوڑی دیر تک کھیلنے کودنے کے بعد انہوں نے اپنے پر اتار دیئے اور چاند سی تین لڑکیاں ہو گئیں جن کا جواب دنیا بھر میں نہیں۔ وہ تالاب میں اتر کر تیرنے، کھیلنے کودنے اور ہنسی مذاق کرنے لگیں۔ جان شاہ ان کی خوبصورتی اور ان کے تناسب اعضا کو دیکھ کر پھڑک اٹھا۔ اس کے بعد وہ تالاب سے نکل کر باغ میں گھومنے اور سیر کرنے لگیں۔ جان شاہ نے انہیں خشکی پر آتے دیکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ اٹھ کر ٹہلتا ہوا ان کے پاس پہنچا۔ انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ اس نے کہا اے عالی مرتبہ آقا تم کون ہو اور کہاں سے آئی ہو؟ سب سے چھوٹی نے جواب دیا ہم ملکوت کے عالم سے یہاں سیر کرنے آئے ہیں۔ جان شاہ ان کے حسن پر فریفتہ ہو گیا اور چھوٹی لڑکی سے کہا مجھ پر رحم کر اور مہربانی کر، میرے پراگندہ احوال اور میری زندگی کو افتادوں پر ترس کھا۔ لڑکی نے کہا، ایسی باتیں جانے دے اور اپنا راستہ لے۔ اس کی بے اعتنائی پر جان شاہ رونے اور ٹھنڈے سانس بھرنے لگا۔ لڑکیاں اس پر ہنسنے

اسے بنانے لگیں اور اپنے کھیل کود گانے بجانے اور چہلیں کرنے میں مشغول ہو گئیں۔
 جان شاہ ان کے لیے کچھ پھل لایا۔ انہوں نے کھائے اور وہ رات جان شاہ کے ساتھ
 گزاری۔ صبح ہوئی تو لڑکیوں نے اپنے پروں کا لباس پہن لیا اور کبوتر بن کر اڑ گئیں۔
 وہ کبوتریاں اڑ کر نظروں سے غائب ہوئیں تو جان شاہ کے ہوش و حواس بھی ان کے
 ساتھ اڑ گئے۔ وہ ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ دن بھر اور رات بھر اسی بے ہوشی
 کی حالت میں پڑا رہا۔ وہ اسی عالم میں پڑا تھا کہ شیخ نصر چڑیوں سے مل کر اسے ڈھونڈنے
 آیا کہ اس کو چڑیوں کے ساتھ اس کے وطن بھیج دے، مگر اسے کہیں نہ پایا، اس
 نے سمجھ لیا کہ جان شاہ ضرور اسی کوٹھری میں گیا ہو گا۔ شیخ نصر چڑیوں سے کہہ
 چکا تھا کہ میرے پاس ایک چھوٹا لڑکا ہے جسے قسمت بہت دور سے یہاں لے آئی ہے۔
 میں چاہتا ہوں کہ تم اسے اس کے وطن پہنچا دو اور چڑیوں نے ہائی بھر لی تھی۔ اس
 لیے وہ جان شاہ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کوٹھری کے دروازے پر پہنچا جس کے کھولنے
 سے اس نے منع کیا تھا۔ دیکھا کہ کوٹھری کھلی پڑی ہے۔ اندر گیا تو جان شاہ کو
 ایک درخت کے نیچے بے ہوش پڑا ہوا پایا۔ اس نے خوشبودار پانی لا کر اس کے منہ
 پر چھڑکا۔ جان شاہ کی غشی دور ہوئی تو وہ چاروں طرف دیکھنے لگا۔
 اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
 ملی تھی۔

• پانچ سو دسویں رات

پانچ سو دسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب جان شاہ کی غشی دور ہوئی تو وہ دائیں بائیں نظر دوڑانے لگا۔ اس نے دیکھا کہ سوا شیخ نصر کے اس کے پاس کوئی نہیں۔ اس کی آنکھوں سے حسرتیں برسنے لگیں۔ شیخ نصر نے کہا بیٹا! میں نے تجھ سے کہا تھا کہ اس کوٹھری کو نہ کھلیو اور اس کے اندر نہ جاؤ۔ اچھا بتا تو نے یہاں کیا دیکھا اور تجھ پر کیا گزری؟ سچ سچ ساری کہانی سنا۔ جان شاہ نے جو کچھ اس پر گزرا تھا کہہ سنایا۔ سارا قصہ سن کر شیخ نصر کہنے لگا بیٹا سن! یہ لڑکیاں پریاں ہیں اور ہر سال یہاں آ کر کھیلتی کودتی ہیں۔ اور صبح تک دل بہلا کر اپنے وطن چلی جاتی ہیں۔ جان شاہ نے پوچھا ان کا وطن کہاں ہے؟ شیخ نصر نے کہا بیٹا واللہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ ان کا وطن کہاں ہے لیکن اب اپنا دل مضبوط کر کے میرے ساتھ چل تاکہ میں چڑیوں کے ساتھ تجھے تیرے وطن بھیج دوں اور اس محبت کو گولی مار۔ شیخ نصر کی باتیں سن کر جان شاہ نے زور سے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر گیا۔ ہوش آیا تو اس نے کہا واللہ اے میرے باپ میں اس وقت تک اپنے وطن نہیں جانا چاہتا کہ ان لڑکیوں سے نہ مل لو، اگر میں ابھی تیرے آگے مر بھی جاؤں تو بھی اپنے گھر والوں کو یاد نہیں کروں گا۔ پھر وہ بولا مجھے منظور ہے کہ میں سال میں ایک ہی بار اس کا چہرہ دیکھوں جس سے مجھے عشق ہے اور شیخ نصر کے قدموں پر گر کر لوٹنے اور دہائیں مار مار کر رونے لگا۔ ساتھ ہی کہتا جاتا تھا کہ مجھ پر رحم کر خدا تجھ پر رحم کرے گا اور میری مصیبت میں میری مدد کر خدا تیری مدد کرے گا۔ شیخ نصر نے کہا بیٹا نہ تو میں ان لڑکیوں کو جانتا ہوں نہ مجھے ان کے گھر کا پتہ معلوم ہے لیکن بیٹا اگر تو ان میں سے کسی پر عاشق ہے تو میرے پاس ایک سال اور ٹھہر جا، وہ اگلے برس

آج ہی کے دن آئیں گے۔ ان کے آنے کا دن ہو تو باغ میں کسی درخت کے نیچے چھپ جائیو۔ جونہی وہ کپڑے اتار کر تالاب میں اتریں اور تیرنے اور چھلیں کرنے لگیں تو اس لڑکی کے کپڑے اٹھا لیجیو جسے تو چاہتا ہے۔ جب ان کی نظر تجھ پر پڑے گی، وہ باہر نکل آئیں گی تا کہ کپڑے پہن لیں اور جس لڑکی کے تو نے کپڑے لے لئے ہوں گے وہ نہایت میٹھی زبان سے اور مسکرا کر تجھ سے کہے گی، بھائی میرے کپڑے مجھے دے دے میں انہیں پہن کر اپنا بدن ڈھانک لوں۔ اگر تو نے اس کا کہنا مان لیا اور اس کے کپڑے دے دیئے تو جان لیجیو کہ تیری مراد اس سے کبھی پوری نہیں ہو گی کیونکہ وہ کپڑے پہن کر اپنے گھر چلتی بنے گی، اس کے بعد تو اسے کبھی نہ دیکھ سکے گا۔ لہذا اگر اس کے کپڑے تیرے ہاتھ آ جائیں تو انہیں حفاظت سے اپنی بغل میں دبائے رکھیو، اسے ہرگز نہ دے دیجیو جب تک میں چڑیوں سے مل کر لوٹ نہ آؤں۔ تیری اور اس کی صلح نہ کرا دوں اور اس کے ساتھ تجھے تیری وطن نہ بھیج دوں۔ بیٹا بس اتنا ہی میں کر سکتا ہوں، اس سے زیادہ میرا بس نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو گیارہویں رات

جب پانچ سو گیارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- شیخ نصر نے کہا بیٹا بس اتنا ہی میں کر سکتا ہوں، اس سے زیادہ میرا بس نہیں۔ اس کی باتیں سن کر جان شاہ کے دل کو اطمینان ہوا۔ ایک سال اور ٹھہرنے کا ارادہ کیا اور چڑیوں کے آنے کے دن گنتے لگا۔ چڑیوں کے آنے کا دن آیا تو شیخ نصر نے جان شاہ سے کہا میں تو چڑیوں سے ملنے جاتا ہوں تو لڑکیوں کی پوشاک کے متعلق جو میں نے کہا وہی کیجیو۔ سمجھا بجھا کر شیخ نصر تو چڑیوں سے ملنے چلا گیا، جان شاہ کو ٹھہری کے اندر باغ میں جا پہنچا اور اس طرح ایک درخت کے نیچے چھپ بیٹھا کہ اسے کوئی دیکھ نہ سکے۔ ایک دن گزرا، دو دن گزرے پھر تیسرا دن آیا اور گزر گیا لیکن لڑکیاں نہ آئیں وہ بہت رنجیدہ ہوا، رونے اور ٹھنڈے سانس بھرنے لگا۔ اتنا صدمہ ہوا کہ غشی کی نوبت آگئی۔ بڑی دیر تک نڈھال پڑا رہا۔ جب ذرا حالت سنبھلی تو کبھی آسمان کی طرف دیکھتا، کبھی زمین کی طرف، کبھی تالاب میں گھورتا، کبھی خشکی کو دیکھتا، محبت اور مایوسی سے اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ جان شاہ کی یہی کیفیت تھی کہ تین کبوتر اڑتے ہوئے آئے، ہر کبوتر شاہین کے برابر تھا۔ تالاب کے پاس اتر کر وہ دائیں بائیں دیکھنے لگے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ وہاں کوئی جن ہے نہ آدم زاد تو انہوں نے اپنے کپڑے اتار ڈالے۔ یہ وہی پریاں تھیں اور برہنہ ہو کر تالاب میں نہانے، پانی سے کھیلنے، آپس میں ہنسی مذاق کرنے اور دل خوش کرنے لگیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ چاندی کی ڈھلی ہوئی پتلیاں ہیں۔ سب سے بڑی لڑکی نے کہا، بہنو! مجھے ڈر ہے کہ ہماری تاک میں کہیں کوئی اس محل میں چھپا نہ ہو۔

منجھلی بولی بہن، حضرت سلیمان کے زمانے سے آج تک اس محل میں نہ کسی انسان کا

گزرا ہوا نہ جن کا۔ چھوٹی نے ہنس کر کہا بہنو، خدا کی قسم اگر کوئی اس جگہ چھپا بھی ہے تو وہ سوا میرے کسی کو لینے نہ آیا ہو گا۔ ادھر وہ چہلیں کر رہی تھیں، ادھر جان شاہ کو دل مارے محبت کے دھک دھک کر رہا تھا۔ درختوں میں چھپا ہوا برابر انہیں دیکھے جاتا اور وہ اسے نہ دیکھ سکتیں۔ جب تینوں لڑکیاں تیرتے تیرتے تالاب کے بیچ میں پہنچ گئیں اور اپنے کپڑوں سے دور جا پڑیں تو جان شاہ بجلی کی سرعت سے اٹھا اور چھوٹی لڑکی کے کپڑے بغل میں دبا لئے۔ کیونکہ وہی اس کی معشوقہ تھی، اس کا نام شمسہ تھا۔ اتنے میں لڑکیوں نے پھر دیکھا جان شاہ پر نظر پڑی تو ان کا کلیجا کانپنے لگا، اپنے بدنوں کو پانی میں چھپائے حوض کے کنارے آئیں۔ دیکھا کہ چودھویں رات کا چاند چمک رہا ہے۔ انہوں نے جان شاہ سے پوچھا تو کون ہے، یہاں کیسے آیا ہے اور شمسہ کے کپڑے کیوں اٹھا لیے؟ اس نے جواب دیا میرے پاس آؤ تو میں اپنی ساری کہانی تمہیں سناؤں۔ شمسہ بولی تو نے میرے کپڑے کیوں چرائے اور میری بہنوں کو چھوڑ کر مجھ پر کیسی عنایت کی؟

جان شاہ نے کہا اے میری آنکھوں کی روشنی، پانی سے نکل تو سہی میں تجھے اپنی کہانی سناؤں، اپنا ماجرا بیان کروں اور بتاؤں کہ میں تجھے کہاں سے جانتا ہوں۔ لڑکی بولی، اے میرے آقا، میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور میرے دل کے ٹکڑے، میرے کپڑے تو مجھے واپس دے میں انہیں پہن کر اپنے بدن کو ڈھانکوں اور پانی سے نکل کر تیرے پاس آؤں۔ جان شاہ نے کہا اے حسینوں کی سردار، یہ کیسے ہو سکتا ہے میں تجھے کپڑے دے کر کیا اپنی جان جوکھوں میں ڈال دوں۔ جب تک چڑیوں کا بادشاہ شیخ نصر نہ آ جائے میں تجھے تیرے کپڑے نہیں دوں گا۔

شمسہ نے جان شاہ کی باتیں سنیں تو اس سے کہا اچھا اگر تو، میرے کپڑے نہیں دیتا تو ذرا ہٹ جا کہ ہماری بہنیں باہر آ کر کپڑے پہن لیں اور مجھے بھی بدن ڈھانکنے کے لیے کوئی چیز دے دیں۔ جان شاہ نے کہا یہ مانا اور ان کے سامنے سے ہٹ کر محل

کے اندر چلا گیا۔ شمسہ اور اس کی بہنیں پانی میں سے نکلیں۔ اپنے اپنے کپڑے پہنے۔ بڑی بہن نے اپنے کپڑوں میں سے ستر پوشی کے لیے کچھ اسے بھی دے دیا مگر اس سے اڑنا ممکن نہ تھا۔ شمسہ چاند یا غزال معلوم ہوتی تھی، خراماں خراماں جان شاہ کے پاس پہنچی۔ دیکھا کہ وہ تخت پر بیٹھا ہے، سلام کر کے اس کے برابر جا بیٹھی اور کہنے لگی اے حسین تو ہی وہ شخص ہے جس نے مجھے بھی تباہ کیا اور اپنے آپ کو بھی۔ خیر اب اپنی کہانی تو سنا کہ تو کون ہے؟ شمسہ کو مہربان دیکھ کر رونے لگا اور اتنا رویا کہ آنسوؤں سے اس کے تمام کپڑے بھیگ گئے۔ لڑکی کو یقین ہو گیا کہ جان شاہ اس کی محبت کا مارا ہوا ہے تو وہ اٹھی اور ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا، اپنی آستین سے اس کے آنسو پونچھنے اور کہنے لگی۔ اے حسین ہلکان نہ ہو، اپنی کہانی مجھے سنا۔ جان شاہ نے اسے اپنی کہانی سنائی جو کچھ اس پر گزرا بیان کیا۔ اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو بارہویں رات

جب پانچ سو بارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جان شاہ نے اسے اپنی کہانی سنائی اور جو کچھ واقعات گزرے تھے بیان کئے۔ اس کا قصہ سننے کے بعد شمسہ نے ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا اے میرے آقا، اگر تو مجھے سچ مچ مجھے چاہتا ہے تو میرے کپڑے مجھے دے دے تاکہ انہیں پہن کر میں اپنی بہنوں کے ساتھ اپنے ماں باپ کے پاس جاؤں اور ان سے کہوں کہ میری محبت میں تجھ پر کیا گزر رہی ہے اور پھر تیرے پاس آ کر تجھے تیرے وطن پہنچا دوں۔ جان شاہ رو پڑا اور کہنے لگا، کیا خدا نے تجھ پر یہ حلال کر دیا ہے کہ تو مجھے زبردستی مار ڈالے؟ لڑکی نے پوچھا اے میرے آقا، اس میں مار ڈالنے کی کیا بات ہے؟ اس نے جواب دیا جب تو اپنے کپڑے پہن کر میرے پاس سے چلتی بنے گی میں تو فوراً جان دے دوں گا۔ جان شاہ کی باتوں پر شمسہ کہ بہنیں ہنس پڑیں۔ شمسہ بولی بے چین نہ ہو، میں تجھ سے ضرور بیاہ کروں گی۔ یہ کہہ کر اس کی طرف جھکی اسے گلے لگایا سینے سے سینہ ملا کر اس کے ماتھے اور رخساروں کے بوسے لیے۔ دیر تک دونوں ہم آغوش رہے۔ اس کے بعد وہ جدا ہو کر تخت پر بیٹھ گئے۔

اس عرصے میں شمسہ کی دونوں بہنیں محل سے باہر جا کر کچھ پھل اور پھول توڑ لائیں۔ سب نے کھایا پیا، لطف اٹھایا۔ خوش ہوئے اور ہنسی مذاق کیا۔ جان شاہ نہایت حسین تھا چہریرا، رنگ اجلا اور بدن سڈول۔ شمسہ نے اس سے کہا پیارے، خدا کی قسم میں تجھے بہت چاہتی ہوں، کبھی تجھ سے جدا نہ ہوں گی۔ جان شاہ کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اتنا ہنس کہ باچھیں کھل گئیں اور سب آپس میں ہنسی مذاق کرتے رہے۔

یہی چہچہے، قہقہے تھے کہ شیخ نصر چڑیوں سے مل کر ان کے پاس پہنچا۔ جونہی وہ ان کے سامنے آیا۔ سب کے سب کھڑے ہو گئے۔ اسے سلام کیا، اس کے ہاتھ چومے۔ شیخ

نصر نے انہیں بڑے تپاک اور پیار سے بٹھایا۔ بیٹھ گئے تو شمسہ سے کہا یہ جوان تجھے بہت چاہتا ہے، خدا کے لیے اس پر رحم کر۔ وہ بڑا شخص ہے۔ شہزادہ ہے۔ اس کا باپ کابل کا بادشاہ ہے جس کے ماتحت بہت بڑا ملک ہے۔ شمسہ نے شیخ نصر کی باتیں سنیں تو اس نے کہا کہ تیرا حکم سر آنکھوں پر اور اس کے ہاتھ چوم کر سامنے کھڑی ہو گئی۔ شیخ نصر بولا اگر تو سچ کہتی ہے تو میرے سامنے خدا کی قسم کھا کہ تو اسے کبھی دھوکہ نہ دے گی اور اس کے ساتھ شادی کر لے گی۔ لڑکی نے قسم کھائی اور کہا اے شیخ نصر میں اسے کبھی نہ چھوڑوں گی۔ جب شمسہ نے قسم کھالی تو شیخ نصر کو اس کا یقین آ گیا اور اس نے جان شاہ سے کہا شکر ہے اس خدا کا جس نے تم دونوں کے دل ملا دیئے۔ جان شاہ کی خوشی کا کیا پوچھنا۔ اس سے زیادہ اسے اور کیا مسرت ہوتی۔ پھر وہ اور شمسہ شیخ نصر کے ہاں تین مہینے تک کھاتے پیتے اور ہنستے بولتے رہے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو تیرہویں رات

جب پانچ سو تیرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- تین مہینے کے بعد شمسہ نے جان شاہ سے کہا میں چاہتی ہوں کہ اب ہم تیرے وطن چلیں اور تو میرے ساتھ بیاہ کرے اور ہم تیرے وہاں رہیں۔ وہ بولا جیسی تیری خوشی۔ اس کے بعد جان شاہ بیاہ کرے اور ہم تیرے وہاں رہیں۔ وہ بولا جیسی تیری خوشی۔ اس کے بعد جان شاہ نے شیخ نصر سے مشورہ کیا اور کہا میرا ارادہ وطن جانے کا ہے اور جو کچھ شمسہ نے کہا تھا وہ اس سے بیان کیا۔ شیخ نصر نے کہا بہت اچھی بات ہے۔ جا اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ۔ شیخ نصر نے اجازت دے دی تو لڑکی نے اپنے کپڑے مانگے اور شیخ نصر سے کہا کہ جان شاہ سے کہہ کر وہ میرے کپڑے دے دے تا کہ میں انہیں پہن لوں۔ اس نے جان شاہ سے کہا کہ وہ میرے کپڑے دے دے۔ جان شاہ جلدی سے اٹھ کر محل میں گیا اور کپڑے لا کر اسے دے دیئے۔ اس نے کپڑے پہن کر جان شاہ سے کہا میری پیٹھ پر سوار ہو جا اور آنکھیں اور کان بند کر لے تا کہ آسمان کے چکر کی آواز تجھے سنائی نہ دے اور جب تک تو میری پیٹھ پر رہے میرے پروں کو زور سے پکڑے رہیو۔ خبردار گریو نہیں۔ جان شاہ اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔ وہ اڑنے ہی والی تھی کہ شیخ نصر نے کہا ذرا ٹھہر جا کہ میں تجھے کابل کے ملک کا پتہ بتا دوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ بھٹک جائے۔ وہ ٹھہر گئی اور شیخ نصر نے اسے اس ملک کا پتہ اچھی طرح سے سمجھا دیا اور کہا میں جان شاہ کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ اور وہ اس سے رخصت ہوا۔ وہ بھی اپنی بہنوں سے رخصت ہوئی اور بولی گھر جا کر میرا اور جان شاہ کا سارا قصہ سنا دینا۔ وہ پھر اڑی اور بجلی کی طرح اوپر پہنچ گئی۔ بعد ازاں دونوں بہنیں بھی اڑ گئیں اور گھر پہنچ کر انہوں نے شمسہ اور جان شاہ کی ساری کہانی کہہ سنائی۔

ادھر شمسہ جان شاہ کو پیٹھ پر بٹھائے صبح سے لے کر تیسرے پہر تک اڑتی رہی۔ تیسرا پہرا ہوا تو شمسہ کو دور سے ایک وادی دکھائی دی جس میں بہت سے درخت اور میوے تھے۔ اس نے جان شاہ سے کہا میں چاہتی ہوں کہ یہاں اتر کر آج رات کو اس وادی کے درختوں اور سبزہ زار کی سیر کریں۔ جان شاہ نے کہا جیسے تیری مرضی۔ وہ ہوا سے اتر کر اس وادی میں پہنچی اور جان شاہ اس کی پیٹھ پر سے اتر کر اس کے ماتھے کو چومنے لگا۔ دونوں دیر تک ایک چشمے کے کنارے بیٹھے رہے۔ اس کے بعد وہ اٹھ کر گھاٹی کی سیر کرنے لگے۔ خوب سیر کی اور پھل کھائے۔ شام تک سیر کرتے کرتے ایک درخت کے نیچے پہنچے اور وہاں سو گئے۔ جب صبح ہوئی تو شمسہ اٹھی اور جان شاہ سے کہا میری پیٹھ پر سوار ہو جا۔ جان شاہ اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور وہ اسے لے کر اڑی۔ صبح سے دوپہر تک اڑتی رہی۔ اب انہیں وہ نشانیاں دکھائی دینے لگیں جو شیخ نصر نے بتائی تھیں۔ یہ نشانیاں دیکھتے ہی شمسہ ہوا سے ایک ہرے سبزہ زار میں اتر پڑی جہاں نہایت خوش نما سبزہ تھا، ہرن چوکریاں مار رہے تھے اور چشمے بہہ رہے تھے، پکے پکے پھل لگے ہوئے اور چوڑے چوڑے دیا جاری۔ جب وہ اس سبزہ زار میں اتری تو جان شاہ نے اس کی پیٹھ سے اتر کر اس کی پیشانی چومی۔ لڑکی نے کہا، اے میرے پیارے آنکھوں کے تارے، تجھے معلوم ہے کہ ہم نے کتنی راہ طے کی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ لڑکی نے کہا تمہیں مہینے کی راہ۔ جان شاہ نے کہا شکر ہے خدا کا کہ اس نے ہمیں صحیح و سلامت پہنچا دیا۔ یہ کہہ کر وہ بیٹھ گیا۔ لڑکی اس کے پاس بیٹھ گئی۔ دونوں کھانے پینے اور ہنسی مذاق کرنے لگے۔ اسی حالت میں تھے کہ ان کے پاس دو غلام پہنچے۔ ایک تو وہ تھا جو گھوڑوں کے ساتھ جب کہ جان شاہ اتر کر ماہی گیری کی کشتی میں سوار ہوا تھا اور دوسرا وہ تھا جو اس کے ساتھ سیرو و شکار میں تھا۔ جب دونوں غلاموں نے جان شاہ کو دیکھا تو وہ اسے پہچان گئے۔ سلام کیا اور کہا اگر تو اجازت دے تو ہم تیرے باپ کے پاس جا کر اسے تیرے آنے کی خوش خبری دیں۔ جان شاہ نے کہا ہاں میرے باپ کے پاس جا کر اسے خبر دو اور ہمارے لیے خیمے لے کر آؤ۔ ہم یہاں

سات دن تک ٹھہر کر سستائیں گے۔ اس وقت تک جلوس بھی ہمارے لیے آ جائے گا
اور ہم جلوس میں شامل ہو جائیں گے
اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی

○○○

• جبے پانچ سو چودھویں رات

جب پانچ سو چودھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جان شاہ نے غلاموں سے کہا کہ جب جلوس آ جائے گا تو ہم اس میں شامل ہو جائیں گے۔ غلام گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے باپ کے پاس روانہ ہو گئے اور جا کر کہا، 'جہاں پناہ' مبارک ہو! غلاموں کی یہ باتیں سن کر بادشاہ طیغموس نے پوچھا تم کس بات کی مبارک باد دیتے ہو؟ کیا میرا بیٹا جان شاہ آ گیا۔ انہوں نے کہا ہاں تیرا کھویا ہوا بیٹا آ گیا ہے اور وہ اس وقت تیز قریب کرانی سبزہ زار میں ہے۔ غلاموں کی زبان سے بادشاہ نے یہ خوش خبری سنی تو مارے خوشی کے بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے وزیر کو حکم دیا دونوں غلاموں کو خلعت اور بہت سا مال عطا کرے۔ وزیر نے فوراً غلاموں کو وہ چیزیں دیں جو بادشاہ کو حکم تھا۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ خوش خبری کے بدلے یہ مال 'لو' خواہ تم سے نے سچ کہا ہو یا جھوٹ۔ غلاموں نے کہا ہم نے جھوٹ نہیں کہا بلکہ ہم اس کے پاس بیٹھ کر اسے سلام کر کے اور اس کے ہاتھ چوم کر آئے ہیں۔ اس نے ہمیں یہ بھی حکم دیا ہے کہ ہم اس کے لیے خیمے لے کر جائیں اور وہ کرانی سبزہ زار میں بیٹھ کر سات دن تک انتظار کرے گا یہاں تک کہ تو وزیروں اور امیروں اور بڑے لوگوں کو اس سے ملنے کے لیے بھیجے۔ بادشاہ نے پوچھا میرا بیٹا کس حالت میں ہے؟ انہوں نے کہا تیرے بیٹے کے ساتھ ایک چور ہے گویا وہ اسے جنت سے لے کر آیا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے حکم دیا کہ بحیرے اور شہنائیان بجائی جائیں۔ اسی وقت خوشی کے باجے بجنے لگے اور بادشاہ طیغموس سے شہر کے ہر طرف خوشبخبری دینے والے بھیجے تاکہ وہ جان شاہ کی ماں، امیروں، وزیروں اور بڑے لوگوں کی بیویوں کو جا کر خوش خبری دیں۔ خوش خبری دینے والے چاروں طرف پھیل گئے اور سب کو جان شاہ کے آنے کی خوشخبری دی۔

اس کے بعد بادشاہ طیغموس لشکر اور فوجیں تیار کر کے کرانی سبزہ زار کی طرف روانہ ہو گیا۔ جان شاہ اور شمسہ پاس پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ لشکر آ پہنچا۔ جان شاہ اٹھ کر ان کی طرف بڑھا۔ لشکر والوں نے اسے دیکھا تو پہچان لیا اور گھوڑوں سے اتر کر اس کی طرف پیدل چلے اور سلام کر کے اس کے ہاتھ چومے۔ اب جان شاہ لشکر کے ساتھ روانہ ہو کر اپنے باپ کے پاس پہنچا۔ بادشاہ طیغموس اپنے بیٹے کو دیکھتے ہی گھوڑے سے کود پڑا اور اس سے لپٹ کر رونے لگا۔ وہ بیٹے کو لے کر سوار ہوا اور لشکر ان کے دائیں بائیں ہو لیا۔ چلتے چلتے دریا کے کنارے پہنچے۔ لشکر اتر پڑا، خیمے شامیانے اور جھنڈے لگا دیئے۔ ڈھول، بانسریاں، مجیرے اور بگل بجنے لگے۔ بادشاہ طیغموس نے فراشوں نے حکم کی تعمیل کی۔ شمسہ نے انے پروں کا لباس اتار دیا اور اس خیمے کی طرف گئی اور جا کر اس کے اندر بیٹھی۔ وہ بیٹھی ہی تھی کہ بادشاہ طیغموس اور اس کا بیٹا جان شاہ ساتھ ساتھ اس کے پاس پہنچے۔ شمسہ بادشاہ طیغموس کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے آگے زمین چومی۔ بادشاہ بیٹھ گیا اور اپنے بیٹے جان شاہ کو دائیں طرف اور شمسہ کو بائیں بٹھا کر ان خیر مقدم کیا اور اپنے بیٹے جان شاہ سے پوچھا کہ پردیس میں تیرے ساتھ کیا گزری؟ اس نے اپنی ساری کہانی شروع سے لے کر آخر تک سنا دی۔ شہزادے کی کہانی سن کر بادشاہ کو سخت تعجب ہوا اور اس نے شمسہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا شکر ہے خدا کا جس نے تیری وجہ سے مجھے اور میرے بیٹے کو ملا دیا، یہ خدا کی بہت بڑی مہربانی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو پندرہویں رات

جب پانچ سو پندرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- بادشاہ طیغموس نے شمسہ سے کہا شکر ہے خدا کا جس کے طفیل تو نے مجھے میرے بیٹے سے ملایا، یہ خدا کی بہت بڑی مہربانی ہے۔ میری خوشی ہے کہ تو مجھ سے کوئی ایسی چیز مانگے جو تیرا دل چاہتا ہو تاکہ میں اسے پورا کر کے تیرا احترام کروں۔ شمسہ نے کہا میں چاہتی ہوں کہ تو میرے لیے ایک باغ کے بیچ میں ایسا محل بنا دے جس میں نہریں بہ رہی ہوں۔ اس نے کہا سر آنکھوں پر۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ جان شاہ کی ماں، امیروں، وزیروں اور شہر کے بڑے لوگوں کی بیویوں کے ساتھ آ پہنچی۔ جان شاہ اسے دیکھ کر خیمے سے باہر نکل آیا۔ اس کے پاس پہنچ کر دیر تک اس کے گلے سے لگا رہا۔ مارے خوشی کے ماں کے آنسو بننے لگے۔ دونوں نے اپنا اپنا سارا ماجرا بیان کیا جو انہیں جدائی کے غم میں پیش آیا تھا۔ اس کے بعد اس کا باپ اپنے خیمے میں چلا گیا اور وہ اپنی ماں کے ساتھ اپنے خیمے میں جا کر اس سے باتیں کرنے لگا۔ وہ بیٹھے ہی آ رہی ہے۔ یہ سن کر جان شاہ کی ماں اٹھ کھڑی ہوئی۔ شمسہ دوسری عورتوں کو لے چل کر کھڑی ہوئیں۔ شمسہ کے خیمے میں پہنچیں اور وہاں بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ بادشاہ طیغموس نے اپنے بیٹے کے آنے کی خوشی میں رعایا کو بہت انعام و اکرام دیا۔ دس دن وہاں عیش و عشرت کے ساتھ گزارنے کے بعد بادشاہ نے اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ وہ شہر کی طرف کوچ کریں اور خود سوار ہو کر روانہ ہوا۔ اس کا لشکر اس کے ارد گرد تھا۔ وزیر اور حاجب دائیں بائیں بڑی دھوم سے وہ لوگ شہر میں پہنچے۔ جان شاہ کی ماں اور شمسہ اپنے محل میں گئیں۔ شہر بڑے سلیقے سے آراستہ کیا تھا۔ ان کے شہر میں داخل ہوتے ہی خوشی کے باجے اور مجیرے بجنے لگے۔ گھوڑوں کے سموں کے نیچے زربفت بچھایا گیا اور حکومت کے بڑے لوگوں نے خوش ہو کر تحفے تحائف دیئے

جنہیں دیکھ کر تماشائی دنگ رہ گئے۔ فقیروں اور مسکینوں کو کھانے کھلائے گئے اور دس دن تک بڑی چہل پہل رہی۔ یہ دیکھ کر شمسہ بڑی خوش ہوئی۔

اس کے بعد بادشاہ طلیغموس نے معماروں اور مستریوں کو بلا کر حکم دیا فلاں باغ میں ایک محل تیار کریں۔ محل بننا شروع ہو گیا اور چند روز میں ایک نہایت عالی شان عمارت بن کر کھڑی ہو گئی۔ محل جب بننے لگا تو جان شاہ نے کاریگروں سے کہا کہ وہ ایک سفید مرمر کا کھمبا بنائیں اور اسے اندر سے کھوکھلا کر کے صندوق کی طرح کر دیں۔ اس حکم کی تعمیل ہو گئی تو جان شاہ نے شمسہ کو وہ لباس جس سے وہ اڑتی تھی اس کھمبے میں رکھ کر اسے محل کی نیو میں گاڑ دیا اور معماروں سے کہا کہ اس کے اوپر وہ ڈائیں رکھیں جن پر محل بنایا جائے گا۔ غرض کہ محل بن کر تیار ہو گیا تو اس کی آرائش کی گئی اور وہ محل ہر طرح سے اپنی نظیر آپ ہی تھا۔ اس کے بعد بادشاہ طلیغموس نے جان شاہ کا ولیمہ کیا اور یہ اتنا بڑا جشن ہوا جس کا جواب نہیں۔ پھر لوگ شمسہ کو شادی کی پہلی رات کے لیے وہاں پہنچا کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ جونہی شمسہ اس محل میں داخل ہوئی تو اسے اپنے پروں والے لباس کی بو آنے لگی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کے اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو سولہویں رات

جب پانچ سو سولہویں رات ہوئی تو اس نے کہا نیک نہاد بادشاہ ----- جونہی شمسہ اس محل میں داخل ہوئی اسے انے پروں والے لباس کی بو آنے لگی جسے پہن کر وہ اڑتی تھی۔ اسے معلوم ہو گیا کہ وہ کہاں ہے اور وہ اسے لینے پر تل گئی۔ لیکن وہ آدھی رات تک ٹھہری رہی۔ جب آدھی رات ہوئی اور جان شاہ نیند میں بے خبر ہو گیا تو وہ اٹھ کر اس کھبے کے پاس پہنچی جس کے اوپر محرابیں تھیں اور ایک طرف سے کھودتے کھودتے وہ کھبے تک پہنچ گئی جس کے اندر اس کی پوشاک تھی۔ اس پر سے وہ سیدہ دور کیا جو پگھلا کر لگایا گیا تھا۔ اس میں سے کپڑے نکال لیے اور انہیں پہن فراٹا بھر محل کی چھت پر جا بیٹھی اور لوگوں سے کہا کہ جان شاہ کو میرے پاس بلا لاؤ تا کہ میں اس سے رخصت ہو لوں۔

جان شاہ کو یہ خبر پہنچی تو وہ اس کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہ اپنے پروں کا لباس پہنے محل کی چھت پر بیٹھی ہے اس نے کہا یہ تو نے کیا کیا، شمسہ نے جواب دیا اے میرے پیارے، آنکھوں کے تارے اور دل کے ٹکڑے، خدا کی قسم میں تجھے بہت چاہتی ہوں اور مجھے بے حد خوشی ہے کہ میں نے تجھے تیرے وطن پہنچا کر ماں باپ سے ملا دیا۔ اب اگر تجھے بھی مجھ سے اتنی محبت ہے جتنی مجھے تجھ سے تو میرے پاس قلعہ جوہر شکنی میں آجائیو۔ یہ کہہ کر وہ اڑ گئی اور اپنے ماں باپ کے پاس چل دی۔

جب جان شاہ نے محل کی چھت پر سے شمسہ کی یہ باتیں سنیں تو قریب تھا کہ مارے رنج کے اس کی جان نکل جائے۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگوں نے جا کر اس کے باپ کو خبر دی۔ وہ سوار ہو کر محل میں آیا۔ بیٹے کو زمین پر پڑا ہوا پایا۔ رونے لگا اور یقین ہو گیا کہ اس کا بیٹا شمسہ کی محبت میں گرفتار ہے۔ منہ پر گلاب کا عرق چھڑکا۔ اسے ہوش آیا تو دیکھا کہ باپ سرہانے بیٹھا ہے۔ وہ اپنی بیوی کی جدائی پر

رونے لگا۔ باپ نے کہا بیٹا تجھ پر کیا مصیبت آئی ہے؟ بیٹا بولا سن شمسہ پری ہے اور جنوں کی اولاد میں سے۔ میں اسے چاہتا ہوں اس کی محبت میں گرفتار اس کے حسن پر شیدا ہوں۔ میرے پاس اس کے وہ کپڑے تھے جن کے بغیر وہ اڑ نہ سکتی تھی۔ میں نے ان کپڑوں کو لے کر صندوق کی شکل کے ایک کھبے میں چھپا دیا تھا اور اس پر سیمہ پگھلا کر اسے محل کی نیو میں رکھ دیا تھا۔ اس نے نیو کھود کر وہ کپڑے نکال لیے۔ انہیں پہن کر اڑ گئی۔ محل کی چھت پر جا بیٹھی اور مجھ سے کہا میں تجھے چاہتی ہوں میں نے تجھے تیرے وطن پہنچا کر تیرے ماں باپ سے ملا دیا ہے۔ اگر تجھے بھی مجھ سے محبت ہے تو میرے پاس قلعہ جوہر مکنی میں آؤ۔ یہ کہہ کر وہ محل کی چھت پر سے اڑی اور چلتی ہوئی۔

بادشاہ طیغموس نے کہا، بیٹا غم نہ کھا میں ابھی سوداگروں اور سیاحوں کو بلا کر ان سے اس قلعے کا پتہ پوچھتے ہیں۔ ہمیں پتہ معلوم ہو جائے گا تو ہم خود وہاں چل کر شمسہ کے گھر والوں سے ملیں گے۔ خدا سے امید ہے کہ وہ تجھے شمسہ کو عطا کرے گا اور تیرا گھر بس جائے گا۔

بادشاہ نے باہر آ کر اپنے چاروں وزیروں کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ شہر میں جتنے سوداگر اور سیاح ہوں انہیں بلوا کر ان سے قلعہ جوہر مکنی کا پتا پوچھا جائے۔ جو کوئی اس کا پتا بتائے گا۔ میں اسے پچاس ہزار دینار دوں گا۔ فوراً حکم کے مطابق کے تمام سفر کرنے والے سوداگروں سے قلعہ جوہر مکنی کا پتہ پوچھا لیکن کوئی اس کا پتا نہ بتا سکا پھر انہوں نے بادشاہ کے پاس آ کر خبر دی۔ بادشاہ اسی وقت اٹھ کھڑا ہو اور اس نے حکم دیا کہ جان شاہ کے لیے ایسی ایسی خوبصورت اور لگانے والی کینریں لائی جائیں جو سوائے بادشاہوں کے اور کسی کے پاس نہ جاتی ہوں تا کہ شمسہ کی محبت اس کے دل سے نکل جائے۔ لوگوں نے اس کے حکم کی تعمیل کر دی۔ اس کے بعد بادشاہ نے تمام ملکوں، جزیروں اور اقلیتوں میں جاسوس اور کھوج لگانے والے بھیجے کہ قلعہ جوہر مکنی

کا پتا چلائیں۔ جاسوس دو مہینے تک پوچھتے پھرے انہیں کسی سے اس کا پتہ نہ لگا۔ انہوں نے واپس آ کر بادشاہ سے اپنی ناکامی بیان کی۔ بادشاہ بہت رویا اور اپنے بیٹے کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہ خوبصورت کنیزوں کے ساتھ جو بواب اور برہم پر گاجا رہی ہیں بیٹھا ہوا ہے تاہم اس کے دل سے شمسہ کی محبت نہیں جاتی۔ باپ نے کہا بیٹا کسی ایسے شخص کا پتہ نہیں لگتا جو اس قلعے کو جانتا ہو۔ بس یہی تمام خبروں کا خلاصہ ہے۔ باپ کی یہ باتیں سن کر جان شاہ رونے لگا اور اس کے آنسو بننے لگے۔ بادشاہ نے طیغموس اور ہندوستان کے راجا کے درمیان سخت دشمنی تھی۔ بادشاہ طیغموس نے ایک بار اس پر چڑھائی کر کے اس کے ملک والوں کو قتل کیا تھا، اس کے خزانے چھین لیے تھے۔ ہندوستان کے اس راجا کا نام کفید تھا۔ اس کے پاس بہت سی فوجیں، بہت سامان جنگ اور بڑے بڑے سورما تھے۔ اس کی سلطنت میں ایک ہزار پہلوان تھے۔ ہر پہلوان کے ایک ہزار قبیلے میں چار ہزار سوار تھے۔ راجا کے چار وزیر تھے۔ اس کے زیر اقتدار بہت سے بادشاہ، رئیس، امیر اور بڑی بڑی فوجیں تھیں۔ اس کے راج میں ایک ہزار شہر تھے اور ہر شہر میں ایک ہزار گڑھیاں۔ الغرض وہ بہت بڑا اور طاقتور راجا تھا۔ اس کی فوجیں دنیا کے ہر حصے میں تھیں۔

جب ہندوستان کے بادشاہ راجا کفید کو معلوم ہوا کہ بادشاہ طیغموس اپنے بیٹے کے عشق کے سلسلے میں پھنسا ہوا ہے، حکومت اور ملک کے کاروبار چھوڑ رکھے ہیں، لشکر کم ہوتا جاتا ہے اور غم و مصیبت نے اس کی طاقتیں منتشر کر دی تو اس نے وزیروں، امیروں اور سرداروں کو جمع کیا اور ان سے کہا تمہیں معلوم ہے کہ بادشاہ طیغموس نے ہمارے ملک پر حملہ کر کے میرے باپ اور بھائیوں کو مار ڈالا تھا۔ ہماری دولت لوٹ لی تھی، تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے کسی نہ کسی رشتے دار کو اس نے قتل نہ کیا ہو، اس کا مال نہ چھینا ہو، اس کی روزی نہ لوٹی ہو اور اس کے گھر والوں کو قید نہ کیا ہو۔ آج کل میں سنتا ہوں کہ اپنے بیٹے جان شاہ کے عشق کے سلسلے میں وہ پریشان ہے۔ اس کی فوجیں کم ہو گئی ہیں۔ بس یہی وقت بدلہ لینے کا ہے۔ لہذا اس پر دھاوا

بولنے کے لیے تیار ہو جاؤ اور لڑائی کا سامان ٹھیک کر لو۔ اس میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔
موقع ہے کہ وہاں پہنچ کر فوراً اس پر ٹوٹ پڑیں، اسے اور اس کے بیٹے کو قتل کر
URDU4U.COM
کے اس کے ملک پر قبضہ کر لیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

○ ○ ○

• پانچ سو سترہویں رات

جب پانچ سو سترہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- ہندوستان کے راجا کفید نے کہا ہم بادشاہ طیغموس اور اس کے بیٹے کو قتل کر کے اس کے ملک پر قبضہ کر لیں۔ یہ سن کر وہ سب کھڑے ہو گئے اور ہر ایک اپنا سامان تیار کرنے لگے۔ پورے تین مہینے تک لشکر جمع اور سامان جنگ تیار ہوتا رہا۔ فوجوں، لشکروں اور سراؤں کی تعداد پوری ہو چکی تو ڈھول اور نفیریاں بجنے لگیں، جھنڈے اور نشان گاڑے گئے۔ اس کے بعد راجا کفید نے کوچ بول دیا اور چلتے چلتے کابل کے ملک کے پاس پہنچ گیا جو بادشاہ طیغموس کا ملک تھا۔ وہاں پہنچتے ہی انہوں نے لوٹ مار شروع کر دی، رعایا کو تباہ کیا، بڑوں کو قتل اور چھوٹوں کو قید کیا۔ یہ خبر بادشاہ طیغموس تک پہنچی تو اسے طیش آ گیا، ملک کے سرداروں، وزیروں اور امیروں کو جمع کر کے اس نے کہا کفید ہمارے ملک میں آ گیا ہے اور ہم سے لڑنا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ اتنا لشکر اتنے سورما اور اتنی فوجیں ہیں کہ خدا ہی جانے تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا جہاں پناہ، ہماری رائے یہ ہے کہ ہم نکل کر میدان میں اس سے لڑیں اور اسے اپنے ملک سے نکال باہر کریں۔ بادشاہ طیغموس نے کہا اچھا تو پھر لڑائی کی تیاری کرو۔ یہ کہہ کر اس نے زہ بکتر، جوشن، خود، تلواریں اور تمام ایسے ہتھیار نکال کر انہیں دیئے جو بہاروں کو ہلاک کر دیں اور سورماؤں کو نیچا دکھائیں۔ چنانچہ لشکر، فوجیں اور سورما جمع ہوئے، لڑائی کی تیاری ہونے لگی اور جھنڈے گاڑے گئے، مجیرے، نفیریاں، ڈھول اور جھانجھ بجنے لگے اور بادشاہ طیغموس، راجا کفید کے مقابلے میں چل کھڑا ہوا، غنیم کے قریب پہنچ گیا تو ایک گھاٹی میں ڈیرے ڈال دیئے جس کا نام زہران تھا جو کابل کے ملک کے قریب تھی۔

اب بادشاہ طیغموس نے ایک خط لکھا اور اسے اپنے لشکر کے ایک ایلچی کے ہاتھ راج

کفید کے پاس بھیجا۔ اس کا مضمون یہ تھا: خدا اور رسول کی تعریف کے بعد ہم راجا کفید کو یہ جتنا چاہتے ہیں کہ تو نے لچے لفتلوں کی سی حرکت کی ہے۔ اگر تو بادشاہوں کے نطفے سے ہوتا تو ایسا نہ کرتا، میرے ملک میں گھس کر لوگوں کو مال نہ لوٹا اور رعایا کو تباہ نہ کرتا۔ تجھے معلوم نہیں کہ یہ تیرا ظلم ہے۔ اگر میں جانتا کہ تو میرے ملک پر ظلم کرے گا تو میں تیرے آنے سے کہیں پہلے تیرے پہنچ چکا ہوتا اور تجھے اپنے ملک میں گھسنے بھی نہ دیتا۔ ابھی کچھ نہیں گیا اگر تو لوٹ جائے اور ہمارے ساتھ لڑائی پر آمادہ نہ ہو تو اچھا ہے ورنہ نکل کر میرے مقابلے میں میدان آ اور دل مضبوط کر کے لڑائی اور نیزہ بازی کر۔

یہ خط لکھ کر اس نے اس پر مہر لگائی اور اسے اپنے ایلچی کے حوالے کیا، اس کے ساتھ اس نے جاسوس بھی روانہ کئے تا کہ وہ جا کر خبر لائیں۔ ایلچی خط لے کر چل دیا۔ جب وہ راجا کفید کی لشکر گاہ کے قریب پہنچا تو اسے دور ریشم اور اطلس کے خیمے اور نیلے ریشم کے جھنڈے دکھائی دیئے۔ اس نے دیکھا کہ ان خیموں کے بیچ میں ایک بہت بڑا سرخ ریشم کا خیمہ ہے جس کے ارد گرد بڑا لشکر جمع ہے۔ وہ اس خیمے کے پاس گیا اور لوگوں سے اس کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا یہ راجا کفید کا خیمہ ہے۔ جونہی ایلچی کی نظر خیمے پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ راجا کفید ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے جس میں ہیرے جڑے ہوئے ہیں، وزیر امیر اور سردار اس کے پاس کھڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر ایلچی نے خط نکالا اور اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ راجا کفید کے چند سپاہی اس کی طرف بڑھے اور خط لے کر راجا کو پہنچا دیا۔ راجا نے خط پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا پھر جواب لکھا جس کا مضمون یہ تھا: ”حمد و ثناء کے بعد ہم بادشاہ طیعموس پر ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ بدلہ لیں، اپنی ذلت دور کریں، ملکوں کو تباہ کریں، پردوں کو پھاڑیں، بڑوں کو ماریں اور چھوٹوں کو گرفتار کریں۔ کل میں میدان میں آ کر لڑوں گا اور تجھے لڑائی اور نیزہ بازی کا مزہ چکھاؤں گا۔“

یہ خط لکھ کر اس نے اس پر مہر لگا دی اور بادشاہ طیغموس کو اپیلچی کو دے دیا۔ وہ
اس خط کو لے کر چل دیا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو اٹھارہویں رات

جب پانچ سو اٹھارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نمد بادشاہ ----- بادشاہ طیغموس کا ایلچی خط کا جواب لے کر واپس آیا۔ بادشاہ کے سامنے زمین چومی، اسے خط دیا، جو کچھ دیکھا تھا بیان کیا اور کہا جہاں پناہ، میں نے اتنے سوار اور سورما سپاہی دیکھے ہیں جن کی گنتی نہیں اور جن کے پیچھے اور کمک برابر چلی آ رہی ہے۔ بادشاہ نے خط پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا تو وہ طیش میں آ گیا۔ اس نے اپنے وزیر عین زار کو حکم دیا کہ سوار ہو جائے اور ایک ہزار سوار لے کر آدھی رات کے وقت راجا کفید کے لشکر پر چھاپا ماریں اور سوار اندر گھس کر انہیں قتل کر ڈالیں۔ وزیر عین زار حکم پاتے ہی لشکر لے کر راجا کفید کی طرف روانہ ہو گیا۔ راجا کفید کا ایک وزیر تھا جس کا نام غطرقان تھا، راجا نے اسے حکم دیا کہ اپنے ساتھ پانچ ہزار سوار لے کر بادشاہ طیغموس پر حملہ کر دے اور ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کر ڈال۔ وزیر غطرقان، راجا کفید کے حکم کے مطابق سوار ہو گیا اور لشکر لے کر بادشاہ طیغموس کی طرف چلا۔ آدھی رات کا وقت تھا کہ آدھے راستے پر دونوں وزیروں کی مڈ بھیڑ ہو گئی اور تمام رات کشت و خون ہوتا رہا۔ صبح ہوتے ہوتے راجا کفید کی فوج کے قدم اکھڑ گئے اور وزیر غطرقان بھاگ کھڑا ہوا۔

یہ بھاگا ہوا لشکر راجا کے پس پہنچا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا، وہ ان سے کہنے لگا تف ہے تم پر! تمہیں کون سی ایسی مصیبت کا سامنا پڑا جو تم اپنے سورما کھو بیٹھے؟ انہوں نے کہا مہاراج، جب وزیر غطرقان سوار ہوا اور ہم بادشاہ طیغموس پر شب خون مارنے چلے تو آدھی رات تک آدھی راہ طے کی ہو گی کہ بادشاہ طیغموس کے وزیر عین زار سے ہمارا مقابلہ ہو گیا۔ وہ اپنے لشکر اور سورماؤں کے ساتھ ہم پر ٹوٹ پڑا۔

یہ واقعہ زہران گھاٹی کے پہلو میں ہوا۔ ہم ایک بہ یک اس کے لشکر کے بیچ میں آ گئے اور دست بہ دست لڑائی ہونے لگی، ہم آدھی رات سے لے کر صبح تک خوب لڑے اور بہت لوگ مارے گئے۔ وزیر عین زار ہاتھیوں کے آگے لکارتا وار اس زور سے حملہ کرتا کہ ہاتھی چوٹ کھا کر چل جاتے، اٹے، اپنے ہی لشکر کو روندنے لگتے۔ پھر وہ سواروں پر ٹوٹ پڑتا اور انہیں مار کر بھگا دیتا۔ گرد کی زیادتی کی وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکتا اور لہو سمندر کی لہروں بہتا اگر ہم بھاگ نہ کھڑے ہوتے تو سب کے سب مارے جاتے۔ راجا کفید نے یہ باتیں سنیں تو کہنے لگا سورج دیوتا تمہیں بھی کبھی برکت نہ دے بلکہ تم سے سخت ناراض ہو!

ادھر جب وزیر عین زار نے جا کر بادشاہ طلیغموس کی خبر سنائی تو اس نے اس کی سلامتی پر اسے مبارک باد دی، بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ مجھے اور نفریاں بجائیں جائیں۔ لشکر کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ دو سو بہادر کام آئے ہیں۔

دوسری طرف راجا کفید اپنا لشکر اور فوجیں تیار کر کے میدان میں اترا اور آگے پیچھے پندرہ صفیں باندھیں جن میں دس دس ہزار سوار تھے۔ راجا کے ساتھ تین سو پہلوان تھے جو ہاتھیوں پر سوار تھے۔ جن میں ایک ایک منتخت سورما تھا۔ جھنڈے گاڑ دیئے ڈھول اور تاشے بجنے لگے اور بہادر لڑائی کے لیے نکلے۔ بادشاہ طلیغموس نے بھی صف بندی کی۔ دس صفوں میں دس دس ہزار سورما کھڑا کئے، اس کے ساتھ سو پہلوان تھے جو اس کے دائیں اور بائیں تھے۔ صف بندی ہو چکی تو ہر مشہور سوار نکل پڑا اور دونوں لشکر ایک دوسرے پل پڑے۔ لڑائی کا میدان گرم ہو گیا۔ ڈھول اور مجھے، تاشے، شہنائیاں اور نفریاں بجنے لگیں۔ گھوڑوں کی ہنناہٹ سے کان بہرے ہو گئے۔ لڑنے والے نعرے مارنے لگے، گرد ان کے سروں پر چھا گئی اور صبح سے اندھیرا چھانے تک سخت لڑائی ہوتی رہی۔ اس کے بعد دونوں لشکر جدا ہو کر اپنی جگہ چل دیئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو انیسویں رات

جب پانچ سو انیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- لشکر جدا ہو کر اپنی اپنی جگہ چل دیئے۔ راجا کفید نے اپنی فوج کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ پانچ ہزار سپاہی مارے گئے اور وہ غصے کے مارے دانت پیسنے لگا۔ ادھر جب بادشاہ طیغموس نے اپنے لشکر کی گنتی کی، اس کے خاص بہادروں میں سے تین ہزار سورا کام آچکے تھے۔ اسے بھی بڑا طیش آیا۔ دوسرے دن راجا کفید دوبارہ میدان میں آیا اور دونوں طرف صف بنایا ہونے لگیں۔ راجا اور بادشاہ دونوں یہ چاہتے تھے کہ میری جیت ہو۔

راجا کفید نے اپنے لشکر کو للکار کر کہا۔ ہے کوئی تم میں سے جو میران میں نکل کر لڑائی اور نیزہ بازی کی ابتدا کرے۔ یہ سن کر ایک سورا بریک نام نکلا جو ہاتھی پر سوار تھا اور جس کی بڑی دھاک تھی۔ آگے بڑھ کر ہاتھی سے اترا، راجا کفید کے آگے زمین چومی اور اس سے میدان میں نکلنے کی اجازت چاہی۔ راجا نے اجازت دے دی۔ وہ میدان میں آیا اور چلا کر کہا، ہے کوئی مرد مرنے والا، جو میرے مقابلے میں آئے۔ بادشاہ طیغموس نے یہ سنا تو اپنے لشکر کی طرف مخاطب ہو کر کہا اس بہادر کے مقابلے میں کون جائے گا؟ ایک سوار جو ایک بڑے اسیل گھوڑے پر سوار تھا، صفیں چیرتا ہوا نکلا، بادشاہ طیغموس کے پاس پہنچا، زمین چومی اور اس سے اجازت لے کر بریک کی طرف بڑھا۔ دونوں کا آمنہ سامنا ہوا تو بریک نے کہا، تو کون ہے کہ اکیلا میرے مقابلے میں آ کر میرا مذاق اڑانا چاہتا ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میرا نام غضنفر بن کمخیل ہے۔ بریک نے کہا میں نے اپنے وطن میں تیرا نام سنا تھا: آ بہادروں کی صفوں کے بیچ میں اور اپنے جوہر دکھا۔

یہ سن کر غضنفر نے اپنی ران کے نیچے سے لوہے کا گرز نکالا۔ بریک نے اپنے ہاتھ میں تلوار لے لی اور دونوں میں چوٹیں ہونے لگیں۔ بریک نے اس پر تلوار کا ہاتھ مارا، تلوار

خود پڑی اور اچٹ گئی، لیکن اسے کچھ نقصان نہ پہنچا۔ اب پلٹ کر غنفر نے گرز کا وار کیا، بریک پر اس زور سے گرز پڑا کہ اس کا بدن ہاتھی سے چپک گیا۔ اتنے میں ایک اور شخص وہاں پہنچا اور کہنے لگا، تو کون ہے کہ تو نے میرے بھائی کو مار ڈالا؟ یہ کہتے ہی اس نے اپنے ہاتھ میں تیر لیا اور غنفر پر ایسی طاقت سے چلایا کہ اس کی ران میں پست ہو گیا۔ غنفر نے تاؤ کھا کر تلوار کھینچ لی اور ایک ہی ہاتھ میں اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ تیر کھا کر خود بھی لہو میں تر بہ تر ہو گیا تھا۔ زمین راتر پڑا اور دوڑ کر بادشاہ طیغموس کے پاس پہنچا۔ راجا کفید نے یہ دیکھا تو اس نے اپنے لشکر کو لکار کر کہا، کیا دیکھتے ہو دشمن سے گتہ جاؤ۔ بادشاہ طیغموس بھی اپنی فوجیں اور لشکر نے کر میدان میں آ گیا، جنگ مغلوبہ شروع ہو گئی، گھوڑے گھوڑوں پر ہنسانے لگے، سوار سواروں کو لکارتے، تلواریں کھینچ گئیں۔ ہر بہادر سوار آگے بڑھا، جی دار ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے، ڈر پوک بھاگے اور تاشے اور بگل کی آوازوں، مرنے مارنے والوں کے شور و غل وار ہتھیاروں کی جھنکار کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ بہت سے بہادر مارے گئے اور یہ لڑائی اس وقت تک بند نہ ہوئی جب تک کہ سورج آسمان کے گنبد میں چھپ نہ گیا۔ اب بادشاہ طیغموس اپنے لشکر کو لے کر خیمے میں گیا اور راجا کو کفید نے بھی ایسا ہی کیا۔ جائزہ لینے پر بادشاہ طیغموس کو معلوم ہوا کہ اس کے پانچ ہزار سوار کام آئے اور چار جھنڈے ٹوٹے اور اس پر اسے سخت غصہ آیا۔ جب راجہ کفید نے اپنی فوج کا جائزہ لیا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے خاص بہادروں میں سے چھ ہزار سوار مارے گئے اور نو جھنڈے بے کار ہو گئے۔ تین دن تک یہ لڑائی ہوتی رہی، پھر راجا کفید نے ایک خط لکھ کر اسے اپنے لشکر کے ایلچی کے ہاتھ ایک راجہ کے پاس بھیجا جس کا نام فاتون الکلب تھا۔ کفید کی ماں کی طرف سے اس سے رشتے داری تھی۔ ایلچی وہ خط لے کر چلتا ہوا۔ راجا فاتون کے پاس ایلچی پہنچا تو وہ اپنا لشکر اکٹھا کر کے راجا کفید کی مدد کو روانہ ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• پانچ سو بیسویں رات

جب پانچ سو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- راجا فاقون اپنی فوج کو اکٹھا کر کے راجہ کفید کی مدد کر روانہ ہو گیا۔ بادشاہ طیغموس بیٹھا مزے اڑا رہا تھا کہ ایک خبردار نے آ کر اس سے کہا میں نے دور سے گرد ہوا میں اٹھتی دیکھی ہے۔ بادشاہ طیغموس نے چند لشکروں کو حکم دیا کہ اس گرد کا سبب دریافت کر کے آؤ۔ وہ ہوا کی طرح گئے اور بگولے کی طرح آ کر کہنے لگے۔ اے بادشاہ پہلے تو ہمیں گرد دکھائی دی پھر ہوا نے اسے اڑا دیا اور ہمیں اس کے نیچے سات جھنڈے دکھائی دیئے جن کے نیچے تین تین ہزار سوار تھے۔ جن کا رخ راجا کفید کی طرف تھا۔

ادھر کی سنو راجا فاقون الکلب نے راجا کفید کے پاس پہنچ کر سلام کیا اور کہا کہ کیا خبر ہے اور تو کس لڑائی میں مشغول ہے؟ راجا کفید نے جواب دیا تجھے معلوم نہیں کہ بادشاہ طیغموس میرا دشمن ہے اور میرے بھائیوں اور باپ کا قاتل ہے! میں اس سے لڑنے اور بدلہ لینے آیا ہوں۔ راجا فاقون نے کہا سورج دیوتا تجھے برکت دے! اس کے بعد راجا کفید راجا فاقون الکلب لے کر ایک خیمے میں گیا اور بڑی خوشی منائی۔

یہ تو بادشاہ طیغموس اور راجا کفید کا قصہ ہوا۔ شہزادے جان شاہ کو بھی کچھ حال سنو۔ دو مہینے تک نہ تو اسے اپنے باپ کی شکل دکھائی دی۔ نہ اس نے کنیزوں کو اپنے پاس پھٹکنے دیا جو اس کی خدمت کے لیے تھیں۔ ایک دن وہ بہت بے چین ہوا تو اس نے اپنے نوکروں سے باپ کا حال پوچھا کہ وہ اس کے پاس کیوں نہیں آتا؟ نوکروں نے سارا ماجرا بیان کر دیا کہ اس طرح راجا کفید چڑھ آیا ہے اور لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ جان شاہ نے کہا ہمارا گھوڑا لاؤ، میں انے باپ کے پاس جاؤں۔ گھوڑا حاضر کیا گیا تو وہ اپنے دل میں سوچنے لگا کہ میں خود اپنی مصیبت میں پھنسا ہوا ہوں۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے پر سوار ہو کر یہودیوں کے شہر کو نکل جاؤں۔ وہاں پہنچوں

گا تو خدا مجھے آسانی سے اس تاجر سے ملا دے گا جس کی میں نے مزدوری کی تھی ممکن ہے وہ مجھ سے پہلے کی طرح کام لے۔ کون جان سکتا ہے کہ کس بات پر بھلائی ہے۔ یہ منصوبہ گانٹھ کر وہ سوار ہوا اور ایک ہزار سوار ساتھ لے کر چل کھڑا ہوا۔ لوگ کہنے لگے کہ جان شاہ اپنے باپ کے پاس گیا تا کہ اس کے ساتھ ہو کر لڑے۔ رات تک چلتے چلتے وہ ایک سبزہ زار میں جا پہنچے اور وہاں اتر کر سو گئے۔ وہ سو گئے اور جان شاہ کو یقین آ گیا کہ سارا لشکر واقعی نیند میں چور ہے وہ چپکے سے اٹھا کمر کس گھوڑے پر سوار ہو گیا اور بغداد کی طرف چل دیا کیونکہ اس نے یہودیوں سے سنا تھا کہ ہر دوسرے سال ان کے ہاں بغداد سے ایک قافلہ آتا ہے اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ جب میں بغداد پہنچوں گا تو قافلے کے ساتھ یہودیوں کے شہر کو روانہ ہو جاؤں گا۔ یہ اس کا پکا ارادہ تھا۔ لشکر والوں کی آنکھ کھلی اور انہوں نے دیکھا کہ نہ جان شاہ وہاں ہے نہ اس کا گھوڑا تو وہ سوار ہو کر بائیں دائیں اس کی تلاش کے لے چل کھڑے ہوئے۔ جب انہیں کوئی پتا نہ چلا تو انہوں نے اس کے باپ کے پاس جا کر خبر دی۔ باپ غصے میں آگ ہو گیا اور قریب تھا کہ اس کے منہ سے انگارے نکلنے لگیں۔ اس نے سر تاج اتار کر پھینک دیا اور لاجول ولا قوہ پڑھنے لگا اور کہا ادھر تو میرا بیٹھا کھو گیا، ادھر دشمن سر پر سوار ہے۔ بادشاہوں اور وزیروں نے اس سے کہا جہاں پناہ صبر سے کام لیجئے۔ صبر کا نتیجہ بھلائی ہے۔ ادھر یہ ہو رہا تھا۔ ادھر جان شاہ اپنے باپ کے لیے اور اپنی محبوبہ کی جدائی میں غم زدہ تھا، اس کے دل میں دو زخم تھے اور آنکھیں فگار، نہ دن نیند آتی نہ رات کو چین۔ وہ اس مصیبت میں، یہاں یہ آفت کہ بادشاہوں طیغموس کا جب بہت سا لشکر ضائع ہو گیا تو وہ میدان سے منہ موڑ کر شہر پناہ کے اندر داخل ہوا، اس کے دروازے بند کر لئے اور فصیل کو مضبوط کیا۔ کفید ہر مہینے لڑنے کے لیے شہر کے پاس آتا، سات راتیں اور آٹھ دن لڑ کر اپنے لشکر کو خیموں میں واپس لے جاتا تا کہ زخیوں کا علاج کرے۔ دشمن لوٹ جاتا تو بادشاہ طیغموس کے شہر والے ہتھیاروں کو ٹھیک ٹھاک کرتے، شہر پناہ کو مضبوط بناتے اور منجنیق تیار کرتے۔

سات سال تک بادشاہ طیغموس اور راجا کفید اندر باہر سے مقابلہ کرتے رہے اور دونوں میں لڑائی جاری رہی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

URDU4U.COM

○ ○ ○

• پانچ سو اکیسویں رات

پانچ سو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- یہاں بادشاہ طلیغ موس اور راجا کفید جنگ و پیکار میں مصروف تھے۔ وہاں جان شاہ اپنے ساتھیوں کو سوتا چھوڑ کر جو چلا تو برابر جنگل بیاہاں طے کرتا رہا، جب کسی شہر میں پہنچتا تو قلعے جو ہر مکنی کے متعلق پوچھتا لیکن کوئی اس کا پتہ نہ دے سکتا بلکہ ہر شخص یہی کہتا کہ ہم نے تو اس کا نام تک نہیں سنا۔

آخر کار اس نے یہودیوں کے شہر کو پوچھا۔ ایک سوداگر نے بتایا کہ وہ مشرق کی طرف ہے، اگر تجھے وہاں جانا ہو تو اسی مہینے ہمارے ساتھ مرزقان کے شہر کو چل جو ہندوستان کے ملک میں ہے۔ وہاں سے ہم خراساں چلیں گے، خراساں سے شمعون، شمعون سے خوارزم اور خوارزم سے یہودیوں کا شہر قریب ہے۔ محض ایک سال اور تین مہینے کی راہ۔ جان شاہ نے قافلے کی روانگی کا انتظار کیا اور اس کے ساتھ روانہ ہو کر مرزقان پہنچا۔ مرزقان میں اس نے لوگوں سے قلعے جوہر مکنی کا پتہ پوچھا، وہاں بھی کوئی نہ بتا سکا۔ پھر قافلہ آگے بڑھا اور ایک دوسرے شہر میں اترا، یہاں بھی اس نے قلعے جوہر مکنی کا پتا دریافت کرنا چاہا، سب نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر یہی کہا کہ ہم نے آج سے پہلے یہ نام ہی نہیں سنا۔ راہ میں اسے بہت تکلیفیں اٹھانی پڑیں، خوفناک چیزوں کا سامنا ہوا اور بھوک پیاس میں مبتلا رہا۔ بہر حال قافلہ ہندوستان سے روانہ ہوا، چلتے چلتے خراسان پہنچا اور خراسان سے شمعون میں اترا۔ جان شاہ نے بستی میں جا کر یہودیوں کے شہر کا پتا پوچھا۔ لوگوں نے اس کا پتا بتایا اور راستے کے پھیر بھی سمجھا دیئے۔ اب وہ قافلے سے الگ ہو گیا اور اکیلا سفر کرنے لگا۔ کئی رات دن چلنے کے بعد وہ اس جگہ پہنچا جہاں بندروں سے پیچھا چھڑا کر بھاگا تھا۔ پھر آگے بڑھا اور منزلیں طے کرتے کرتے آخر اس دیا پر پہنچ گیا جس کے کنارے یہودیوں کا شہر آباد تھا اور دیا کے پاس بیٹھ

کر ہفتے کے دن کا انتظار کرنے لگا۔ ہفتے کا دن آیا اور دیا خشک ہوا تو اس نے یہودی کے گھر کا راستہ لیا جہاں وہ پہلی بار ٹھہرا تھا۔ یہودیوں وار اس کے گھر والوں نے اسے سلام کیا، اس کے آنے پر خوش ہوئے، اس کے لیے کھانے پینے کی چیزیں لائے اور اس سے پوچھا کہ تو اتنے دن کہاں غائب رہا۔ اس نے کہا خدا کہ ملک میں۔ رات کو وہیں یہودی کو ہاں سویا۔ صبح ہوئی تو شہر کے سیر کرنے نکلا۔ اس نے دیکھا ایک شخص ڈھنڈورا پیٹ رہا ہے کہ اے لوگو ہے کوئی جو ایک ہزار دینار اور ایک خوبصورت کنیر لے اور آدھے دن ہمارا کام کرے؟ جان شاہ نے کہا میں کام کروں گا۔ یہ سن کر ڈھنڈورا پیٹنے والا بولا میرے پیچھے پیچھے چل۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ یہاں تک کہ وہ اسی یہودی تاجر کے گھر پہنچا جہاں پہلی مرتبہ گیا تھا۔ ڈھنڈورا پیٹنے والے نے مکان کے مالک سے کہا کہ جو کام تو چاہتا ہے اسے یہ جوان کرنے کے لیے تیار ہے۔ تاجر نے اس کا خیر مقدم کیا۔ اسے لے کر مکان کے اندر گیا۔ اس کے لیے کھانے پینے کی چیزیں لایا اور جان شاہ کھاپی چکا تو تاجر نے اسے ایک ہزار دینار اور ایک حسین کنیر پیش کی۔ جان شاہ رات بھر اس کے ساتھ سویا اور صبح ہوتے ہی دینا اور کنیر کو لے کر اس یہودی کے سپرد کر آیا جس کے گھر وہ پہلی رات سویا تھا اور لوٹ کر اس یہودی کے پاس پہنچا جس کی اس نے مزدوری کی تھی اس کے بعد دونوں سوار ہو کر ایک بہت اونچے پہاڑ کے پاس پہنچے۔ تاجر نے ایک رسی اور ایک چھری نکالی اور جان شاہ سے کہا اے گھوڑے کو زمین پر گرا دے۔ اس نے اسے زمین پر گرا کر اسے رسی سے باندھ دیا، ٹانگیں اور سر کاٹ ڈالا اور پیٹ پھاڑ دیا جیسا کہ تاجر نے حکم دیا تھا۔ اب تاجر بولا اس گھوڑے کے پیٹ کے اندر گھس جا اور میں تجھے اس کے اندر سی دوں جو کچھ تجھے اس کے اندر دکھائی دے، مجھ سے بیان کیجیو۔ بس یہی میرا کام ہے جس کی مزدوری تو نے لی ہے۔

جان شاہ گھوڑے کی پیٹ کے اندر گھس گیا اور تاجر اسے سی کر گھوڑے سے دور جا کر چھپ گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک بڑا پرندہ اوپر سے اترا اور جھپٹ کر گھوڑے کو اٹھا

لیا اور اسے بچوں میں دبائے پہاڑ کی چوٹی پر جا اتر اور گھوڑے کو کھانا چاہتا ہی تھا کہ جان شاہ کو آہٹ ہوئی اور وہ گھوڑے کا پیٹ چاک کر کے باہر نکل آیا۔ پرندہ تو ڈر کر اڑ گیا۔ جان شاہ نے دیکھا کہ تاجر چڑیا کی طرح پہاڑ کے نیچے کھڑا ہے۔ اس سے پوچھا اے تاجر تو کیا چاہتا ہے؟ تاجر نے جواب دیا کہ جو پتھر تیرے آس پاس پڑے ہیں ان میں سے کچھ اٹھا کر میری طرف پھینک دے اور میں تجھے وہ راستہ بتا دوں گا جس سے تو نیچے اتر آئے۔ جان شاہ نے کہا تو وہی ہے جس نے پانچ سال ہوئے میرے ساتھ یہ حرکت کی تھی، کیوں یاد ہے اور میں بھوک پیاس کی تکلیف میں گرفتار ہو گیا تھا۔ اب تو مجھ کو پھر اسی جگہ لایا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھے مار ڈالے خدا کی قسم! میں کچھ بھی تیری طرف نہ پھینکوں گا۔ یہ کہہ کر جان شاہ نے وہ راہ لی جو پرندوں کے بادشاہ شیخ نصر کی طرف جاتی تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو بائیسویں رات

جب پانچ سو بائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جان شاہ اس راستے پر چل دیا جو پرندوں کے بادشاہ شیخ نصر کی طرف جاتا تھا۔ وہ رات دن چلتا اور روتا جاتا۔ غموں سے نڈھال بھوک لگتی تو گھاس پات کھا لیتا، پیاس لگتی تو چشمے سے پانی پی لیتا یہاں تک کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل تک پہنچ گیا۔ دیکھا کہ شیخ نصر محل کے دروازے پر بیٹھا ہوا ہے، پاس جا کر اسے سلام کیا، ہاتھ چومے۔ شیخ نصر نے اسے مرحبا کہا، سلام کا جواب دیا اور کہا بیٹا تو پھر یہاں کیسے آیا؟ میں نے تو تجھے شمسہ کے ساتھ خوش خوش روانہ کر دیا تھا۔ جان شاہ رونے لگا اور سارا قصہ سنا کر کہا کہ جب وہ اڑنے لگی تو بولی کہ اگر تو مجھے چاہتا ہے تو میرے پاس قلعے جوہر شکنی میں آئیو۔ شیخ نصر کو یہ سن کر بڑا اچنبھا ہوا اور کہنے لگا خدا کی قسم میں اسے نہیں جانتا، حضرت سلیمان علیہ السلام کی قسم میں نے اپنی عمر میں اس کا نام بھی نہیں سنا۔ جان شاہ نے کہا اب میں کیا کروں؟ میں تو عشق و محبت سے مرا جاتا ہوں۔

شیخ نصر بولا اچھا ٹھہر، جب چٹیاں آئیں گی تو میں ان سے قلعے جوہر شکنی کا پتہ پوچھوں گا۔ ان میں سے ایک نہ ایک ضرور اس کا پتہ معلوم ہو گا۔ جان شاہ کو اطمینان ہوا۔ وہ محل کے اندر جا کر اس کو ٹھہری میں پہنچا جہاں وہ تالاب تھا جس میں اس نے تینوں لڑکیوں کو دیکھا تھا اور شیخ نصر کا مدت تک مہمان رہا۔ ایک دن وہ بیٹھا ہوا تھا کہ شیخ نصر نے اس سے کہا بیٹا چڑیوں کے آنے کا زمانہ آ گیا ہے۔ یہ خبر سن کر جان شاہ بہت خوش ہوا۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ چٹیاں آ گئیں اور شیخ نصر شاہ کے پاس آ کر بولا، بیٹا ان ناموں کو یاد کر کے چڑیوں کے پاس آئیو۔

چٹیاں آ پہنچیں اور ایک ایک جنس نے شیخ نصر کو باری باری سے سلام کیا۔ اس نے

چڑیوں سے قلعے جوہر تکتی کے متعلق پوچھا۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا ہم نے کبھی اس قلعے کا نام نہیں سنا۔ یہ سن کر جان شاہ رونے لگا اور مارے غم کے غش کھا کر گر پڑا۔ شیخ نصر نے ایک بڑی چڑیا کو بلا کر کہا کہ اس جوان کو کابل کے ملک میں پہنچا دے۔ اس کی یہ پہچان ہے اور فلاں راستہ۔ چڑیا نے جان شاہ کو اپنی پیٹھ پر سوار کر لیا اور شیخ نے جان شاہ سے کہا اپنی حفاظت کیجیو، جھکیو نہیں، نہیں تو ہوا تجھے کاٹ ڈالے گی اور اپنے کان بند رکھو ورنہ آسمانوں کی رفتار اور سمندروں کی گونج سے تجھے تکلیف پہنچے گی۔ جان شاہ نے شیخ نصر کی ہدایت پر کاربند ہونے کا اقرار کیا۔ چڑیا اسے لے کر ہوا میں اڑ گئی۔ ایک دن اور ایک رات اڑنے کے بعد وہ جنگلی جانوروں کے بادشاہ کے پاس اتری جس کا نام شاہ بدری تھا۔ چڑیا نے جان شاہ سے کہا جس ملک کا پتہ شیخ نصر نے بتایا تھا ہم اس سے دور جا پڑے ہیں۔ اور وہ چاہتی تھی کہ جان شاہ کو لے کر دوبارہ اڑے مگر جان شاہ نے اس سے کہا تو اپنی راہ لے اور مجھے اسی جگہ رہنے دے میں یا تو مر مٹوں گا یا قلعے جوہر تکتی تک پہنچ جاؤں گا۔ میں اپنے وطن تو خالی ہاتھ جاتا نہیں۔ چڑیا نے اسے جنگلی جانوروں کے بادشاہ شاہ بدری کے پاس چھوڑ کر چلتی بنی۔ شاہ بدری نے اسے سے کہا بیٹا تو کون ہے اور اس بڑی چڑیا کے ساتھ کہاں سے آیا ہے؟ اس نے اپنی ساری کہانی شروع سے لے کر آخر تک سنا دی۔ جنگلی جانوروں کے بادشاہ کو اس کی کہانی سن کر بڑا اچنبھا ہوا اور کہنے لگا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قسم، میں اس قلعے کو نہیں جانتا اور جو کوئی مجھے اس کا پتہ بتا دے گا میں اس کی بڑی عزت کروں گا اور تجھے وہاں پہنچوا دوں گا۔ جان شاہ بلک بلک کر رونے لگا اور کچھ دن صبر کیا۔ اس کے بعد ایک روز اس کے پاس جنگلی جانوروں کا بادشاہ شاہ بدری آیا اور کہنے لگا۔ بیٹا اٹھ اور یہ تختیاں لے جو کچھ ان میں لکھا ہوا ہے اسے برزبان یا ر کر لے۔ جب جنگلی جانور آئیں گے تو میں ان سے اس قلعے کا پتہ پوچھوں

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• پانچ سو تیس ویں رات

جب پانچ سو تیس ویں رات ہوئی تو اس نے وہ نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جنگلی جانوروں کے بادشاہ شاہ بدری نے جان شاہ سے کہا کہ جب جنگلی جانور آئیں گے تو میں ان سے اس قلعے کا پتہ پوچھوں گا۔ ابھی ایک پر بھی نہ گزرا ہو گا کہ جنس جنس کے جنگلی جانور آنے لگے۔ انہوں نے شاہ بدری کو سلام کرنا شروع کیا۔ اس نے ان سے قلعے جوہر مکنی کا پتہ پوچھا مگر سب نے یک زبان ہو کر کہا ہمیں اس کا پتہ معلوم ہے نہ ہم نے کبھی اس کا نام سنا ہے۔ جان شاہ رونے لگا، اسے افسوس ہوا کہ اس پرندے کے ساتھ کیوں نہ چلا گیا جو اسے شیخ نصر کے پاس سے لایا تھا۔ جنگلی جانوروں کے بادشاہ نے اس سے کہا بیٹا غم نہ کر، میرا ایک بڑا بھائی ہے جس کا نام بادشاہ شمش ہے جو حضرت سلیمان کے پاس قید میں تھا اس نے ان کی نافرمانی کی تھی۔ جنوں میں سے اس سے اور شیخ نصر سے بڑا کوئی نہیں ہے۔ ممکن ہے وہ اس قلعے کو جانتا ہو، اس کی حکومت ان اطراف کے جنوں پر ہے۔ یہ کہہ کر جنگلی جانوروں کے بادشاہ نے اسے ایک جنگلی جانور کی پیٹھ پر سوار کر دیا اور اپنے بھائی کے نام ایک خط دے دیا کہ وہ اس کی مدد کرے۔ یہ جانور فوراً چل کھڑا ہوا اور دن رات چل کر جان شاہ کو بادشاہ شمش کی سرحد پر لے جا کر اتار دیا۔ جان شاہ پایادہ بادشاہ شمش کے پاس پہنچا اس کے ہاتھ چومے اور وہ خط دیا۔ بادشاہ نے خط پڑھا، اس کا مطلب سمجھا اور اس کی آؤ بھگت کرنے کے بعد کہا بیٹا خدا کی قسم اس قلعے کے متعلق نہ میں نے سنا ہے اور نہ اسے دیکھا ہے۔ جان شاہ مارے افسوس کے رونے لگا۔ شاہ شمش نے کہا، اچھا اپنی کہانی تو سنا کہ تو کون ہے، کہاں سے آیا ہے اور کہاں جاتا ہے؟ جان شاہ نے اپنی ساری داستان شروع سے لے کر آخر تک سنا دی۔

شاخ حیرت میں پڑ گیا اور کہنے لگا بیٹا میرے خیال میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ابھی اپنی زندگی میں نہ اس کے متعلق سنا ہو گا اور نہ اسے دیکھا ہو گا لیکن بیٹا میں اس پہاڑ میں ایک راہب کو جانتا ہوں جس کی عمر بہت زیادہ ہے، اس کے سحر اور جادو سے تمام چرندے، جانور اور جن اس کی اطاعت کرتے ہیں، وہ اپنے منتر کے زور سے جنوں کے بادشاہوں کو بھی زبردستی اپنا فرمانبردار بنا لیتا ہے، تمام پرندے اور جانور اس کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ جب میں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی تو اسی نے مجھے گرفتار کیا تھا۔ سوا اس کے اور کوئی مجھ پر غالب نہ آ سکا، اس کے جادو، ٹونے بے حد سخت تھے اور تجھے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ وہ دنیا کہ ہر ملک میں پھرا ہے اور تمام راستے، کل مقامات، خشکی اور تری، سارے قلعے وار شہروں کو جانتا ہے، میرے خیال میں کوئی جگہ اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میں تجھے اس کے پاس بھیجتا ہوں ممکن ہے کہ وہ تجھے اس قلعے کا پتا بتا سکے۔ اگر وہ بھی نہ بتا سکا تو پھر کوئی نہیں بتا سکتا کیونکہ پرندے، درندے اور پہاڑ سب اس کا حکم مانتے اور اس کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اپنے جادو کے زور سے اس نے ایک سوٹا بنایا ہے جس کے تین ٹکڑے ہیں۔ جب وہ اسے زمین میں گاڑ دیتا ہے اور پہلے ٹکڑے پر جادو پڑھتا ہے تو اس میں سے گوشت نکلتا ہے اور خون۔ دوسرے ٹکڑے پر جادو پڑھتا ہے تو اس میں سے تانہ دودھ نکلنے لگتا ہے۔ تیسرے ٹکڑے پر جادو پڑھنے سے گیہوں اور جو نکلنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد وہ زمین میں سے سوٹا نکال کر اپنے دیر میں چلا جاتا ہے۔ اس کے دیر کا نام دیر المارس ہے۔ اس راہب کاہن کے ہاتھ سے اور بڑی بڑی عجیب و غریب باتیں بھی سرزد ہوتی ہیں، وہ جادوگر کاہن، مکار، دھوکے باز اور خبیث ہے۔ اس کا نام نعیموس ہے اور اسے دنیا بھر کے سحر و طلسمات یاد ہیں۔ میں تجھے ایک پرندے کے ہمراہ اس کے پاس بھیجوں گا جس کے چار پر ہیں۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو چوبیسویں رات

جب پانچ سو چوبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- بادشاہ شامخ نے اسے ایک پرندے پر سوار کر دیا جس کے چار بازو تھے اور ہر بازو کی لمبائی ہاشمی گز سے تیس گز تھی، پاؤں ہاتھی کے پاؤں جیسے تھے، لیکن وہ سال میں دو بار سے زیادہ نہیں اڑتا تھا۔ بادشاہ شامخ کے قبضے میں ایک جن تھا جس کا نام طمشوں تھا۔ وہ اس پرندے کے لیے ہر روز عراق سے دو بختی اونٹ اڑاتا اور انہیں توڑ مروڑ کر اسے کھلاتا۔ جان شاہ اس پرندے پر سوار ہو گیا اور بادشاہ شامخ نے اسے حکم دیا کہ وہ جان شاہ کو راہب نعیموس کے پاس پہنچا آئے۔ پرندے نے اسے اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا اور کئی دن اور رات چلنے کے بعد وہ جلیل القلع اور دیر الماس پہنچا۔ جان شاہ دیر کے قریب اتر پڑا۔ اس نے دیکھا کہ راہب نعیموس دیر کے اندر عبادت کر رہا ہے۔ جان شاہ اس کے قریب گیا، زمین چوم کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ جب راہب کی نظر اس پر پڑی تو اس نے کہا، 'مرحبا اے میرے بیٹے، پردیسی دور کے رہنے والے تو اس جگہ کیسے آیا ہے؟ جان شاہ رونے لگا اور اپنی ساری کہانی اول سے آخر تک کہہ سنائی۔ اس کے حال پر بڑا رحم آیا کہنے لگا بیٹا، خدا کی قسم میری اتنی عمر ہونے کو آئی، قلعے کا نام نہیں سنا، نہ کسی کو جانتا ہوں جس نے اس کے متعلق سنا یا اسے دیکھا ہو، اگرچہ میں نوح علیہ السلام کے زمانے میں موجود تھا اور اس وقت سے لے کر حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے زمانے تک درندوں، چرندوں، پرندوں اور جنوں پر حکومت کی ہے۔ میرے خیال میں تو سلیمان علیہ السلام نے بھی اس قلعے کا نام نہ سنا ہو گا۔ مگر بیٹا، پرندوں، چرندوں، درندوں اور جنوں کو آنے دے، میں ان سے پوچھوں گا ممکن ہے ان میں سے کسی کو اس کی خبر ہو یا خبر لاسکے اور خدا تیری مشکل آسان کر دے۔

جان شاہ مدت تک راہب تک پاس ٹھہرا ہے۔ اتنے میں وہ دن آ گیا کہ پرندے، چرندے،

درندے اور جن آ پہنچے۔ جان شاہ اور راہب ان سے جوہر مکنی کے متعلق پوچھنے لگے، کسی نے بھی یہ جواب نہیں دیا کہ میں نے اسے دیکھا یا اس کے بارے میں سنا ہے بلکہ سب نے یہی کہا کہ نہ ہم نے اسے دیکھا اور نہ سنا ہے۔ جان شاہ رونے پڑے اور خدا کی درگاہ میں گڑگڑانے لگا۔ وہ اسی حالت میں تھا کہ ایک پرندہ آیا جو سب پرندوں کے پیچھے تھا۔ اس کا رنگ کالا اور ڈیل ڈول بہت بڑا تھا۔ جب وہ ہوا میں اترتا تو اس نے آ کر راہب کے ہاتھ چومے۔ راہب نے اس سے بھی قلعے جوہر مکنی کے متعلق پوچھا۔ پرندے نے کہا اے راہب، ہم کوہ قاف کے پیچھے جبل البلور کے ایک جنگل میں رہتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب میں اور میرے بھائی بہن سے چھوٹے بچے تھے اور ہمارے ماں باپ ہر روز جا کر ہمارے لیے کھانا پینا لایا کرتے۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ آذوقہ کی تلاش میں گئے اور سات دن تک غائب رہے، ہم بھوک کے مارے بے چین تھے۔ آٹھویں دن وہ روتے ہوئے آئے۔ ہم نے ان کے غائب رہنے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا، ایک دیو نے آ کر ہمیں پکڑ لیا اور قلعے جوہر مکنی لے جا کر بادشاہ شہلان کے پاس پیش کیا۔ بادشاہ شہلان نے ہمیں دیکھا اور وہ ہمیں مار ڈالنا چاہتا تھا کہ ہم نے اس سے کہا ہم چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر آئے ہیں۔ یہ سن کر اسے ترس آ گیا اور اس نے ہمیں آزاد کر دیا۔ اگر ہمارے ماں باپ زندہ ہوتے تو وہ اس قلعے کا پتہ بتا سکتے۔ جان شاہ کی یہ آس بھی ٹوٹ گئی ہے۔ پہلے تو وہ خوب رویا پھر اس نے راہب سے کہا میں چاہتا ہوں کہ اس پرندے کو حکم دے کہ وہ مجھے اپنے ماں باپ کے گھونسلے تک پہنچا دے جو کوہ قاف کے پیچھے جبل البلور میں ہے۔ راہب نے پرندے سے کہا تو اس لڑکے کے ہر حکم کی تعمیل کر۔ پرندہ جان شاہ کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر اڑ گیا اور رات دن اڑتے اڑتے جبل البلور پہنچا۔ وہاں اتر کر کچھ دن ٹھہرا۔ اس کے بعد وہ دوبارہ اسے اپنی پیٹھ پر سوار کر کے اڑا۔ دو دن تک اڑتا رہا۔ یہاں تک کہ اس سر زمین میں پہنچا جہاں گھونسلہ تھا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

جب پانچ سو پچیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- گھونسلے کے پاس اتر کر پرندے نے کہا جان شاہ یہ ہے وہ گھونسلہ جس میں ہم رہتے تھے۔ یہ سن کر جان شاہ بہت رویا اور پرندے سے کہنے لگا میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے اس طرف لے چل جہاں تیرے ماں باپ جا کر کھانا پینا لاتے تھے۔ پرندے اسے اپنی پیٹھ پر بٹھا کر پھر اڑا اور سات راتیں اور آٹھ دن اڑنے کے بعد ایک اونچے پہاڑ پر پہنچا اور اسے اپنی پیٹھ پر سے اتار کر بولا۔ اس جگہ کے آگے مجھے کسی سر زمین کی خبر نہیں۔ جان شاہ کو نیند آگئی اور وہ پہاڑ کی چوٹی پر سو گیا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو دور سے روشنی سی دکھائی دی جس کے چاروں طرف اجالا پھیلا ہوا تھا۔ وہ اس روشنی کو دیکھ کر اچنبھے میں پڑ گیا اسے یہ گمان نہ تھا کہ یہ چمک دمک اس قلعے کی ہے جسے وہ ڈھونڈ رہا ہے۔ اس کا فاصلہ دو مہینے کی راہ تھا اور وہ سرخ یا قوت کا بنا ہوا تھا، مکانات سونے کے اور قلعے کے ایک ہزار برج تھے۔ ان معدنیات سے بنے ہوئے جو بحر ظلمات سے نکلتی ہیں اس کی تعمیر میں وہ نفیس جواہرات اور معدنیات لگی ہوئی تھیں۔ اسی وجہ سے اس کا نام قلعہ جوہر مکنی تھی۔ بڑا عظیم الشان قلعہ تھا اس کے بادشاہ کا نام شہلان تھا اور وہ تنیوں لڑکیوں کا باپ تھا۔

یہ تو جان شاہ کی داستان ہوئی، اب شمسہ کی کہانی سنئے، جب وہ جان شاہ کی پاس سے بھاگ کر آنے ماں باپ اور گھر والوں کے پاس پہنچی تو اس نے وہ سارا ماجرا کہہ سنایا جو اسے جان شاہ کے ساتھ پیش آیا تھا اور جان شاہ کی ساری کہانی بھی بیان کی کہ وہ دنیا بھر میں گھوما ہے اور اس نے عجیب و غریب باتیں دیکھیں ہیں۔ اس نے ان سے یہ بھی کہا کہ وہ اسے چاہتا ہے اور میں بھی اسے چاہتی ہوں اور یہ کہ ان کے درمیان کیا ماجرا پیش آیا۔ جب اس کی ماں باپ نے اس کی باتیں سنیں تو انہوں نے کہا اس

کے ساتھ یہ تیرا برتاؤں خدا کو پسند نہیں۔ اس کے بعد اس کے باپ نے یہ سارا قصہ اپنے خادم دیوؤں سے بیان کیا اور کہا کہ تم میں سے کوئی کسی انسان کو دیکھے اسے میرے پاس لے آئے۔ شمسہ نے اپنی ماں سے بھی کہہ دیا تھا کہ جان شاہ مجھ پر مرتا ہے اور وہ ضرور یہاں آئے گا۔ اس لیے کہ وہاں سے اڑتے وقت میں نے اس سے کہا تھا کہ اگر تجھے میری محبت ہے تو میرے پاس قلعے جوہر مکنی تک آ۔

غرض کہ جان شاہ کو یہ چمک دمک دکھائی دی تو وہ اس کی طرف چل کھڑا ہوا کہ دیکھے وہ کیا ہے؟ اتفاق سے اس وقت شمسہ نے اپنے ایک خادم دیو کو کسی کام کے لیے جیل قرموس بھیجا تھا۔ یہ دیو جا ہی رہا تھا کہ اسے دور سے ایک انسان دکھائی دیا۔ اسے دیکھ کر وہ اس کے پاس آیا اور سلام کیا۔ جان شاہ دیو کو دیکھ کر سم گیا اور ڈرتے ڈرتے سلام کا جواب دیا۔ دیو نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام جان شاہ ہے اور میں ایک پری پر عاشق ہوں جس کا نام شمسہ ہے، میں اس کے حسن و جمال پر گرویدہ ہوں اور اس کے لیے میری جان جاتی ہے۔ میں اسے اپنے باپ کے محل میں لے گیا تھا مگر وہ بھاگ گئی۔ مختصر یہ کہ اس نے دیو سے ساری سرگزشت بیان کر دی جو پری کے ساتھ پیش آئی تھی۔ جان شاہ دیو سے بیان کرتا جاتا اور روتا جاتا۔

جان شاہ کو روتا دیکھ کر دیو کا دل پھٹنے لگا اور اس سے کہا رو نہیں، تیری مراد پوری ہونے کے دن آ گئے ہیں۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ بھی تجھے بہت چاہتی ہے۔ اس نے اپنے ماں باپ سے تیری محبت کا ذکر کر دیا ہے اور سب قلعے والے بھی تجھے چاہنے لگے ہیں، خوش ہو جا۔ پھر دیو نے اسے اپنے دونوں کندھوں پر بٹھا کر قلعہ جوہر مکنی تک پہنچا دیا۔ مخبروں نے جا کر بادشاہ شہلان، شمسہ اور اس کی ماں کو خبر دی کہ جان شاہ آ گیا ہے۔ مخبر ان کے پاس پہنچے تو وہ بہت خوش ہوئے۔ بادشاہ شہلان نے تمام دیوؤں کو حکم دیا کہ جا کر جان شاہ سے ملیں اور خود تمام جنوں، عفریتوں اور دیوؤں کے ساتھ جان شاہ سے ملنے روانہ ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• پانچ سو چھپیس ویں رات

جب پانچ سو چھپیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- شہلان تمام جنوں، عفریتوں اور دیوؤں کے لے کر جان شاہ سے ملنے چلا اور جان شاہ کے پاس پہنچ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ جان شاہ نے بادشاہ شہلان کے ہاتھ چومے اور رنگ برنگ کے ریشم کے ایک نہایت نفیس پوشاک عطا کی جس پر سونے کا کشیدہ کڑھا ہوا تھا اور ہیرے نٹکے ہوئے تھے۔ پھر اس نے اسے ایک تاج پہنایا جو کسی انسانی بادشاہ کی نظر سے بھی نہ گزرا ہو گا۔ اس کے بعد جنوں کے بادشاہوں کے اصطبل میں سے ایک گھوڑا منگوا کر اسے سوار کیا، خود سوار ہوا، دیوؤں کا لشکر دائیں بائیں تھا۔ بڑے جلوس کے ساتھ دونوں محل کے دروازے پر پہنچے۔ جان شاہ جہاں اترا تو اس نے دیکھا کہ وہ بڑا عالی شاہ محل ہے۔ اس کی دیواریں ہیرے، جواہرات، یاقوت اور نفیس معدنیات کی ہیں۔ فرش پر بلور، زیر حد زمرہ جڑا ہے۔ وہ یہ چیزیں دیکھ دیکھ کر کبھی حیران ہوا اور کبھی روتا۔

بادشاہ اور شمسہ کی ماں اس کے آنسو پونچھتے اور کہتے، رو نہیں، اب غم کے آنسوؤں کا کیا کام، یقین کر کہ تیری مراد بر آئی۔ محل کے بیچ میں پہنچا تو اسے خوبصورت کنیریں، غلام اور نوکر ملے۔ انہوں نے اسے بہترین جگہ بٹھایا اور اس کی خدمت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جان شاہ اس مقام کی خوبصورتی اور عمارات کی شان پر حیران تھا جو نفیس ہیرے جواہرات اور طرح طرح کے معدنیات سے بنی ہوئی تھیں۔

پھر بادشاہ شہلان اپنے دیوار میں جا کر بیٹھا، کنیروں اور غلاموں کو حکم دیا کہ وہ جا کر جان شاہ کو لائیں۔ وہ بادشاہ کے پاس آیا تو بادشاہ اٹھ کھڑا ہوا، اسے تخت پر اپنے پہلو میں جگہ دی۔ دسترخوان بچھایا گیا اور انہوں نے کھایا پیا اور ہاتھ دھوئے۔ اس کے

بعد شمسہ کی ماں نے آکر اسے سلام کیا اور کہا کہ تکلیفوں کے بعد اب تیری مراد پوری ہوئی اور جاگنے کے بعد تجھے نیند آئی۔ شکر ہے خدا کا تیری سلامتی پر!

اب وہ اٹھ کر اپنی بیٹی شمسہ کے پاس گئی اور اسے جان شاہ کے پاس لے آئی۔ جب شمسہ اس کے پاس آئی تو اس نے اسے سلام کیا، ہاتھ چومے اور اپنے ماں باپ سے شرما کر اپنا سر جھکا لیا۔ بعد ازاں اس کی بہنیں آئیں جو اس کے ساتھ محل میں تھیں۔ انہوں نے بھی جان شاہ کے ہاتھ چومے اور سلام کیا۔ شمسہ کی ماں نے کہا بیٹا خوش آمدید! میری بیٹی شمسہ تیری بڑی قصور وار ہے، مگر ہماری خاطر اسے کچھ نہ کہیو۔ یہ سن کر جان شاہ نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر پڑا۔ بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا۔

لوگوں نے اسے کے چہرے پر گلاب چھڑکا جس میں مشک اور عطر ملا ہوا تھا۔ جب اسے ہوش آیا اور اس کی نظر شمسہ پر پڑی تو اس نے کہا شکر ہے خدا کا جس نے میری مراد پوری کی اور میری آگ بجھا دی، اب میرے دل میں بالکل سوزش نہیں۔ شمسہ نے کہا، خدا تجھے آگ سے محفوظ رکھے! لیکن اے جان شاہ میں چاہتی ہوں کہ تو مجھ سے ساری داستان کہہ جو میری جدائی کے بعد تجھ پر گزری ہے اور یہ بتا کہ تو اس جگہ کیوں کر پہنچا حالانکہ اکثر جنوں کو بھی قلعے جوہر شکنی کی خبر نہیں۔ ہم تمام بادشاہ سے فرنت ہیں، کسی کو یہاں کا راستہ معلوم نہیں بلکہ اس کا نام بھی کوئی نہیں جانتا۔

جان شاہ نے اپنے پہنچنے کا سارا ماجرا کہہ سنایا اور وہ واقعات بھی سنائے جو اس کے باپ کو راجا کفید کے ساتھ پیش آئے تھے۔ اس کے علاوہ اس نے راہ کی ساری مصیبتوں، خوفناک چیزوں اور عجائبات کا بھی ذکر کیا اور کہا اے شمسہ یہ سب پتائیں تیرے طفیل پڑیں۔ اس کی ماں نے کہا کہ اب تیری مراد بر آئی اور ہم شمسہ کو تجھے بطور ہدیہ کے دیتے ہیں۔ یہ سن کر جان شاہ بہت خوش ہوا۔ پھر ماں نے کہا اگر خدا کو منظور ہے تو ہم اگلے مہینے میں جشن کریں گے اور تیری شادی اس سے کر دیں گے اور تو اسے لے کر وطن چلا جائے گا۔ ایک ہزار دیو ہم تجھے دیں گے، تو ان میں سے کمزور سے کمزور کو بھی حکم دے گا تو وہ فوراً راجہ کفید اور اس کی فوج کو قتل کر آئے

گا اور ہر سال ہم تیرے پاس ایسے دیو بھیجا کریں گے۔ ان میں سے ایک تیرے تمام
دشمنوں کو ہلاک کر سکتا ہے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کے اسے اجازت
ملی تھی۔

URDU4U.COM

○○○

• پانچ سو ستائیسویں رات

جب پانچ سو ستائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- شمسہ کی ماں نے کہا ہم ہر سال تیرے پاس ایسے دیو بھیجا کریں گے کہ اگر تو ان میں سے کسی ایک کو بھی حکم دے گا تو وہ تیرے تمام دشمنوں کو ایک ایک کر کے ہلاک کر دے گا۔ یہ باتیں ہو چکیں تو بادشاہ شہلان تخت پر بیٹھا اور حکومت کے بڑے آدمیوں کو حکم دیا کہ ایک بڑا جشن کریں اور سات دن رات شہر سجا رہے۔ انہوں نے فوراً جا کر جشن کی تیاری شروع کر دی اور دو مہینے تک تیاری کرتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے شمسہ کی شادی رچائی۔ ایسی خوشیاں منائیں جس کی نظیر نہیں۔ وہ شمسہ کے ساتھ دو سال تک بڑے عیش و عشرت سے رہا اور کھانے پینے اور مزے اڑانے میں سر کی۔ ساری مرادیں بر آگئیں تو اس نے شمسہ سے کہا تیرے باپ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمیں وطن بھیج دے گا اور ہم ایک سال وہاں گزاریں گے اور ایک سال یہاں۔ شمسہ نے سر جھکا لیا اور جب شام ہوئی تو وہ اپنے باپ کے پاس گئی۔ جو کچھ جان شاہ نے اس سے کہا تھا باپ سے بیان کیا۔ وہ بولا بہت اچھا۔ مگر اگلے مہینے کے شروع تک ٹھہر جا ہم دیوؤں کو تم دونوں کو کے لیے تیار کر دیں۔ شمسہ نے اپنے باپ کا ارادہ جان شاہ سے بیان کیا اور وہ اس مدت تک ٹھہرا رہا جو بادشاہ نے مقرر کی تھی۔ اس کے بعد بادشاہ شہلان نے دیوؤں سے کہا کہ شمسہ اور جان شاہ کی خدمت کرو اور انہیں جان شاہ کے وطن میں پہنچا آؤ۔ بادشاہ نے ان کے لیے سرخ سونے کا ایک بڑا تخت تیار کرایا جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ جس کے اوپر سبز ریشم کا شامیانہ تھا جس میں رنگ برنگ کے بیل بوٹے اور عمدہ عمدہ ہیرے جواہرت ٹنکے ہوئے تھے۔ آنکھیں اسے دیکھ کر چندھیا جاتی تھیں۔

جان شاہ اور شمسہ تخت کے اوپر بیٹھے۔ تخت اٹھانے کے لیے چار دیو چنے اور چاروں نے

ایک ایک طرف سے اس تخت کو اٹھایا جس پر جان شاہ اور شمسہ سوار تھے۔ اب شمسہ اپنے باپ، بہنوں اور گھر والوں سے رخصت ہوئی۔ اس کا باپ سوار ہو کر جان شاہ کے ساتھ ہو لیا اور دیو تخت کو لے کر چل دیئے۔ بادشاہ شہلان دوپہر تک برابر ان کے ساتھ چلا گیا، دوپہر ہو گئی تو دیوؤں نے ایک جگہ تخت اتارا۔ سب ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے۔ شہلان نے جان شاہ سے کہا میں شمسہ کو تیری حفاظت میں دیتا ہوں اور دونوں کو دیوؤں کے سپرد کر کے ان سے کہا تخت اٹھاؤ۔ شمسہ کے باپ نے اسے تین سو خوبصورت کنیریں دیں تھیں اور جان شاہ کو جنوں میں سے تین سو غلام۔ سب اس تخت پر بیٹھ گئے اور دیو اسے اڑا کر زمین اور آسمان کے درمیان روانہ ہو گئے۔ روازانہ تیس مہینے کی راہ طے کرتے ہوئے دس دن تک اڑتے رہے۔ ایک دیو کابل کے ملک کو جانتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ ملک آ گیا ہے تو اس نے حکم دیا اس ملک کے بڑے شہر میں اترو، یہ شہر بادشاہ طیغموس کا دارالسلطنت تھا اور وہ وہاں اتر پڑے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو اٹھائیسویں رات

جب پانچ سو اٹھائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- دیو جان شاہ اور شمسہ کو لے کر بادشاہ طیغموس کے دارالسلطنت میں اتر پڑے۔ یہ وہ وقت تھا کہ بادشاہ طیغموس نے دشمن سے بھاگ کر شہر کے اندر پناہ لی تھی اور راجا کو کفید نے اسے چاروں طرف سے گھیر کر سخت محاصرے میں لے رکھا تھا۔ وہ راجا کفید سے امان مانگتا تھا مگر وہ امان نہ دیتا تھا۔ جب بادشاہ طیغموس کو معلوم ہوا کہ چھٹکارے کی کوئی تدبیر نہیں تو اس نے خود کشی کی ٹھان لی تاکہ مر کر وہ اس رنج و غم سے چھٹکارا پائے اور وزیروں، امیروں کو خدا حافظ کہہ کر گھر والوں سے رخصت ہونے حرم سرا میں گیا۔ رعایا رونے پینے لگی اور سوگ میں پڑ گئی۔ وہ اسی حالت میں تھا کہ دیو اس محل پر پہنچ گئے جو قلعے کے اندر تھا اور جان شاہ نے انہیں حکم دیا کہ تخت کو بیچ دربار میں اتار دیں۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب شمسہ، کنیریں اور غلام تخت سے اترے تو انہوں نے دیکھا کہ شہر والے محاصرے میں ہیں اور ان پر بڑی مصیبت اور بلا نازل ہو رہی ہے۔ جان شاہ نے شمسہ سے کہا اے میرے دل کی پیاری اور آنکھ کی ٹھنڈک، دیکھ میرا باپ کسی مصیبت میں گرفتار ہے۔ شمسہ نے اس کے باپ اور ملک کی یہ حالت دیکھی تو اس نے دیوؤں کو حکم دیا کہ اس لشکر کو ماریں اور قتل کریں جو شہر کو گھیرے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑیں۔ جان شاہ نے ایک نہایت طاقتور دیو کو جس کا نام لے کر ادھر روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر تخت پر شامیانہ لگایا اور آدھی رات تک انتظار کرنے کے بعد راجا کفید اور اس کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ ان میں سے ایک ایک دیو آٹھ آٹھ دس دس کو ہاتھیوں پر سے لے کر ہوا میں اڑ جاتا اور اس طرح پھینکتا کہ ہوا ہی میں ان کے پرزے پرزے ہو جاتے۔ بعض دیو انہیں

لوہے کے گرزوں سے چکنا چور کر دیتے۔ اتنے میں قراطش دیو، راجا کفید کے خیمے کی طرف گیا، وہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا کہ دیو اس کی طرف دوڑا اور اسے اٹھا کر ہوا میں اڑا گیا۔ راجا کو دیو کے ڈر سے چلانے لگا اور چلاتے چلاتے بے ہوش ہو گیا۔ دیو نے اسے لا کر جان شاہ کے آگے تخت پر ڈال دیا۔ جان شاہ نے حکم دیا کہ چاروں دیو تخت کو ہوا میں اڑائے لے چلیں۔ راجا کفید کی جو آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو زمین اور آسمان کے درمیان پایا، وہ خوف سے کانپنے اور اپنا منہ پیٹنے لگا۔

یہ تو راجا کفید کی کہانی ہوئی اب بادشاہ طیغموس کا حال سنو۔ جب اس نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو قریب تھا کہ خوشی کے مارے مر جائے۔ اس نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ لوگوں نے اس پر گلاب چھڑکا، ہوش آیا تو وہ اس کا بیٹا ایک دوسرے کے گلے لپٹ گئے اور خوب روئے۔ بادشاہ طیغموس کو یہ خبر نہ تھی کہ دیو راجا کفید سے لڑ رہے ہیں۔ اس اثنا میں شمسہ انھی اور جان شاہ کے باپ بادشاہ طیغموس کے پاس پہنچی اور اس کے ہاتھ چوم کر کہا کہ محل کے اوپر چل کر میرے باپ کے دیوؤں کی لڑائی کا تماشا دیکھ۔ بادشاہ محل کی چھت پر گیا۔ وہ اور شمسہ بیٹھ کر دیوؤں کی لڑائی کا تماشا دیکھنے لگے کہ وہ لشکر کو دائیں بائیں مار رہے ہیں۔ کوئی لوہے کا گرز لے کر ہاتھی پر اس زور سے مارتا ہے کہ ہاتھی اور سوار کچل کر رہ جاتے ہیں ہاتھی اور انسان میں کوئی پہچان باقی نہیں رہتی۔ بعض بھاگتی ہوئی ٹولی کے پاس جا کر اس زور سے چیختا ہے کہ وہ مر کر گر جاتے ہیں بعض ان میں سے کم وہ بیش بیس سواروں کو لے کر ہوا میں اڑ جاتا ہے اور پھر زمین پر اس زور سے پگھلتا ہے کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ ہو رہا تھا اور جان شاہ اس کا باپ اور شمسہ انہیں دیکھ رہے اور لڑائی کا لطف اٹھا رہے تھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ انتیسویں رات

پانچ سو انتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- طیغموس،

اس کا بیٹا جان شاہ اور جان شاہ کی بیوی شمسہ محل کی چھت سے اس لڑائی کی سیر کر رہے تھے جو دیوؤں اور راجا کو کفید کے لشکر میں ہو رہی تھی۔ راجا کفید بھی تخت پر بیٹھا انہیں دیکھتا اور روتا جاتا تھا۔ دو دن تک راجا کے لشکر میں قتل عام ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ سب مارے گئے۔ اب جان شاہ نے دیوؤں کا حکم دیا کہ تخت کو لے کر بادشاہ طیغموس کے قلعے کے بیچ میں زمین پر اتار دیں اور وہ تخت نیچے اتار لائے جیسا کہ ان کے مالک شہزادے جان شاہ نے حکم دیا تھا۔ بادشاہ طیغموس نے ایک دیو کو حکم دیا جس کا نام شموال تھا کہ وہ راجا کفید کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دے اور اسے کالے برج میں قید کر آئے۔ شموال نے ایسا ہی کیا جیسا کہ اسے حکم دیا گیا تھا۔ اس کے بعد بادشاہ طیغموس نے حکم دیا کہ نقارے بجائے جائیں اور ایلچیوں کو جان شاہ کی ماں کے پاس بھیجا۔ انہوں نے جا کر اسے خبر دی کہ تیرا بیٹا آ گیا ہے اور اس نے یہ یہ کام کئے ہیں۔ وہ خوش ہو گئی اور سوار ہو کر بیٹے کے پاس پہنچی۔ جان شاہ دیکھتے ہی اس کے سینے سے لگ گیا اور وہ مارے خوشی کے غش کھا کر گر پڑی۔ لوگوں نے اس کے منہ پر گلاب چھڑکا، جب اسے ہوش آیا تو اس نے دوبارہ بیٹے کو گلے سے لگایا اور مارے خوشی کے آنسو بہانے لگی۔ شمسہ کو معلوم ہوا کہ جان شاہ کی ماں آ گئی ہے تو وہ اٹھ کر اس کے پاس پہنچی، اسے سلام کیا اور دونوں دیر تک ایک دوسرے کے گے لپٹے رہیں اور پھر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

اب بادشاہ طیغموس نے شہر کے دروازے کھول دیئے، سارے ملک میں خوشخبری دینے والے بھیجے، انہوں نے ہر طرف خبر پہنچا دی۔ بادشاہ کے پاس عمہ عمہ تھنے تحائف آنے لگے اور تمام شہروں کے امراء، لشکری اور حکام آئے کے اسے سلام کریں۔ اس فتح اور اس کے بیٹے کی سلامتی پر مبارکبادیں دیں۔ ایک عرصے تک یہی حالت رہی کہ لوگ عمہ عمہ تھنے تحائف لے کر ان پاس آتے اور مبارک باد دیتے، اس کے بعد بادشاہ نے شمسہ کو دوبارہ ولیمہ کیا اور حکم دیا کہ شہر سجایا جائے اور دلہن کو نفیس نفیس پوشاکیں اور زیور پہنا کر جان شاہ کے سامنے منہ دکھائی کی رسم ادا کی اور اس کی خدمت کے لیے سو خوبصورت کنیریں دیں۔ کچھ دن گزر گئے تو شمسہ نے بادشاہ طیغموس کے پاس جا کر راجا کفید کی سفارش کی اور کہا اسے چھوڑ دے۔ وہ اپنے وطن چلا جائے، اگر اس نے پھر کوئی شرارت کی تو میں ایک دیو کو حکم دوں گی کہ وہ اسے اٹھا کر تیرے پاس لے آئے۔ بادشاہ نے قبول کیا اور شموال سے کہلا بھیجا کہ راجا کفید کو حاضر کرے۔ وہ اسے بیڑیوں اور زنجیروں سمیت لے آیا۔ جب راجہ حاضر ہوا اور اس نے بادشاہ کے آگے زمین چومی تو اس نے حکم دیا کہ اس کی بیڑیاں کھول دی جائیں، اس کی بیڑیاں کھول دی گئیں۔ بادشاہ نے اسے ایک لنگڑے گھوڑے پر بٹھا کر کہا کہ شنزادی شمسہ نے تیری سفارش کی ہے لہذا اپنے وطن جا اور اگر تو نے دوبارہ یہ حرکت کی تو وہ تجھے ایک دیو بھیج کر پکڑوائے گی۔ الغرض راجا کفید بدترین حالت میں اپنے وطن روانہ ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو تیسویں رات

جب پانچ سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- راجا کفید بد ترین حالت میں اپنے وطن روانہ ہوا اور جان شاہ، اس کا باپ اور شمسہ نہایت عیش و عشرت سے زندگی گزارنے لگی۔

یہ قصہ بلوقیا سے اس جوان نے کہا جو دونوں قبروں کے بیچ میں بیٹھا ہوا تھا۔ پھر بولا اے بھائی بلوقیا میں ہی جان شاہ ہوں جس نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ بلوقیا جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں مارا مارا پھرتا تھا، یہ کہانی سن کر اچنبھے میں پڑ گیا اور جان شاہ سے کہا اچھا بھائی ان دونوں قبروں کا کیا قصہ ہے تو ان کے بیسیج کیوں بیٹھا ہوا ہے اور رونے کا کیا سبب ہے؟ جان شاہ نے جواب دیا کہ اے بلوقیا سن! ہم عیش و عشرت کے ساتھ خوش و خرم زندگی بسر کرتے۔ ایک سال اپنے وطن میں اور ایک سال قلعے جوہر مکنی میں رہتے تو اس طرح تخت پر بیٹھتے اور دیو اسے اٹھا کر زمین اور آسمان کے درمیان لے اڑتے اور ادھر سے ادھر، ادھر سے ادھر پہنچا دیتے۔ بلوقیا نے کہا اے بھائی، اے جان شاہ، اس قلعے اور تمہارے وطن کی درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ جان شاہ نے کہا ہم روز تیس مہینے کی راہ طے کرتے اور دس دن میں قلعے پہنچتے خیر اب سنو کئی سال تک ہمارا یہی طور اور ہماری یہی حالت رہی۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ ہم چلتے چلتے یہاں پہنچے، تخت سے اتر کر جزیرے کی سیر کرنے لگے اور دیا کے کنارے بیٹھ کر کھانے پینے لگے۔ شمسہ نے کہا میں اس دیا میں نہانا چاہتی ہوں اور اس نے اپنا لباس اتار ڈالا۔ کنیزوں نے بھی اپنے کپڑے اتار دیئے اور سب دیا میں اتر کر تیرنے لگیں۔ میں کنارے پر ٹھلٹا رہا اور کنیزوں کو شمسہ کے ساتھ کھیلنے دیا۔ اتنے میں ایک بہت بڑے مگر مجھ نے کنیزوں کو چھوڑ کر شمسہ کے پاؤں پر منہ مارا وہ چیخ کر فوراً مر گئی۔ کنیزیں بھاگ کر خیمے میں آ چھپیں۔ پھر بعض

کنیزیں جا کر اس کی لاش کو خیمے میں لائیں۔ جب میں نے اسے مردہ دیکھا تو میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگوں نے میرے منہ پر گلاب چھڑکا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں رونے پینے لگا اور دیوؤں کو حکم دیا کہ وہ تخت کو لے کر اس کے گھر والوں کے پاس جائیں اور یہ ماجرا بیان کریں۔ انہوں نے جا کر اس کے ماں باپ کو خبر کی۔ تھوڑی ہی دنوں بعد وہ یہاں آئے اور انہوں نے اسے غسل دے کر کفن پہنایا اور اس جگہ دفن کر دیا اور مجھ سے اپنے ساتھ چلنے کو کہا میں نے اس کے باپ سے کہا کہ اس کی قبر کے پاس ایک اور قبر کھود دے۔ وہ میری قبر ہو گی تاکہ جب میں مروں تو اس کے پہلو میں دفن کیا جاؤں۔ بادشاہ شہلان نے ایک دیو کو حکم دیا کہ وہ میرے حکم کی تعمیل کرے، اس نے ایسا ہی کیا جیسا میں چاہتا تھا۔ اس کے بعد وہ مجھے روتا پینتا چھوڑ کر چلے گئے۔ یہ ہے میری کہانی اور میرے اس جگہ بیٹھنے کا سبب۔ بلوقیا، جان شاہ کی باتیں سن کر اچنبھے میں پڑ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو اکتیس ویں رات

جب پانچ سو اکتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب بلوقیا نے جان شاہ کی داستان سنی تو اسے بڑا اچنبھا ہوا اور وہ کہنے لگا میرا گمان تھا کہ میں نے دنیا کی بہت سیاحت کی ہے لیکن خدا کی قسم تیری کہانی سن کر میں وہ ساری باتیں بھول گیا ہوں جو میں نے دیکھی تھیں۔ پھر اس نے جان شاہ سے کہا بھائی مہربانی کر کے مجھے میرا راستہ بتا دے کہ میں صحیح و سلامت چلا جاؤں۔ جان شاہ نے اسے سیدھے راستے پر لگا دیا اور وہ رخصت ہو کر چل دیا۔

یہ کہانی سانپوں کی رانی حاسب کو سنا رہی تھی؟ حاسب کریم الدین نے پوچھا تجھے یہ سب باتیں کس طرح معلوم ہوئیں؟ اس نے کہا اے حاسب کریم الدین پچیس سال ہوئے کہ میں نے ایک بڑا سانپ مصر کے ملک میں بھیجا تھا اور بلوقیا کے نام ایک خط دیا کہ اسے پہنچا دے۔ سانپ خط لے کر بنت شموخ کے اس پہنچا جس کی ایک بیٹی مصر میں رہتی تھی۔ وہاں سے مصر کے شہر میں پہنچا اور لوگوں سے بلوقیا کا پتہ پوچھا اور پتہ معلوم کر کے سانپ نے بلوقیا کو ڈھونڈ نکالا اور سلام کے بعد اسے خط دے دیا۔ بلوقیا نے خط پڑھا، اس کا مطلب سمجھا اور سانپ سے کہنے لگا کیا تو سانپوں کی ملکہ کے پاس سے آیا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ بلوقیا نے کہا میں تیرے ساتھ سانپوں کی ملکہ کے پاس چلنا چاہتا ہوں مجھے اس سے ایک کام ہے۔ سانپ اسے لے کر پہلے اپنی بیٹی کے پاس پہنچا۔ وہاں سے رخصت ہو کر چلا تو بلوقیا سے کہا اپنی آنکھیں بند کر لے، اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، کھولیں تو اسی پہاڑ پر تھا جس پر اب میں ہوں۔ وہ بلوقیا کو لے کر اس سانپ کے پاس پہنچا جس نے خط دیا تھا اور اسے سلام کیا۔ اس نے پوچھا۔ کیا تو خط بلوقیا کے پاس پہنچا آیا؟ اس نے جواب دیا ہاں بلکہ وہ میرے ساتھ آیا ہے اور وہ یہ ہے۔ بلوقیا نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور سانپوں کی ملکہ

کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا وہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ کہہ قاف گئی ہے، گرمیوں میں لوٹے گی۔ جب کبھی وہ کہہ قاف پر جاتی ہے تو مجھے اپنا جانشین بنا جاتی ہے۔ اگر تجھے کوئی ضرورت ہو تو میں اسے پورا کر سکتا ہوں۔ بلوقیا نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے وہ بوٹی لا دے جس کا عرق پینے والا نہ کمزور ہوتا ہے نہ بوڑھا اور نہ مرتا ہے۔ سانپ نے کہا وہ بوٹی اس وقت تک نہیں لاؤں گا جب تک یہ نہ بتا دے کہ جب تو اور عفان حضرت سلیمان علیہ السلام کے مدفن کے پاس گئے تھے تو سانپوں کی ملکہ سے رخصت ہونے کے بعد تیرے ساتھ کیا کیا باتیں پیش آئی تھیں۔

بلوقیا نے اپنی ساری کہانی شروع سے لے کر آخر تک دہرا دی۔ جان شاہ کو قصہ بھی سنا دیا اور پھر اس سے کہا اب میرا کام کر دے کہ میں اپنے وطن چلا جاؤں۔ سانپ نے کہا حضرت سلیمان علیہ السلام کے سر کی قسم، مجھے اس بوٹی کا پتہ نہیں اور اس نے اس سانپ سے کہا جو بلوقیا کو لایا تھا کہ اسے اس کے وطن پہنچا دے۔ سانپ نے بلوقیا سے کہا آنکھیں بند کر لے۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو نوجبل المقطب میں پایا اور وہاں سے وہ اپنے گھر پہنچ گیا۔ سانپوں کی ملکہ کہہ قاف سے لوٹی تو اس کا جانشین سانپ اس کے پاس آیا اور اسے سلام کر کے کہا کہ بلوقیا تجھے سلام کہہ گیا ہے۔ اس کے بعد سانپ نے اس سے وہ سارا قصہ کہہ سنایا جو بلوقیا نے اسے سے بیان کیا تھا یعنی جو کچھ اس نے اپنے سفر میں دیکھا تھا اور جس طرح اس کی ملاقات جان شاہ سے ہوئی تھی۔

سانپوں کی ملکہ نے حاسب کریم الدین سے کہا کہ اے حاسب یہ ہے وہ شخص جس نے مجھے یہ خبر دی۔ حاسب نے کہا اے سانپوں کی ملکہ مصر واپس جانے کے بعد بلوقیا کے ساتھ کیا واقعات پیش آئے؟ اس نے کہا اے حاسب سن۔ جان شاہ سے رخصت ہونے کے بعد بلوقیا چلتے چلتے ایک بڑے سمندر پر پہنچا اور اپنے پاؤں پر وہ عرق مل کر جو اس کے پاس تھا، پانی پر چلنے لگا یہاں تک کہ وہ ایک جزیرے میں پہنچا جہاں بہت سے درخت،

ندیاں اور پھل تھے، وہ جزیرہ کیا گویا جنت تھا۔ اس جزیرے میں پھرتے پھرتے وہ ایک درخت کے پاس پہنچا جس کے پتے ایسے تھے جیسے کشتی کے بادبان۔ درخت کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اس کے نیچے دستر خوان بچھا ہوا ہے۔ جس پر طرح طرح کے نفیس کھانے چنے ہوئے ہیں۔ اسے درخت کے اوپر ایک بڑی چٹیا دیکھائی دی جو موتیوں اور سبز زمرد کی تھی اور جس کے پاؤں چاندی کے، چونچ سرک یا قوت کی، پر نفیس معدنیات کے تھے اور وہ خدا کی پاکی بیان کرتی اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتی تھی۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• پانچ سو بتیسویں رات

جب پانچ سو بتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- بلوقیا نے اس بڑے پرندے کو دیکھا تو اس سے پوچھا تو کون ہے اور تیرا کیا قصہ ہے؟ اس نے جواب دیا میں جنت کا ایک پرندہ ہوں اور اے بھائی سن، جب خدا نے آدم کو جنت سے نکالا تو اسے چار پتے دیئے کہ وہ ان سے اپنا بدن ڈھانک لے۔ جب یہ پتے زمین پر گرے تو ان میں سے ایک کو ریشم کے کیڑے نے کھا لیا اور اس سے ریشم پیدا ہوا۔ دوسرے کو غزالوں نے کھایا اور اس سے مشک پیدا ہوا، تیسرے کو شہد کی مکھی نے کھا لیا اور اس سے شہد پیدا ہوا، چوتھا جا کر ہندوستان میں گرا اور اس سے طرح طرح کے مسالے پیدا ہوئے اور میرا قصہ یہ ہے میں نے ساری دنیا کی سیر کی یہاں تک کہ خدا نے اپنی مہربانی سے مجھے اس جگہ پہنچا دیا اور میں یہاں آ کر ٹھہر گیا۔ ہر جمعرات اور جمعہ کو دنیا کے تمام اولیاء اور قطب یہاں آتے ہیں، اس جگہ کو زیارت کرتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں جو خدا کی طرف سے ہر جمعرات اور جمعہ کو ان کی صیافت کے لیے آتا ہے۔ اس کے بعد وہ دسترخوان بغیر کسی اور تغیر و تبدل کے جنت کی طرف اٹھا لیا جاتا ہے۔

بلوقیا نے بھی اس میں سے کھایا اور کھا کر خدا کا شکر ادا کر ہی رہا تھا کہ خضر علیہ السلام آ پہنچے۔ بلوقیا نے اٹھ کر سلام کیا اور چلنے لگا۔ پرندے نے کہا، اے بلوقیا خضر علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھ۔ وہ بیٹھ گیا۔ خضر علیہ السلام نے کہا۔ اے بلوقیا، اپنا حال بیان کر اور اپنا قصہ سن۔ بلوقیا نے اپنا سارا قصہ شروع سے لے کر اس وقت تک کہ وہ اس جگہ پہنچا کہ سنایا اور خضر سے پوچھا اے میرے آقا! یہاں سے مصر تک کتنا فاصلہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ پچانوے سال کی مسافت۔ بلوقیا یہ سن کر رونے لگا جھک کر خضر علیہ السلام کا ہاتھ چوما اور کہا مجھے اس غربت سے چھٹکارا دے، خدا

تجھے اس کا اجر دے گا میں بربادی کے قریب پہنچ چکا ہوں اور کوئی تدبیر میری سمجھ میں نہیں آتی۔ خضر علیہ السلام نے کہا خدا سے دعا مانگ، وہ مجھے اجازت دے کہ میں تجھے تباہی سے پہلے مصر پہنچا دوں۔ بلوقیا رونے اور خدا کی درگاہ میں گڑگڑانے لگا۔ خدا نے اس کی دعا منظور کر لی اور خضر علیہ السلام پر الہام کیا کہ اسے اس کے گھر پہنچا دے۔ خضر علیہ السلام نے بلوقیا سے کہا اپنا سر اٹھا، خدا نے تیری دعا منظور کر لی ہے اور مجھ پر الہام کیا ہے کہ میں تجھے مصر پہنچا دوں۔ مجھ سے چمٹ جا، مجھے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لے اور آنکھیں بند کر لے۔ بلوقیا خضر علیہ السلام سے چمٹ گیا، دونوں ہاتھوں سے انہیں پکڑ لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ خضر علیہ السلام نے ایک قدم بڑھایا اور بلوقیا سے کہا آنکھیں کھول۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا پایا۔ اب وہ خضر علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا کہ ان سے رخصت ہو لیکن کہیں ان کا نشان تک نہ پایا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو تینتیس ویں رات

جب پانچ سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- بلوقیا نے آنکھیں کھولیں کہ خضر علیہ السلام سے رخصت ہو تو انہیں نہ پایا اور گھر کے اندر گیا۔ ماں نے دیکھا تو خوشی کے مارے غش کھا کر زمین پر گر پڑی۔ لوگوں نے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے بلوقیا کو گلے سے لگا لیا اور بلک بلک کر رونے لگی۔ بلوقیا کبھی روتا اور کبھی ہنستا تھا۔ سارے گھر والوں، رشتے داروں اور دوست احباب نے آ کر سلامتی کی مبارک باد دی۔ یہ خبر تمام ملک میں پھیل گئی اور ہر طرف سے ہدیے آئے اور نقارے، مجیرے بجنے لگے۔ سب لوگ بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد بلوقیا نے اپنی ساری کہانی کہی، سارا ماجرا سنایا اور یہ کہ خضر علیہ السلام نے آ کر اسے گھر کے دروازے پر پہنچا دیا۔ لوگوں کو بڑا اچنبھا ہوا اور وہ اتنا روئے کہ روتے روتے تھک گئے۔

یہ ساری داستان سانپوں کی ملکہ بیان کر رہی تھی، حاسب کریم الدین کو اچنبھا ہو رہا تھا اور اس کے آنسو جاری تھے۔ اب اس نے سانپوں کی ملکہ سے کہا میں اپنے وطن جانا چاہتا ہوں۔ سانپوں کی ملکہ نے کہا اے حاسب میں ڈرتی ہوں کہ تو اپنے وطن پہنچ کر بے وفائی کرے گا، قسم توڑ ڈالے گا جو تو نے کھائی ہے اور حمام چلا جائے گا۔ ملکہ کریم الدین نے اور بہت سی قسمیں کھائی کہ میں زندگی بھر حمام نہ جاؤں گا۔ ملکہ نے ایک سانپ کو حکم دیا کہ حاسب کریم الدین کو زمین کے اوپر پہنچا آ۔ سانپ اسے لے کر چلا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ ہوتا ہوا ایک ٹوٹے پھوٹے اندھے کنوئیں کے راستے اسے اوپر جا نکالا۔ وہاں سے وہ شہر آیا اور شام کے وقت جب سورج زرد پڑ رہا تھا اپنے گھر پہنچا۔ اس نے دروانہ کھٹکھٹایا تو اس کی ماں نے آ کر دروانہ کھولا اور اپنے بیٹے کو دروازے پر کھڑا دیکھ کر خوشی کے مارے بے تحاشا چیخی اور بیٹے سے

پلٹ کر رونے لگی۔ بیوی نے ماں کو روتے سنا تو دوڑی ہوئی باہر آئی دیکھا تو اس کا شوہر موجود ہے، اس نے سلام کیا۔ اس کے ہاتھ چومے، ایک دوسرے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، اور جب گھر کے اندر گئے۔ سب بیٹھ چکے اور حاسب کریم الدین اپنے گھر والوں کے بیچ میں بیٹھا تو اس نے پوچھا لکڑ ہارے کہاں ہیں جو میرے ساتھ لکڑیاں ڈھوتے اور مجھے اندھے کنوئیں میں چھوڑ کر چلتے ہوئے، اس کی ماں نے کہا انہوں نے تو مجھے آ کر یہ کہا تھا کہ تیرے بیٹے کو گھاٹی میں بھیڑیا کھا گیا ہے۔ اب تو وہ تاجر دکانوں اور جاگیروں کے مالک ہو گئے ہیں اور بڑے مالدار ہیں۔ ہر روز ہمارے لیے کھانا پینا لاتے ہیں اور آج تک ان کا یہی دستور ہے۔ اس نے اپنی ماں سے کہا کل ان کے پاس جا کر کہیو کہ حاسب کریم الدین سفر سے لوٹ کر آ گیا ہے تم لوگ آ کر اس سے ملو اور سلام کرو۔ جب سویرا ہوا تو اس کی ماں نے لکڑ ہاروں کے گھر جا کر اپنے بیٹے کا پیغام پہنچا دیا۔ یہ سنتے ہی لکڑ ہاروں کے رنگ فق ہو گئے۔ ان میں سے ہر ایک نے اسے ایک جوڑا ریشمی کپڑوں کا دیا جن پر سونے کے نیل بوٹے بنے ہوئے تھے اور کہا یہ اپنے بیٹے کو دے دیجیو اور کہیو کہ وہ انہیں پہنے اور اس سے کہیو کہ ہم کل اس کے پاس آئیں گے۔ وہاں سے پلٹ کر وہ اپنے بیٹے کے پاس آئی تو اس سے تمام باتیں کہیں جو کچھ انہوں نے اس کے لیے دیا تھا اس کے حوالے کیا۔ لکڑ ہاروں نے کئی سوداگروں کو جمع کر کے سارا قصہ کہا۔ حاسب کریم الدین کے ساتھ جو انہوں نے کیا تھا سنایا اور ان سے پوچھا کہ اب کیا کیا جائے؟ سوداگروں نے کہا تمہیں چاہیے کہ اپنا آدھا مال اور آدھے غلام اسے دے دو۔ اس پر سب نے اتفاق کیا اور سب اپنا آدھا مال لے کر اس کے پاس گئے، اسے سلام کیا، ہاتھ چومے اور مال اسے دے کر کہا یہ تیرا احسان ہے اور ہم تیرے سامنے کھڑے ہیں۔ اس نے قبول کر لیا اور کہا جو ہوا سو ہوا۔ یہی خدا کی مرضی تھی اور تقدیر کے آگے کسی کا بس نہیں چلتا۔ انہوں نے کہا اٹھ شہر کی سیر کریں اور حمام چلیں۔ اس نے

کہا میں نے قسم کھائی ہے کہ عمر بھر حمام میں داخل نہ ہوں گا۔ انہوں نے کہا اچھا ہمارے گھر چل، ہم تیری دعوت کرتے ہیں۔ وہ اٹھ کر ان کے ساتھ ان کے گھر گیا۔ ان میں سے ہر ایک نے اس کی ایک ایک رات دعوت کی۔ سات دن یہی ہوتا رہا اور وہ بڑی دولت، بہت سی جاگیروں اور دکانوں کا مالک ہو گیا۔ شہر کے تمام تاجر اس کے پاس آئے اور اس نے ان سے اپنا قصہ بیان کیا۔

ایک دن وہ شہر میں ٹہل رہا تھا۔ اسے ایک دوست ملا جو حمای تھا۔ حمام کے دروازے پر دونوں کی چار آنکھیں ہوئیں۔ حمای نے بھی قسم کھائی کہ اگر تو حمام چل کر نہ نہائے تو میری تینوں بیویوں کو تین تین طلاق۔ حاسب کریم الدین اپنے دل میں بہت گھبرایا اور کہا کیا تو چاہتا ہے کہ میری اولاد یتیم ہو جائے، گھر تباہ اور میری گردن میں عذاب کا طوق پڑے؟ حمای حاسب کریم الدین کے قدموں میں گر پڑا، انہیں چومنے لگا اور کہا اگر تو حمام چلے تو میں ہمیشہ کے لیے تیرا غلام رہوں گا اور تیرا گناہ اپنے سر لے لوں گا۔ اتنے میں حمام کے نوکر چا کر اور جو اس کے اندر تھے جمع ہو گئے۔ حاسب کریم الدین کو پکڑ کر حمام میں لے گئے اور اس کے کپڑے اتار ڈالے۔

حمام میں داخل ہو کر ابھی اس نے اپنے سر پر پانی ڈالا ہی تھا کہ بیس آدمی پہنچے اور کہنے لگے اے شخص، ہمارے ہاں سے نکل جا تو بادشاہ کا مجرم ہے اور انہوں نے ایک شخص کو بادشاہ کے وزیر کے پاس بھیجا۔ اس نے جا کر وزیر کو خبر دی، وزیر ساٹھ غلاموں کو لے کر حمام میں آدھمکا۔ یہ سب حاسب کریم الدین کے پاس آئے۔ وزیر نے اسے سلام کر کے مرحبا کہا اور حمای کو سو دینار دے کر حکم دیا کہ حاسب کی سواری کے لیے ایک گھوڑا لا۔ گھوڑا آیا اور وزیر حاسب کو لے کر مع اپنے ساتھیوں کے سوار ہو گیا۔ وزیر حاسب کو لیے ہوئے بادشاہ کے محل پر پہنچا۔ وزیر، اس کے ہمراہی اور حاسب سب گھوڑوں سے اتر پڑے اور محل میں جا کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد دسترخوان لایا گیا۔ سب نے کھایا پیا، ہاتھ دھوئے اور وزیر نے حاسب کو دو خلعت عطا کئے جن میں ہر ایک پانچ پانچ ہزار دینار کا تھا اور اس سے کہا کہ سن، خدا نے تجھے بھیج کر ہم

پر بڑا احسان اور رحم کیا کیونکہ کوڑھ کی وجہ سے بادشاہ مرنے کے قریب ہے اور ہماری کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی زندگی تیرے ہاتھ میں ہے۔

یہ سن کر حاسب کو بڑا اچنبھا ہوا۔ وزیر حاسب اور بڑے بڑے لوگ محل کی سات ڈیوڑھیوں سے ہو کر بادشاہ کے پاس حاضر ہوئے جس کا نام کرزوان تھا اور جو عجم کا بادشاہ تھا، ساتوں اقلیموں پر اس کی حکومت تھی۔ اس کی خدمت میں سو بادشاہ حاضر تھے جو سرخ سونے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور دس ہزار پہلوان جن کے ماتحت سو سو نواب تھے اور سو سو جلاذ جو تلواریں اور تیر لیے کھڑے تھے، دیکھا کہ بادشاہ لیٹا ہوا ہے اس کا چہرہ رومال سے ڈھنکا ہوا ہے اور بیماری کی تکلیف سے کراہ رہا ہے۔ بادشاہ کرزوان کی یہ حالت دیکھ کر حاسب کے حواس اڑ گئے، اس نے اس کے آگے زمین چوم کر اسے دعا دی۔ اب بڑا وزیر جس کا نام وزیر شہور تھا، سامنے آیا اور بڑے احترام سے بادشاہ کے دہنی طرف ایک اونچی جگہ اس کا بٹھایا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو چونتیسویں رات

جب پانچ سو چونتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- وزیر

شمہور نے حاسب کو بادشاہ کے دہنی طرف ایک کرسی پر بٹھایا اور دسترخوان حاضر کیا گیا، سب نے کھا پی کر ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد وزیر شہور کھڑا ہو گیا، اس کے ساتھ تمام مجلس والے بھی کھڑے ہو گئے، اس کے بعد حاسب کریم الدین کی طرف بڑھ کر کہا ہم سے تیرے خادم ہیں اور جو کچھ تو مانگے تجھے دینے کے لیے تیار ہیں۔ اگر تو آدھا ملک بھی مانگے تو ہم دے دیں گے اس لیے کہ بادشاہ کی تندرستی تیرے ہاتھ میں ہے۔ یہ کہہ کر وزیر نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے بادشاہ کے پاس لے گیا۔ حاسب نے بادشاہ کا چہرہ کھولا تو دیکھا کہ وہ بہت بیمار ہے، وہ دھک رہ گیا۔ اب وزیر نے حاسب کا ہاتھ چوما اور کہا ہماری درخواست یہ ہے کہ تو بادشاہ کو اچھا کر دے اور جو کچھ تو مانگے گا ہم تجھے دیں گے۔ ہماری تجھ سے یہی ضرورت ہے اور بس۔ حاسب نے کہا یہ ٹھیک ہے کہ میں خدا کے نبی دانیال کا بیٹا ہوں لیکن مجھے کوئی علم نہیں آتا۔ مجھے تین دن تک طب کا علم سکھایا گیا لیکن میں اس فن کو بالکل نہ سیکھ سکا۔ کاش میں اس فن سے واقف ہوتا اور بادشاہ کا علاج کر سکتا! وزیر نے کہا ہم سے زیادہ باتیں مت بنا۔ اگر ہم پورب پچھم کے سارے حکیم بھی جمع کر لیں تو بھی سوا تیرے بادشاہ کو کوئی اچھا نہیں کر سکتا۔ حاسب نے کہا میں اسے کس طرح اچھا کر سکتا ہوں، نہ تو میں اس کی بیماری جانتا ہوں، نہ دوا! وزیر نے کہا بادشاہ کی دوا تیرے ہی پاس ہے۔ حاسب نے کہا اگر میں اس کی دوا جانتا ہوں تو اسے اچھا کر دیتا۔ وزیر نے کہا تو اس کی دوا بہت اچھی طرح سے جانتا ہے۔ اس کی دوا سانپوں کی ملکہ ہے تو نے

اسے دیکھا ہے، تو جانتا ہے کہ وہ کہاں رہتی ہے تو اس کے ساتھ رہا ہے۔ جب حاسب نے یہ باتیں سنیں تو اسے یقین ہو گیا کہ اس کا سبب اس کا حمام جانا ہے اور وہ بہت پچھتایا لیکن اب پچھتانے سے کیا ہو سکتا تھا۔ اس نے کہا کیسی سانپوں کی ملکہ؟ میں تو اسے جانتا بھی نہیں۔ میں نے تو عمر بھر اس کا نام تک نہیں سنا۔ وزیر نے کہا، انجان نہ بن، میرے پاس اس کا ثبوت موجود ہے کہ تو اسے جانتا ہے تو اس کے ہاں دو سال ٹھہرا رہا ہے۔ حاسب نے کہا میں نہ اسے جانتا ہوں نہ اس کے ہاں ٹھہرا ہوں، نہ اس وقت سے پہلے اس کا نام سنا ہے۔ اور سنا بھی تو صرف تیری زبان سے۔ یہ سن کر وزیر نے ایک کتاب منگوائی اسے کھول کر حساب کرنے لگا اور کہا سانپوں کی ملکہ ایک انسان سے ملے گی وہ اس کے ساتھ دو سال ٹھہرے گا اور پھر اس سے جدا ہو کر زمین کے اوپر آئے گا اور جونہی وہ حمام میں داخل ہو گا تو اس کا پیٹ کالا پڑ جائے گا۔ اب اس نے حاسب سے کہا اچھا اپنا پیٹ دیکھ۔ اس نے دیکھا تو وہ واقعی کالا پڑ گیا تھا۔ اس نے کہا میرا پیٹ تو پیدائشی کالا ہے۔ وزیر نے کہا میں نے ہر حمام میں تین تین غلام لگا رکھے تھے تاکہ وہ حمام میں ہر آنے والے کے پیٹ کو غور سے دیکھیں اور مجھے خبر دیں۔ جب حمام میں داخل ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ تیرا پیٹ کالا ہو گیا ہے۔ مجھے خبر بھیجی۔ مجھے یقین ہوا کہ تو ہی وہ شخص ہے۔ اب میری تجھ سے سوائے اس کے اور کوئی حاجت نہیں کہ تو مجھے وہ جگہ بتا دے جہاں سے تو نکلا ہے، پھر تو اپنی راہ لیجیو۔ ہم خود سانپوں کی ملکہ کو پکڑ لیں گے کیونکہ ہمارے پاس ایسا آدمی موجود ہے جو اسے لا سکتا ہے۔ حاسب نے یہ باتیں سنیں تو وہ اپنی حماقت پر افسوس کرنے لگا مگر افسوس بے کار تھا۔ جب سارے امیر اور وزیر درخواست کرتے تھک گئے اور وہ یہی کہتا رہا کہ یہ بات نہ میں نے دیکھی ہے اور نہ سنی تو وزیر نے جلاد کو بلوا لیا اور اسے حکم دیا کہ اس کے کپڑے اتار کر اسے خوب مارے۔ جلاد نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ وہ ادھ موا ہو گیا اور اس کی آنکھوں کے آگے موت پھرنے لگی۔ اس کے بعد وزیر نے کہا ہمارے

پاس اس بات کا ثبوت ہے کہ تجھے سانپوں کی ملکہ کی جگہ معلوم ہے پھر تو کیوں انکار کئے چلا جاتا ہے۔ ہمیں صرف وہ جگہ دکھا دے جہاں سے تو نکلا ہے اور چل دے۔ ہمارے پاس ایسا شخص ہے جو اسے پکڑ لائے گا اور تجھے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ اس کے بعد وزیر اس کے ساتھ نرمی سے پیش آیا، اسے اٹھا کر کھڑا کیا اور حکم دیا کہ اس کے لیے ایک خلعت لاؤ جس میں سونے اور جواہرات کا کام ہو۔ حاسب نے وزیر کا حکم مان لیا اور اس سے کہا اچھا میں تمہیں وہ جگہ دکھا دوں جہاں سے میں نکلا تھا۔ وزیر یہ سن کر خوش ہو گیا پھر وہ تمام امیر سوار ہو گئے۔ حاسب ان کے آگے آگے چلتے چلتے وہ پہاڑ کے پاس پہنچا اور وہ انہیں غار میں لے گیا اور رونے اور افسوس کرنے لگا۔ امراء اور وزراء بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ وہ اس کنوئیں کے پاس پہنچا جہاں سے وہ نکلا تھا۔ وزیر آگے بڑھ کر بیٹھ گیا۔ دھونی مارنی طلسم کھینچے، مقرر پڑھے اور گنگنائے لگا کیونکہ وہ جادوگر، مکار اور کاہن تھا اور روحانی علوم وغیرہ جانتا تھا۔ جب وہ پہلے جادو سے فارغ ہو چکا تو دوسرا پڑھا، پھر تیسرا، خوشبوئیں ختم ہو جاتیں تو وہ اور خوشبوئیں آگ پر ڈالتا۔

جادو پڑھنے کے بعد اس نے کہا اے سانپوں کی ملکہ نکل۔ یہ کہتے ہی کنوئیں کا پانی سوکھ گیا، ایک بڑا دروازہ کھلا اور اس میں سے بجلی کی سی کڑک اس زور سے سنائی دی کہ لوگوں کو گمان ہوا کہ کنواں پھٹ پڑا۔ سب لوگ غش کھا کر گر پڑے۔ دو چار تو مر بھی گئے اور کنوئیں میں سے ہاتھی کے برابر ایک سانپ نکلا جس کی آنکھوں اور منہ سے انگارے نکل رہے تھے۔ اس کی پیٹھ پر ایک سرخ سونے کی سینی تھی جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ سینی کے بیچ میں ایک سانپ تھا جس سے وہ ساری جگہ روشن ہو گئی۔ اس کا چہرہ انسان جیسا تھا اور نہایت فصاحت کے ساتھ بولتا تھا۔ یہ سانپوں کی ملکہ تھی۔ اس نے دائیں بائیں نظر دوڑائی اور حاسب کو دیکھ کر کہا تیرا وعدہ و پیمان کیا ہوا جو تو نے میرے ساتھ باندھا تھا اور تیری قسم کہاں گئی جو

تو نے کھائی تھی کہ حمام نہیں جاؤں گا؟ لیکن قضا و قدر کے آگے کوئی تدبیر نہیں چلتی اور قسمت کے لکھے سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ خدا نے تیرے ہاتھ سے میری موت لکھی ہے۔ اس نے یہی حکم دیا تھا اور اس کی مرضی یہی تھی کہ ماری جاؤں اور بادشاہ کرزواں اچھا ہو جائے۔ یہ کہہ کر ملکہ زار زار رونے لگی اور اسے روتے دیکھ کر حاسب بھی رو پڑا۔ جب ملعون وزیر شہور نے سانپوں کی ملکہ کو دیکھا تو اسے پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ ملکہ نے کہا اے مردود! اپنا ہاتھ الگ رکھ ورنہ میں ابھی پھونک مار کر تجھے راکھ کا ڈھیر بنا دوں گی۔ اس کے بعد اس نے حاسب کو پکارا اور کہا میرے پاس آ اور میرا ہاتھ پکڑ مجھے اس سینی میں اتار دے جو یہ لائے ہیں اور اسے اپنے سر پر رکھ کر چل کیونکہ ازل سے میری موت تیرے ہی ہاتھ سے لکھی ہوئی ہے اور یہ کسی تدبیر سے رک نہیں سکتی۔ حاسب نے وہ سینی لے کر اپنے سر پر رکھ لی اور کنواں پھر پہلے کی طرح ہو گیا۔

اب وہ سب چل پڑے اور حاسب اس سینی کو سر پر رکھ کر جس میں سانپوں کی ملکہ تھی، ان کی ساتھ ہو لیا۔ راستے میں سانپوں کی ملکہ نے حاسب سے چپکے سے کہا اگرچہ تو نے عمد و پیاں کو بھلا دیا، قسم توڑ ڈالی اور یہ ساری حرکت کی، ازل سے قسمت میں یہی لکھا ہوا تھا لیکن اے حاسب سن میں تجھے ایک نصیحت کرتی ہوں۔ حاسب نے کہا بتا اے سانپوں کی ملکہ تو مجھے کیا حکم دیتی ہے؟ اس نے کہا جب تو وزیر کے گھر پہنچے گا تو وہ تجھ سے کہے گا کہ سانپوں کی ملکہ کو ذبح کر کے اس کے تین ٹکڑے کر۔ تو اس سے انکار کر دیجیو ہرگز ایسا نہ کیجیو، اس سے کہیو کہ مجھے ذبح کرنا نہیں آتا۔ یہ اس لیے کہ وہ مجھے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے اور جو چاہے میری گت بنائے۔ جب وہ مجھے ذبح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا تو بادشاہ کرزواں کا قاصد آ کر اسے لے جائے گا۔ بادشاہ کے پاس جانے سے پہلے وہ میرے گوشت کو پیتل کی دیگی میں رکھ کر اسے چولہے پر چڑھا دے گا اور تجھ سے کہے جائے گا کہ ”دیگی

کے نیچے آگ جلاتا رہیو، جب تک کہ گوشت ابلنے نہ لگے۔ جب گوشت پر جھاگ آجائیں تو انہیں اتار کر ایک شیشی میں بھر لیجیو اور ٹھنڈا ہونے کے بعد پی لیجیو۔ اس کے پینے کا اثر یہ ہو گا کہ تیرے بدن میں کوئی بیماری باقی نہ رہے گی۔ پھر دوسری مرتبہ جھاگ آئیں تو انہیں دوسری شیشی میں بھر کر اپنے پاس رکھ لیجیو۔ اس کو بادشاہ کے پاس سے لوٹ کر میں پیوں گا تا کہ میری ریڑھ کی بیماری جاتی رہے۔“ اس کے بعد وہ تجھے دو شیشیاں دے کر بادشاہ کے پاس چلا جائے گا۔ جب وہ چلا جائے تو دیگی کے نیچے آگ جلائیو یہاں تک کہ پہلے جھاگ آجائیں۔ ان جھاگوں کو لے کر حفاظت سے شیشی میں اپنے پاس رکھیو مگر خبردار اسے بیچپیو نہیں کیونکہ اگر تو نے اسے پیا تو اس سے تجھے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ جب دوبارہ جھاگ آئیں تو انہیں دوسری شیشی میں رکھ لیجیو اور ٹھنڈا ہونے پر تو اسے پی لیجیو۔ جب وہ بادشاہ کے پاس سے لوٹے اور تجھے سے دوسری شیشی مانگے تو اسے پہلی شیشی دے دیجیو اور دیکھیو کہ اس کے ساتھ کیا ماجرا پیش آتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو پینتیس ویں رات

جب پانچ سو پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- سانپوں کی ملکہ نے کہا کہ جب وہ تجھ سے دوسری شیشی مانگے تو اسے پہلے دے دیجیو اور دیکھ کہ اس کی کیا حالت ہوتی ہے، بعد ازاں تو دوسری شیشی پی لیجیو، اس کے پینے کے ساتھ تیرا دل حکمت کا خزانہ ہو جائے گا پھر گوشت کو نکال کر پیتل کی سینی میں رکھو اور اسے بادشاہ کو دے دیجیو تا کہ وہ اسے کھائے۔ جب وہ گوشت کھا لے اور وہ اس کے پیٹ میں پہنچ جائے تو اس کا چہرہ رومال سے ڈھانک دیجیو اور دوپہر تک انتظار کیجیو تا کہ وہ اس کے پیٹ میں ٹھنڈا ہو جائے۔ پھر اسے شراب پلائو کہ وہ اچھا ہو جائے جیسا کہ پہلے تھا اور خدا کے فضل سے اس کی بیماری جاتی رہے گی۔ اس وصیت کو جو میں نے تجھ سے کی ہے خوب سن رکھ اور اچھی طرح یاد کر لے۔

القصہ سانپوں کی ملکہ کو لیے ہوئے سب وزیر کے گھر پہنچے۔ وزیر نے حاسب سے کہا کہ میرے ساتھ گھر میں چل۔ لشکر رخصت ہو گیا اور تمام لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے تو وزیر اور حاسب مکان کے اندر پہنچے۔ حاسب نے وہ سینی اپنے سر سے اتار دی جس میں سانپوں کی ملکہ تھی۔ وزیر نے کہا کہ سانپوں کی ملکہ کو ذبح کر۔ حاسب نے کہا کہ مجھے ذبح کرنا نہیں آتا۔ میں نے آج تک کبھی کوئی چیز ذبح نہیں کی۔ اگر تجھے اسے ذبح کرنے کی غرض ہو تو اسے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کر لے۔ وزیر شہور اٹھا اور سانپوں کی ملکہ کو سینی میں سے نکال کر ذبح کیا۔ حاسب نے یہ دیکھا تو وہ زور زور سے رونے لگا۔ شہور ہنسنے لگا اور کہا اے بے عقل، ایک سانپ کے ذبح ہونے پر تو کیوں روتا ہے؟ ذبح کرنے کے بعد وزیر نے اس کے تین ٹکڑے کئے اور اسے پیتل کی دیگی میں ڈال کر آگ پر چڑھا دیا اور بیٹھا ہی ہوا تھا کہ بادشاہ کے پاس

سے ایک غلام نے آ کر کہا بادشاہ تجھے فوراً بلاتا ہے۔ وزیر کھڑا ہو گیا اور دونوں شیشیاں حاسب کو دے کر کہا دیگچی کے نیچے آگ جلاتا رہیو تا کہ گوشت میں ابال آ جائے۔ جھاگ آ جائیں تو اسے گوشت کے اوپر سے لے کر ایک شیشی میں بھر لیجیو اور ٹھنڈا ہو جائے تو اسے پی لیجیو۔ جب تو اسے پی لے گا تو تیرے بدن میں کوئی درد باقی نہ رہے گا نہ بیماری۔ پھر دوسرا ابال آئے تو اسے دوسری شیشی میں بھر کر حفاظت سے اپنے پاس رکھ لیجیو۔ بادشاہ کے پاس سے واپس آ کر میں اسے پیوں گا کیونکہ میری ریڑھ میں درد ہوتا ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کے پینے سے وہ درد جاتا رہے گا۔

حاسب کو خوب سمجھا بجھا کہ وہ بادشاہ کے پاس چلا گیا اور حاسب دیگچی کے نیچے آگ جلاتا رہا یہاں تک کہ پہلا ابال آیا، اس نے اسے دونوں شیشیوں میں سے ایک میں بھر لیا اور شیشی اپنے پاس رکھ لی اور برابر آگ جلاتا رہا یہاں تک کہ دوسرا ابال آیا۔ اس نے اسے دوسری شیشی میں اتار لیا۔ گوشت پگ گیا تو دیگچی آگ پر سے اتار لی اور بیٹھ کر وزیر کی راہ دیکھنے لگا۔ وزیر بادشاہ کے پاس سے لوٹا تو اس نے حاسب سے پوچھا تو نے کیا کیا؟ حاسب نے نے کہا کام پورا ہو چکا۔ وزیر نے کہا پہلی شیشی کا تو نے کیا کیا؟ اس نے کہا میں نے اسے پی لیا ہے۔ وزیر نے کہا تیرے جسم میں کوئی فرق تو دکھائی نہیں دیتا۔ حاسب نے کہا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے بدن میں سر سے لے کر پاؤں تک ایک آگ لگی ہوئی ہے۔ دغا باز وزیر نے فریب سے اس پر بھید ظاہر نہیں کیا اور اس سے کہا دوسری شیشی مجھے دے دے کہ میں اسے پی لوں ممکن ہے کہ ریڑھ کی بیماری اس سے جاتی رہے۔ یہ کہہ کر اس نے پہلی شیشی پی لی اور سمجھا کہ وہ دوسری شیشی ہے۔ ابھی وہ سب نہ پینے پایا تھا کہ شیشی اس کے ہاتھ سے گر پڑی، اس کا بدن سوج گیا اور اس پر یہ مثل صادق آ گئی جو اپنے بھائی کے لیے کنواں کھودتا ہے وہ خود اس میں گر پڑتا ہے۔ حاسب کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا اور دوسری شیشی میں کوئی نقصان دینے والی چیز ہوتی تو وزیر اسے اپنے لیے

منتخب نہ کرتا۔ اس نے کہا میں خدا پر بھروسہ کرتا ہوں اور دوسری شیشی پی گیا۔ اس کے پیتے ہی خدا نے اس کے دل میں حکمت کے چشمے اور علم کے دریا جاری کر دیئے اسے بڑی اس خوشی اور مسرت حاصل ہونے لگی۔

اب اس نے دیگچی میں سے گوشت نکال کر ایک پیتل کی سینی میں رکھا اور وزیر کے گھر سے باہر آیا، اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور اسے ساتوں آسمان اور سدہ المنتہا تک جو کچھ ان میں تھا، دکھائی دینے لگا۔ آسمان کی گردش کی کیفیت بھی اسے معلوم ہو گئی، خدا نے یہ تمام باتیں اس پر کھول دیں۔ اسے سیارے اور ثوابت بھی دکھائی دینے لگے اور ستاروں کی رفتار کا علم ہو گیا۔ خشکی اور سمندر کی حالت اس کی آنکھوں کے آگے آ گئی۔ ہندسے، نجوم، ہیبت، فلک اور حساب کے علوم بھی معلوم ہو گئے اور تمام وہ چیزیں جو ان علوم سے تعلق رکھتی تھیں۔ سورج اور چاند گرہن وغیرہ کے اسباب بھی اس پر کھل گئے۔ اس کے بعد اس نے زمین پر نظر ڈالی اور اس کے تمام معاون اور نباتات اس پر ظاہر ہو گئے۔ ان کی خاصیتیں اور فائدے جان گیا، اس سے اسے طب، سیمیا اور کیمیا کا علم حاصل ہو گیا اور سونا، چاندی بنانے کی ترکیب معلوم ہو گئی۔

اس گوشت کو لیے ہوئے بادشاہ کرزوان کے محل پر پہنچا، اندر جا کر بادشاہ کے آگے زمین چومی اور کہا تیرا وزیر شہور مر گیا۔ خدا تجھے سلامت رکھے! اپنے وزیر کی موت کا حال سن کر بادشاہ کو بڑا غصہ آیا۔ وہ زار زار رونے لگا۔ دوسرے وزیروں نے کہا وزیر شہور ابھی ہٹا کٹا میرے پاس آ کر گوشت لینے گیا تھا، یکایک اتنی دیر میں وہ۔ کیسے مر گیا۔ اسے کون سی بیماری ہو گئی؟ حاسب نے وزیر کا سارا ماجرا بیان کیا کہ شیشی پی کر اس کا بدن سوج گیا اور پیٹ پھول کر مر گیا۔ بادشاہ کو بڑا افسوس ہوا اور وہ حاسب سے کہنے لگا کہ شہور کے بعد میرا کیا حشر ہو گا؟

حاسب نے کہا جہاں پناہ! غم نہ کر، میں تجھے تین دن کے اندر اندر اچھا کر دوں گا اور تیرے جسم میں کوئی بیماری باقی نہ رہے گی۔ یہ سن کر بادشاہ خوش ہو گیا اور حاسب

سے کہنے لگا میں اتنا ہی چاہتا ہوں کہ اس بلا سے نجات پاؤں خواہ اس میں کئی سال لگ جائیں۔ حاسب اٹھا، سینی لا کر اس نے بادشاہ کے سامنے رکھ دی، سانپوں کی ملکہ کا ایک ٹکڑا لے کر اسے کھلا دیا اور اس کے منہ پر رومال ڈال کر پاس بیٹھ گیا اور اس سے کہا سو جا۔ وہ سو گیا۔ ظہر سے مغرب تک سوتا رہا۔ گوشت اس کے پیٹ میں گھل مل گیا تو اسے جگا کر حاسب نے کچھ شراب پلائی اور دوبارہ سلا دیا۔ وہ رات بھر سوتا رہا۔ جب دن نکلا تو اس نے کل کی طرح پھر عمل کیا۔ غرض کہ تین دن میں تینوں ٹکڑے کھلا دیئے۔ بادشاہ کی کھال خشک ہو کر اتر گئی اور اسے اتنا پسینہ آیا کہ سر سے پاؤں تک نہا گیا، اس کے بعد جس میں کوئی بیماری باقی نہ رہی، کندن سا نکل آیا۔ حاسب نے کہا اب حمام جانا ضروری ہے اور اسے حمام لے جا کر خوب نہلایا، دھلایا۔ جب وہ نکلا تو اس کا بدن چاندی کے پتر کی طرح تھا۔ مختصر یہ کہ وہ تندرست ہو گیا اور اس کی صحت پہلے سے بھی اچھی ہو گئی۔ اب وہ بہترین پوشاک پہن کر تخت پر بیٹھا اور حاسب کریم الدین سے اپنے پاس بیٹھنے کو کہا۔ وہ اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دستر خوان بچھایا جائے۔ دستر خوان بچھا تو دونوں نے کھایا اور ہاتھ دھوئے۔ بعد ازاں بادشاہ نے حکم دیا کہ شراب لائی جائے۔ شراب آئی تو دونوں نے پی۔ وزیروں، لشکر والوں، حکومت کے بڑے لوگوں اور رعایا کے رئیسوں نے آکر اسے سلامتی اور تندرستی پر مبارک باد دی۔ نقارے بجے اور بادشاہ کی سلامتی کی خوشی میں شہر سجا دیا گیا۔ جب سب لوگ مبارک باد کے لیے حاضر ہوئے تو بادشاہ نے کہا اے وزیرو، امیرو، اور سردارو! یہ ہے حاسب کریم الدین جس نے میری بیماری کا علاج کیا ہے اس لیے سن رکھو کہ میں اسے وزیر شہر کی بجائے بڑا وزیر بناتا ہوں۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو چھتیسویں رات

جب پانچ سو چھتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- بادشاہ نے کہا میں حاسب کریم الدین کو وزیر شہور کی بجائے بڑا وزیر بناتا ہوں جو اس سے محبت کرے گا اس نے گویا مجھ سے محبت کی، جو اس کی عزت کرے گا اس نے گویا میری عزت کی، اور جو اس کا فرمانبردار ہے وہ گویا میرا فرمانبردار ہے۔ سب نے کہا سر آنکھوں پر اور اٹھ کر حاسب کریم الدین کا ہاتھ چومنا اسے سلام کیا اور اس کے وزیر ہونے پر مبارک باد دی۔ بادشاہ نے اسے ایک ایسا بے بہا خلعت عطا کیا جو سرخ سونے کے تاروں سے بنا ہوا تھا اور جس میں ایسے ایسے موتی اور ہیرے ٹنکے ہوئے تھے کہ ان میں سے سب سے چھوٹے ہیرے کی قیمت پانچ ہزار دینار تھی۔ اس کے علاوہ بادشاہ نے اسے تین سو غلام دیئے اور تین سو کنیریں اور جو چودھویں رات کے چاند کی طرح خوبصورت تھیں، تین سو جہشی کنیریں، پانچ سو نچر جن کے اوپر مال لدا ہوا تھا اور اتنے مویشی، بھیڑ، بکریاں، بھینسیں اور گائے بیل دیئے جن کے بیان سے زبان عاجز ہے۔ ساتھ ہی بادشاہ نے وزیروں، امیروں، ملک کے سرداروں، حکومت کے بڑے لوگوں اور اپنے غلاموں بلکہ تمام رعایا کو حکم دیا کہ اسے ہدیئے بھیجیں۔ اب حاسب کریم الدین سوار ہو گیا اور وزیر، امیر حکومت کے سردار اور سارا لشکر سوار ہو کر اسے اس محل میں لے گئے جو بادشاہ نے اس کے لیے خالی کرایا تھا۔ وہاں جا کر وہ کرسی پر بیٹھا، امیروں، وزیروں نے آکر اس کے ہاتھ چومے۔ وزیر ہونے پر اسے مبارک باد دی اور اس کی خدمت میں کھڑے ہو گئے۔

حاسب کی ماں نہال نہال تھی۔ اس نے بھی بیٹے کے وزیر ہونے پر مبارک باد دی اور اس کے گھر والوں نے آکر سلامتی اور وزارت پر خوشیاں منائیں۔ پھر وہ سوار ہو کر وزیر شہور کے محل پر پہنچا، اس پر اپنی مہر لگائی، اس کا سارا سامان ضبط کر لیا اور

اسے اپنے گھر بھیج دیا۔ یا تو اس کی یہ حالت تھی کہ علوم جاننا تو درکنار اسے پڑھنا تک نہ آتا تھا یا اب وہ خدا کی قدرت سے تمام علوم کا عالم ہو گیا۔ اب کے علم و حکمت کا چرچا سارے ملک میں ہونے لگا۔ طب ہیئت، ہندسہ، نجوم، کیمیا، سیمیا اور روحانیت وغیرہ میں اس کی شہرت ہو گئی۔

ایک دن اس نے اپنی ماں سے کہا اماں! میرا باپ دانیال عالم فاضل تھا، بتا کہ اس نے کیا کیا کتابیں چھوڑی ہیں۔ یہ سن کر اس کی ماں وہ صندوق لے کر آئی جس میں ان کتابوں کے جو سمندر میں ڈوب گئی تھیں، بچے کھجے پانچ ورق رکھے ہوئے تھے اور اس سے کہنے لگی کہ سوا ان پانچ ورقوں کے جو اس صندوق میں ہیں، تیرے باپ نے اور کوئی کتاب نہیں چھوڑی۔ حاسب نے صندوق کھول کر وہ پانچ ورق نکالے اور انہیں پڑھ کر ماں سے کہنے لگا اماں یہ پانچ ورق تو ایک کتاب کا حصہ ہیں، باقی کتاب کہاں ہے؟ اس نے کہا تیرے باپ نے ساری کتابیں لے کر سمندر کا سفر کیا تھا، کشتی ٹوٹ گئی اور سب کتابیں ڈوب گئیں۔ خدا نے اسے ڈوبنے سے بچا لیا مگر اس کی کتابوں میں سے سوائے ان پانچ ورقوں کے کچھ نہ بچا۔ جب تیرا باپ سفر سے لوٹا تو میرے پیٹ میں تھا، اس نے کہا ممکن ہے کہ تیرے ہاں بیٹا پیدا ہو، لہذا ان ورقوں کو لے کر اپنے پاس حفاظت سے رکھ لے۔ جب وہ بڑا ہو اور پوچھے کہ میں نے کیا ترکہ چھوڑا ہے تو اسے یہ دیجیو کہ تیرے باپ نے سوائے اس کے اور کچھ نہیں چھوڑا۔ وہ پانچ ورق یہی ہیں۔ اب حاسب کریم الدین سارے علوم میں ماہر ہو گیا اور بیٹھ کر کھانے پینے اور عیش و عشرت سے زندگی گزارنے لگا یہاں تک کہ مزاروں کو کرکرا اور صبحتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آ پہنچی۔

شر زاد نے کہا یہ کہانی سند باد کی کہانی سے زیادہ دلچسپ نہیں ہے۔ بادشاہ نے پوچھا، وہ کیا ہے؟

شہر زاد بولی، امیر المومنین خلیفہ ہاروں الرشید کے زمانے میں ایک شخص بغداد کا رہنے والا
سند باد نام حمال تھا۔ بہت غریب، سر پر سامان رکھ کر ڈھویا کرتا تھا۔ ایک دن ایسا
اتفاق ہوا کہ وہ ایک بھاری بوجھ لیے جا رہا تھا، گرمی سخت پڑ رہی تھی۔ بوجھ نے اسے
تھکا دیا، پسینے پسینے ہو گیا۔ اسی حالت میں اس کا گزر ایک سوداگر کے دروازے پر ہوا،
جہاں جھاڑو دی ہوئی تھی، چھڑکاؤ کیا ہوا تھا۔ دروازے کے پہلو میں ایک چوڑا چبوترہ
دیکھا، وہاں حمال نے اپنا ہاتھ بوجھ اتار دیا، دم لینے اور سستانے لگا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت
ملی تھی۔

• پانچ سو سینتیس ویں رات

جب پانچ سو سینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب حال اپنا بوجھ چبوترے پر اتار کر سستانے اور دم لینے لگا تو اسے دروازے سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اور تیز تیز خوشبو آنے لگی۔ حال کو اس میں اتنا لطف آیا کہ وہ چبوترے کے ایک کنارے بیٹھ گیا۔ اسے مکان کے اندر سے بباب اور سارنگی کے نغمے گانے اور طرح طرح کی شعر خوانی کی آوازیں سنائی دیں۔ اس کے علاوہ اس کے کان میں قریوں، بلبلیوں، کلچڑوں، فاختاؤں اور چکوروں کی آوازیں بھی پڑیں جو قسم قسم کے راگوں اور طرح طرح کی بولیوں میں چچھا رہی تھیں اور خدا کی پاکی بیان کر رہی تھیں۔ اس پر اسے تعجب ہوا اور مزہ بھی آیا۔ آگے بڑھ کر دیکھا تو مکان کے اندر ایک بہت بڑا باغ ہے، اس میں غلام، نوکر چاکر اور ایسی ایسی چیزیں ہیں جو بادشاہوں اور سلطانوں کے علاوہ کہیں نہیں ہوتیں۔ پھر اسے طرح طرح کے عمدہ اور لذیذ کھانوں اور نفیس نفیس شرابوں کی خوشبو آنے لگی۔ اس نے اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھا کر کہا پاک ہے تو اے پروردگار! اے خالق! تو جسے چاہتا ہے بے پوچھے روزی دیتا ہے۔ خدا وند! میں تمام گناہوں کی معافی مانگتا اور سامنے عیبوں سے توبہ کرتا ہوں۔ اے پروردگار! تیرے حکم اور تیری قدرت پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا، تیری کاروائیوں کی کوئی باز پرس نہیں تو ہر چیز قادر ہے، تو پاک ہے، جسے چاہتا ہے تو میرا بنا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے غریب کرتا دیتا ہے، تو جسے چاہتا ہے ذلت میں گرفتار کرتا ہے، اگر کوئی پرستش کے قابل ہو سکتا ہے تو وہ تو ہی ہے، تیری شان کیسی بڑی اور تیری قدرت کیسی قوی ہے اور تیری تدبیریں کیسی عمدہ ہیں! تو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے نعمتیں دیتا ہے۔ اسی مکان کو دیکھ کر اس کا مالک نعمتوں میں ڈوبا ہوا ہے اور طرح طرح سے عمدہ خوشبوؤں اور مزیدار کھانوں اور قیمتی شرابوں کا لطف اٹھا رہا ہے۔ تو نے اپنی مخلوق کے

لیے جو چاہا حکم دے دیا اور ان کی قسمت میں لکھ دیا۔ ان میں تھکے ہارے بھی ہیں اور آرام کرنے والے بھی۔ ان میں خوش قسمت بھی ہیں اور وہ بھی جو میری طرح انتہائی تکلیف اور ذلت سے بسر کرتے ہیں۔

اپنے دل میں یہ کہہ کر سند باد حمال نے ارادہ کیا کہ اپنا بوجھ اٹھائے اور چلتا ہو۔ اتنے میں دروازے سے ایک کمسن غلام نکلا۔ جس کا چہرہ خوبصورت، سج دھج پیاری اور لباس قیمتی تھا۔ اس نے حمال کا ہاتھ پکڑ کر کہا میرے آقا کے پاس اندر چل، وہ تجھے بلا رہا ہے۔ حمال نے چاہا کہ غلام کے ساتھ اندر نہ جائے لیکن یہ اس سے نہ ہو سکا اور وہ مکان کی دہلیز میں دربان کے پاس اپنا بوجھ ڈال غلام کے ساتھ اس مکان میں داخل ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ عجیب خوبصورت مکان ہے۔ اس سے محبت اور شان ٹپکتی ہے۔ اس کی نظر ایک مجلس پر پڑی جس میں اسے بڑے بڑے لوگ دکھائی دیئے جہاں طرح طرح کے پھول، خوشبوئیں، میوے، پھل، قسم قسم کے بہت سے کھانے اور انگوروں کی خاص خاص شراہیں موجود تھیں۔ وہاں باجے بھی تھے۔ طرح طرح کی خوبصورت کنیزیں بھی اور تمام چیزیں ترتیب کے ساتھ اپنی اپنی جگہ رکھی ہوئی تھیں۔ صدر میں ایک شاندار شخص بیٹھا ہوا تھا جس کے چہرے سے بڑھاپے کے آثار نمایاں تھے۔ وہ نہایت خوش رو اور خوبصورت تھا۔ اس کے چہرے سے ہیبت اور وقار عزت اور افتخار ٹپکتا تھا۔ یہ دیکھ کر سند باد حمال ہکا بکا ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا خدا کی قسم یہ مکان جنت کا ایک حصہ ہے یا کسی بادشاہ یا سلطان کا محل ہے۔ اس نے ان لوگوں کو ادب سے سلام کیا، انہیں دعائیں دیں، ان کے آگے زمیں چومی اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کے اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو اڑتیسویں رات

پانچ سو اڑتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب سند باد حمال ان کے آگے زمین چوم کر اور سر نیچا کر کے ادب سے کھڑا ہو گیا تو مکان کے مالک نے اس سے کہا بیٹھ جا اور وہ بیٹھ گیا۔ پھر مالک نے اسے اپنے پاس بلایا اور اس سے بڑے تپاک کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔ اس کا خیر مقدم کیا اور اس کے آگے طرح طرح کے عمدہ اور نفیس کھانے پیش کئے۔

سند باد حمال آگے بڑھا، بسم اللہ کر کے کھانا شروع کیا اور اتنا کھایا کہ اس کا پیٹ بھر گیا۔ خوب سیر ہو کر اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ہاتھ دھوئے اور حاضریں کی مہمان نوازی کی تعریفیں کیں۔ مالک مکان نے کہا کہ مرحبا روز بخیر! تیرا نام کیا ہے اور تو کیا پیشہ کرتا ہے؟ وہ بولا اے میرے آقا، میرا نام سند باد حمال ہے اور میں اجرت پر لوگوں کا سامان ڈھوتا ہوں، گھر کا مالک مسکرایا اور کہنے لگا اے حمال سن تو میرا ہم نام ہے، میرا نام سند باد بحری ہے لیکن اے حمال میں وہ اشعار سننا چاہتا ہوں جو تو نے دروازے پر پڑھے تھے۔ حمال نے شرما کر خدا کے لیے مجھ سے ناراض مت ہو کیونکہ تکلیف، مشقت اور ناداری انسان کو بے ادبی اور رذالت سکھا دیتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ شرماتے کی کیا بات ہے! اب تو تو میرا بھائی بن گیا ہے، وہ اشعار مجھے سنا دے کیونکہ جب میں نے انہیں سنا تھا تو وہ مجھے بھلے معلوم ہوئے تھے۔ حمال نے وہ اشعار دہرا دیئے اور مکان والا انہیں سن خوش ہو گیا اور مزے میں آ کر کہنے لگا کہ اے حمال تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میری کہانی عجیب و غریب ہے، میں ابھی اپنی کہانی تجھے سنا دوں گا کہ اس دولت مندی تک پہنچنے اور اس مکان میں رہنے سے پہلے، جس میں تو مجھے دیکھ رہا ہے، مجھ پر کیا گزری ہے اور یہ کہ میں کن سخت محنتوں، مشقتوں اور کیسے کیسے خطروں کے بعد اس دولت اور اس مکان تک پہنچا ہوں۔ گزشتہ

زمانے میں، میں نے کیا کیا تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائی ہیں! میں نے سات سفر کئے ہیں۔ ہر سفر کی ایک عجیب و غریب داستان ہے جس میں عقل دنگ رہ جاتی ہے، یہ ساری باتیں قسمت میں بدیں تھیں اور قسمت کے لکھے سے کوئی بھاگ کر بچ نہیں سکتا۔

○ پہلے سفر کی کہانی

اے بزرگ اور محترم لوگو! میرا باپ سوداگر تھا، بہت بڑا سوداگر اور بہت بڑا آدمی۔ اس کے مال و دولت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ مرا تو میں نادان بچہ تھا۔ اس نے میرے لیے بہت نقد و جنس، گاؤں جاگیریں چھوڑیں۔ جب میں بڑا ہوا تو میں نے اندھا دھند خرچ کرنا شروع کیا، اچھے اچھے کھانے کھائے، عمدہ عمدہ شراہیں پیں، نوجوانوں کے ساتھ اٹھا بیٹھا، نفیس نفیس پوشاکیں پہنیں، یار دوستوں کے ساتھ سیریں کیں اور خیال کیا کہ میں ہمیشہ دولت سے اسی طرح فائدہ اٹھاتا رہوں گا۔ ایک مدت تک میری یہی حالت رہی۔ سمجھ آئی تو میں اپنی غفلت سے چونکا، ہوشیار ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرا سب مال خرچ ہو چکا ہے۔ حالت بدل چکی ہے اور جو کچھ میرے پاس تھا چک گیا ہے۔ میں ڈرا اور سہم گیا۔ وہ قصہ یاد آیا جو میں اپنے باپ سے سنا کرتا تھا کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کا مقولہ ہے کہ تین چیزیں تین چیزوں سے بہتر ہیں: موت کا دن پیدائش کے دن سے، زندہ کتا مردہ شیر سے اور قبر مفلسی سے۔ یہ سوچ کر میں اٹھا اور جو کچھ بچ کھچا اور کپڑے لے ہاتھ لگے، انہیں بیچا۔ اس کے بعد کھیت، الغرض جو کچھ میرے پاس رہ گیا تھا بیچ ڈالا اور تین ہزار درہم اکٹھے کر کے ملکوں کے سفر کرنے کی ٹھان لی۔

جب میں نے اپنے دل میں سفر کی ٹھان لی تو سوداگری کا سامان اور کچھ سفر کی ضروریات خریدیں۔ میرے دل نے مجھ سے کہا کہ سمندر کا سفر کرنا چاہیے اور میں سوداگروں کی ایک ٹولی کے ساتھ کشتی پر بیٹھ کر بھرے چل کھڑا ہوا اور دن رات سمندروں میں

سفر کرنے لگا۔ ہم ایک جزیرے سے دوسرے جزیرے، ایک سمندر سے دوسرے سمندر، ایک ملک سے دوسرے ملک میں گزرتے اور جہاں پہنچے تو خرید و فروخت اور لین دین کرتے۔ سمندر کا سفر کرتے کرتے ہم ایک جزیرے میں پہنچے جو جزیرہ گیا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ تھا۔ ناخدا نے وہاں کشتی روکی، لنگر ڈال دیئے، تختے بچھا دیئے اور سب لوگ کشتی سے جزیرے میں اتر گئے۔ جزیرے میں پہنچ کر انہوں نے چولہے بنائے، ان میں آگ جلائی اور مختلف کاموں میں لگ گئے۔ کوئی پکاتا، کوئی برتن کپڑے دھوتا اور کوئی سیر کرتا۔ میں ان لوگوں میں سے تھا جو جزیرے کے کنارے سیر کر رہے تھے اور سب لوگ کھانے پینے اور کھیل کود میں لگے ہوئے تھے۔ اتنے میں ناخدا نے کشتی کے کنارے کھڑے ہو کر زور سے آواز دی کہ اے لوگو! جلدی سے کشتی میں سوار ہو جاؤ! سوار ہونے میں دیر نہ لگاؤ! اپنا سامان چھوڑ دو! جان لے کر بھاگو اور تباہی سے بچ کر سلامتی میں آؤ۔ یہ جزیرہ جس پر تم موجود ہو جزیرہ نہیں بلکہ ایک بڑی مچھلی ہے و بچ سمندر میں اوپر آگئی ہے اور اس پر مٹی جمع ہو کر وہ جزیرے کی طرح ہو گئی ہے۔ اس پر درخت اگ آئے ہیں۔ جب تم نے اس پر آگ جلائی تو اس کی گرمی سے وہ بلی۔ اب وہ غوطہ مارنے والی ہے۔ اس نے سمندر میں غوطہ مارا تو سب ڈوب جاؤ گے لہذا اپنی جان بچاؤ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو انتالیسویں رات

جب پانچ سو انتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب ناخدا نے چلا کر کشتی والوں سے کہا کہ اپنی جان بچاؤ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور سامان کو پڑا رہنے دو اور کشتی والوں نے ناخدا کی آواز سنی تو وہ سارا سامان چھوڑ کر کشتی پر سوار ہونے کے لیے دوڑے۔ بعض تو کشتی تک پہنچ گئے اور بعض ابھی پہنچنے نہ پائے تھے کہ جزیرے کو حرکت ہوئی اور وہ ان تمام چیزوں سمیت جو اس پر تھیں، سمندر کی تھاہ میں چلا گیا اور متلاطم اور موج زن سمندر اوپر سے مل گیا۔ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جو بچھڑ گئے تھے اور انہی کے ساتھ ڈوب چلا تھا لیکن خدا نے مجھے بچا لیا اور ڈوبنے سے نجات دی۔ لکڑی کا ایک بڑا تختہ عنایت کیا جس پر بیٹھ کر لوگ نہاتے تھے۔ میں اسے پکڑ کر اس پر سوار ہو گیا کیونکہ جان عزیز تھی، چوؤں کی طرح دونوں پاؤں پانی میں چلاتا رہا اور موجیں مجھے ادھر ادھر پھیلتی رہیں۔ ناخدا کشتی کے بادبان کھول کر ان لوگوں کے ساتھ جو کشتی میں تھے، چلتا بنا اور جو ڈوب گئے تھے ان کی طرف بالکل توجہ نہ کی۔ میں کشتی کی طرف برابر دیکھا کیا یہاں تک وہ نظر سے غائب ہو گئی اور مجھے اپنی موت کا یقین آ گیا۔ اسی حالت میں رات ہو گئی، میں تختے کو پکڑے رہا اور ایک رات اور ایک دن اسے نہ چھوڑا۔ آخر ہوا اور موجوں کی مدد سے میں ایک بلند جزیرے کے پاس جا پہنچا جس کے درخت پانی میں جھکے ہوئے تھے اور اگرچہ میں مرنے کے قریب تھا لیکن ہمت کر کے میں نے ایک اونچے درخت کی شاخ پکڑ لی اور اس سے لٹک گیا اور لٹکتے لٹکتے جزیرے پر جا اترا۔ اب مجھے محسوس ہوا کہ میری ٹانگیں سوج گئی ہیں اور اندر کی طرف کسی مچھلی نے کاٹ کھایا ہے تاہم اپنی مصیبت اور پریشانی کی وجہ میں نے اس کی کچھ پروا نہ کی، مردے کی طرح جزیرے میں گر پڑا

اور مجھے یہ معلوم نہ ہوا کہ میں ہوں بھی کہ نہیں۔ اتنا میں سما ہوا تھا دوسرے دن تک میری یہی حالت رہی جب میرے اوپر دھوپ آئی اور مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میرے پاؤں سوج گئے ہیں لیکن اسی حالت میں میں چل کھڑا ہوا، کبھی لنگڑاتا ہو چلتا اور کبھی اکڑوں بیٹھ جاتا۔ اس جزیرے میں بے شمار میوے اور کئی میٹھے پانی کے چشمے تھے۔ میں نے پھل کھا کھا کر اپنے دن گزارے۔ ایک مدت تک میری یہی حالت رہی، جان میں جان آئی، زندگی دوبارہ ملی، چلنے پھرنے کی طاقت آگئی تو میں اپنی حالت پر غور کرنے اور جزیرے میں پھرنے اور خدا کے پیدا کئے ہوئے درختوں کے درمیان سیر کرنے لگا۔ میں نے ایک درخت کی لکڑی سے ایک لاٹھی بنائی جس کے سارے میں چلا کرتا۔

اسی طرح چلتے پھرتے جزیرے میں گھومتے گھومتے دور سے مجھے کوئی چیز دکھائی دی۔ میرا خیال ہوا یا تو وہ کوئی جنگلی جانور ہے یا سمندر کے چارپایوں میں سے کوئی چارپایہ۔ میں اس کی طرف بڑھا۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا وہ ایک بہت بڑا گھوڑا ہے جو سمندر کے کنارے بندھا ہوا ہے۔ میں اس کے پاس پہنچا تو وہ زور سے ہنسنے لگا۔ میں ڈر کر لوٹنے والا ہی تھا کہ زمین کے نیچے سے ایک شخص نکلا اور میری طرف بڑھ کر پوچھا تو کون ہے، کہاں سے آیا ہے اور یہاں آنے کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا اے میرے آقا میں ایک پردیسی ہوں، کشتی میں جا رہا تھا کہ ایک حادثہ پیش آیا۔ کچھ میرے ساتھی کشتی میں سوار ہو کر بھاگ گئے، کچھ ڈوب گئے، میں بھی ڈوبنے والوں میں تھا کہ ایک تختہ لگ گیا۔ میں اس پر سوار ہو گیا اور اس نے مجھے بہا کر میری جان بچائی اور موجوں نے مجھے اس جزیرے میں لا پھینکا۔ جب اس نے میری یہ باتیں سنیں تو میرا ہاتھ پکڑ کر بولا کہ میرے ساتھ چل۔ مجھے لیے لیے وہ ایک تہ خانے میں اترا جو زمین کے نیچے تھا اور ایک بڑے کمرے کے اندر پہنچ کر مجھے اس کے صدر میں بٹھا دیا اور میرے لیے کھانا لے آیا۔ بھوکا تو میں تھا ہی میں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ اچھی طرح سیر ہو گیا اور میرے دل کو اطمینان ہوا تو اس نے کہا اب تو

اول سے آخر تک اپنا سارا قصہ مجھ سے بیان کر۔
 میں نے شروع سے لے کر آخر تک سب کچھ کہہ سنایا، وہ میری سرگزشت سنتا جاتا
 اور حیرت سے مجھے دیکھتا جاتا۔ میں اپنی کہانی سنا چکا تو میں نے کہا اے میرے آقا
 مجھے معاف کر، میں نے اپنے سارے واقعات اور تمام ماجرا تجھے سنا دیا۔ اب میں یہ پوچھنا
 چاہتا ہوں کہ تو کون ہے اور تمہ خانے کے اس کمرے میں کیوں بیٹھا ہوا ہے اور
 سمندر کے پاس گھوڑا کس لیے باندھ رکھا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہم کئی شخص
 ہیں جو اس جزیرے میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ مرجان ایک بادشاہ ہے اس کے گھوڑوں
 کی دیکھ بھال ہمارے کام ہیں۔ ہمیں اس کا سائیں سمجھو۔ ہمارے ماتحت اس کا سارا
 اصطبل ہے۔ ہر چاند رات کو ہم اصیل باکرہ گھوڑیاں لا کر اس جزیرے میں باندھ دیتے
 ہیں اور اس کمرے میں تمہ خانے کے اندر چھپ جاتے ہیں تاکہ کوئی ہمیں دیکھ نہ
 سکے۔ ان گھوڑیوں کی بو سونگھ کر سمندر کے گھوڑے خشی پر آتے ہیں اور ادھر ادھر
 دیکھتے ہیں کہ کوئی ہے تو نہیں اور جب انہیں کوئی نظر نہیں آتا تو ان میں سے ہر
 گھوڑا ہماری گھوڑیوں میں سے ایک گھوڑی سے مل جاتا ہے۔ گھوڑیوں کو گیا بھن کرنے
 کے بعد وہ چاہتے ہیں کہ انہیں اپنے ساتھ لے جائیں مگر بندھے ہونے کی وجہ سے
 وہ گھوڑیاں ان کے ساتھ نہیں جا سکتیں۔ گھوڑے ہنساتے ہیں۔ اپنے سر اور ٹانگوں
 سے انہیں مارتے ہیں اور شور مچاتے ہیں۔ شور سن کر ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ہمارا
 کام ہو گیا۔ ہم سب شور مچاتے ہوئے نکل پڑتے ہیں اور وہ ہم سے ڈر کر سمندر میں
 اتر جاتے ہیں۔ گھوڑیاں ان سے گیا بھن ہو جاتی ہیں اور ان سے پچھڑی یا پچھڑا جو
 پیدا ہوتا ہے اس کا کیا کہنا، نہ صورت شکل میں اس کا جواب ہے نہ قیمت میں۔ اب
 گھوڑوں کے نکلنے کا وقت آ گیا ہے اور اپنے کام سے فرصت پا کر اگر خدا نے چاہا
 تو ہم تجھے اپنے بادشاہ مرجان کے اس لے چلیں گے۔

اتنے میں شر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی
 اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو چالیسویں رات

جب پانچ سو چالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- سائیں سند باد بحری سے بولا کہ میں تجھے بادشاہ مرجان کے پاس لے جاؤں گا اور تجھے اپنے ملک کی سیر کراؤں گا۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اگر ہم تجھے نہ مل گئے ہوتے تو تجھے اس جگہ اور کوئی نہ ملتا اور تو تکلیفیں اٹھا اٹھا کر مر جاتا اور کسی کو تیری خبر تک نہ ہوتی۔ میری وجہ سے تو زندہ رہ کر اپنے وطن پہنچ جائے گا۔ سند باد نے کہا کہ یہ سن کر میں نے اسے دعائیں دیں، اس کی مربانی اور احسان کا شکر گزار ہوا۔ ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ ایک گھوڑا سمندر میں سے نکلا اور زور سے ہنہا کر گھوڑی سے منہ ملاتے ملاتے اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ فارغ ہو کر چاہتا تھا کہ گھوڑی کو اپنے ساتھ لے جائے مگر نہ لے جاسکا اور گھوڑی زمین پر ٹاپیں مارنے اور ہنہانے لگی۔ یہ سن کر سائیں تلوار اور ڈھال لے کر کمرے سے باہر نکل آیا اور اپنے ساتھیوں سے چلا کر کہا چلو گھوڑے کو مار کر بھگاؤ اور تلوار کو ڈھال پر مارنے لگا۔ اتنے میں ساری ٹولی چلاتی ہوئی آ پہنچی اور گھوڑا ڈر کر بھاگا اور بھینس کی طرح سمندر میں اتر گیا۔ وہ سائیں تھوڑی ہی دیر بیٹھا ہو گا کہ اس کے ساتھی بھی ایک ایک گھوڑی لیے آ پہنچے اور مجھے دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ میں نے ان کے سامنے بھی اپنی ساری سرگزشت بیان کر دی۔ وہ میرے قریب آئے اور دسترخوان بچھا کر کھانا کھانے لگے اور مجھے قسم دی کہ میں بھی کھاؤں۔ میں نے بھی کھایا۔ اس کے بعد وہ اٹھے اور گھوڑیوں پر سوار ہو گئے، مجھے بھی ایک گھوڑی پر سوار کر کے اپنے ساتھ لے لیا۔ ہم سب روانہ ہو گئے اور چلتے چلتے بادشاہ مرجان کے ملک میں جا پہنچے۔ انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں جا کر میرا سارا ماجرا بیان کیا۔ بادشاہ نے مجھے بلوایا۔ جب بادشاہ کے سامنے میں کھڑا کیا گیا تو میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا، مزاج

پوچھا اور عزت کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا۔ پھر فرمایا کہ میں تمہاری زبان سے تمہارا حال پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں نے شروع سے لے کر آخر تک تمام باتیں بیان کر دیں جو میرے اوپر گزری تھیں یا جو میں نے دیکھا تھا۔ میرا سارا ماجرا سن کر اسے بڑا تعجب ہو اور وہ کہنے لگا بیٹا خدا کی قسم تجھ پر بڑی خیریت گزری۔ اگر تیری قسمت میں اور جینا ہوتا تو ان تکلفیوں سے نہ بچتا۔ خدا کا شکر ہے کہ تو صحیح و سلامت رہا۔ یہ کہہ کر اس نے میرے اوپر بڑی مہربانی کی، بڑا احترام کیا، مجھے اپنے قریب بٹھایا، میرے ساتھ بڑی دل دہی کی باتیں کیں اور مجھے سمندر کی چنگی کا والی تمام کشتیوں کا منشی بنا دیا جو بندرگاہ میں آتی تھیں۔ میں وہاں اس کی خدمت کرتا رہا اور وہ میری آؤ بھگت اور ہر طرح سے فائدہ پہنچاتا۔ اس نے مجھے عمدہ عمدہ اور قیمتی قیمتی پوشاکیں پہننے کو دیں اور سفارش کرنے اور لوگوں کو فائدہ پہنچانے والوں میں، میں پیش پیش ہو گیا۔ اسی طرح ایک مدت تک میں اس کی ملازمت میں رہا۔ جب کبھی میں بندرگاہ کی طرف جاتا تو مسافر سوداگروں اور ملاحوں سے پوچھتا کہ بغداد شہر کس طرف ہے تاکہ اگر کوئی اس کا پتا بتا سکے تو میں بھی اس کے ساتھ چلا جاؤں اور اپنے وطن پہنچ جاؤں لیکن نہ کوئی اسے جانتا تھا نہ کسی ایسے شخص سے واقف جو وہاں جاننے والا ہو۔ مجھے اس پر سخت حیرت تھی، پردیس میں رہتے رہتے اکت گیا۔ ایک مدت تک ایسی حالت میں گزارنے کے بعد میں ایک روز مرجان کے پاس گیا دیکھا کہ وہاں بہت سے ہندو بیٹھے ہوئے۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا، اور میرا وطن پوچھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو اکتالیسویں رات

جب پانچ سو اکتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- سند باد بحری نے کہا کہ جس وقت میں نے ان کا وطن پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ مختلف قوموں میں سے ہیں، بعض ان میں سے شاگریہ ہیں جو سب سے زیادہ شریف مانے جاتے ہیں اور کسی پر زور اور زبردستی نہیں کرتے اور ان میں سے ایک جماعت برہمنوں کی ہے اور وہ لوگ ہیں جو کبھی شراب نہیں پیتے مگر عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے ہیں اور اونٹ، گھوڑے اور مویشی پالتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ ہندوؤں کے بہتر فرقے ہیں۔ یہ سن کر مجھے بڑا اچنبھا ہوا۔

مرجان کی بادشاہت میں ایک جزیرہ ہے جس کا نام کاسل ہے۔ وہاں رات بھر ڈھول اور تاشوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ جزیرے والے اور مسافروں کا بیان ہے کہ وہیں کے لوگوں عقل مند اور سمجھ دار ہوتے ہیں۔ اس سمندر میں ایک مچھلی دیکھی جس کی لمبائی سو گز تھی اور ایک ایسی مچھلی بھی جس کا چہرہ الو کی طرح کا تھا۔ اس سفر میں، میں نے انتی عجیب و غریب چیزیں دیکھیں کہاگر سب کو تفصیل کے ساتھ بیان کروں تو وہ بہت لمبی چوڑی کہانی ہو جائے گی۔

غرض کہ میں اسے جزیرے کی سیر اور وہاں کی چیزیں دیکھا کرتا تھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں اپنی عادت کے موافق اپنی لائٹھی لیے سمندر کے کنارے کھڑا ہوا تھا کہ ایک بڑی کشتی سامنے آئی جس میں بہت سے سوداگر تھے۔ جب یہ کشتی بندرگاہ میں پہنچی اور کنارے پر آ کر لگی تو ناخدا نے اس کے بادبان لپیٹ دیئے، اسے خشکی کے قریب باندھ دیا، تختے لگا دیئے اور ملاحوں نے کشتی کا سارا سامان نکال کر خشکی پر رکھ دیا اور میں انہیں کھڑا دیکھتا رہا۔ اس کے بعد میں نے ناخدا سے پوچھا کہ تیری کشتی میں اور کوئی چیز تو باقی نہیں رہی؟ اس نے کہا اے میرے آقا، ہاں، کشتی کے اندر کچھ

اور سامان ہے لیکن اس کا مالک جو ہمارے ساتھ تھا ایک جزیرے کے قریب ڈوب گیا ہے اور ہم سمندر میں آگے بڑھ آئے۔ اس کا سامان ہمارے پاس امانت کے طور پر ہے۔ ہمارا ارادہ کہ ہم اسے بچ کر اس کے دام اس کے اہل و عیال کو بغداد دارالسلام میں پہنچا دیں۔ میں نے کہا سامان والے کا نام کیا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ سند باد بحری اور وہ ہمارے ساتھ تھا۔ مگر سمندر میں ڈوب گیا۔ میں نے اس کی یہ باتیں سنیں تو اسے غور سے دیکھنے لگا اور اسے پہچان لیا۔ زور سے چیخ ماری اور کہا اے ناخدا، جس سامان کا تو نے ذکر کیا ہے اس کا مالک میں ہوں اور میں ہی سندباد بحری ہوں جو سوداگروں کے ساتھ جزیرے سے اترا تھا اور جب اس مچھلی کو حرکت ہوئی جس پر ہم تھے اور تو نے ہمیں آواز دی تھی کچھ مسافر کشتی پر سوار ہو گئے اور باقی ڈوب گئے۔ میں بھی انہی ڈوبنے والوں میں تھا لیکن خدا کی مدد سے میرے ہاتھ وہ کھوکھلا تختہ لگ گیا جس پر کشتی والے نہایا کرتے تھے اور میں صحیح و سلامت رہا، ڈوبنے سے بچ گیا۔ اس تختے پر بیٹھ کر میں دونوں پاؤں مارنے لگا پھر ہوا اور لہروں کی مدد سے میں اس جزیرے پر پہنچ گیا۔ اس کے بعد خدا نے اپنی عنایت کی اور مجھے بادشاہ مہرجان کے آگے پیش کیا۔ میں نے اس سے اپنا سارا ماجرا بیان کیا، وہ میرے ساتھ بڑی نرمی سے پیش آیا اور مجھے اس بندرگاہ کا منشی بنا دیا۔ میں نے اس کی خدمت سے بڑا فائدہ اٹھایا، یہاں تک کہ وہ میری سفارش ماننے لگا۔ یہ سامان جو تیرے ساتھ ہے، میرا سامان ہے اور میری ملکیت ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو بیالیسویں رات

پانچ سو بیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- سند باد بحری نے ناخدا سے کہا کہ جو سامان تیرے ساتھ ہے۔ میرا سامان ہے، میری ملکیت ہے تو ناخدا نے لاجول پڑھی اور کہا کہ اب کسی میں بھی امانت اور ذمے داری کا احساس باقی نہیں رہا۔

سند باد کا بیان ہے کہ میں نے کہا کہ اے ناخدا اس کے کیا معنی؟ کیا تو نے بھی میرا قصہ نہیں سنا جو میں نے بیان کیا ہے۔ ناخدا بولا میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ میرے ساتھ ایک کشتی والے کا سامان ہے جو ڈوب چکا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کا مال ناحق لے لے۔ یہ تیرے لیے حرام ہے۔ ہم نے اسے اپنی آنکھوں سے ڈوبتے ہوئے دیکھا ہے اس کے ساتھ ہماری کشتی کے اور بھی بہت لوگ تھے جن میں سے ایک بھی نہیں بچا پھر تو کیوں کر دعویٰ کر سکتا ہے کہ سامان کا مالک تو ہے! میں نے کہا اے ناخدا! میرا قصہ سن اور میری بات سمجھ تا کہ میرا سچ تجھ پر ظاہر ہو جائے، جھوٹ بولنا منافقوں کا شیوہ ہے۔ اس کے بعد میں نے ناخدا کو وہ ساری چیزیں بتائیں جو بغداد سے چلتے وقت میرے ساتھ تھیں اور جزیرے میں پہنچنے تک میری رہیں جہاں ہم ڈوبے تھے اور اس سے چند باتیں بھی کہیں جو میرے اور اس کے درمیان پیش آئی تھیں۔ یہ سن کر ناخدا اور سوداگروں کو میری باتوں کا یقین آ گیا اور انہوں نے مجھے پہچان لیا اور میری سلامتی پر مبارک باد دی اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ خدا کی قسم ہمیں یقین نہ تھا کہ تو ڈوبنے سے بچ گیا ہے لیکن خدا نے تجھے دوبارہ زندگی دی ہے۔

اس کے بعد انہوں نے میرا سامان مجھے دے دیا اور میں نے دیکھا کہ ان سب پر میرا نام لکھا ہوا ہے اور ان میں سے کوئی چیز بھی کم نہیں ہے۔ میں نے سامان کھول کر اس میں سے بعض نفیس اور قیمتی چیزیں نکالیں اور ملاحوں کے ساتھ لے کر انہیں بادشاہ

کو بطور ہدیے کے پیش کیا اور بادشاہ سے کہا یہی وہ کشتی ہے جس میں 'میں تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ میرا سارا مال مجھے مل گیا۔ بادشاہ کو بڑا اچنبھا ہوا اسے یقین آ گیا کہ جو کچھ میں نے کہا تھا اس میں کوئی بات جھوٹ نہ تھی تو مجھ سے زیادہ محبت کرنے لگا۔ مجھ پر بڑی مہربانی کی اور میرے ہدیئے کے بدلے میں مجھے بہت سی چیزیں دیں۔ میں نے اپنا مال اور سامان بیچا اور اس میں مجھے بڑا فائدہ ہوا۔ پھر میں نے اس شہر سے سوداگری کا بہت سا مال اور سامان خریدا اور جب کشتی کے سوداگروں نے سفر کا ارادہ کیا تو میں نے بھی اپنا سامان اس میں لاد دیا اور بادشاہ کے پاس جا کر اس کی مہربانیوں اور احسانوں کا شکریہ ادا کیا اور اس سے اپنے وطن اور اہل و عیال کے پاس جانے کی اجازت مانگی۔ اس نے چلتے وقت اپنے شہر کی بہت سی سوغاتیں مجھے عطا کیں اور مجھے رخصت کیا۔ میں اس سے رخصت ہو کر کشتی پر سوار ہو گیا اور خدا کا نام لے کر ہم چل پڑے۔ خوش قسمتی نے ہمارا ساتھ دیا، تقدیر نے مدد کی اور ہم دن رات چلتے چلتے سلامتی کے ساتھ بھرے پہنچ گئے۔ وہاں اتر کر ہم کچھ دن ٹھہرے میں خوش تھا کہ جیتا جاگتا اپنے ملک میں پہنچ گیا۔ اس کے بعد میں اپنا مال اور اسباب لے کر جو بہت زیادہ اور بے حد قیمتی تھا، دارالسلام بغداد گیا اور گھر پہنچا۔ میرے گھر والے اور یار دوست جمع ہو گئے۔ پھر میں نے اپنے لیے نوکر چاکر، گورے کالے غلام اور کنیزیں خریدیں یہاں تک کہ میرا گھر بھر گیا اور میں نے پہلے سے بھی زیادہ مکان اور کوٹھیاں اور جائیدادیں خریدیں اور یاروں میں اٹھنا بیٹھنا شروع کیا۔ پردیس کا رہنا، مشقتیں اور سفر کے خطرے سب خواب و خیال ہو گئے۔ عیش و عشرت، کھانے پینے اور راگ رنگ میں مشغول ہو گیا۔ ایک مدت تک یہی حالت رہی۔ یہ ہے میرا پہلا سفر۔ اگر خدا کو منظور ہے تو کل میں اپنے سات سفروں میں سے دوسرے سفر کا حال سناؤں گا۔

اپنی پہلی داستان سنا کر سند باد بحری نے سند باد بری کو اپنے ساتھ شام کو کھانا کھلایا، اسے سو مشقال سونا دینے کا حکم دیا اور کہا کہ تو نے آج ہمیں بہت ممنون کیا۔ حمال نے بڑے شکریے کے ساتھ جو کچھ اس نے دیا تھا لے لیا اور اپنے گھر روانہ ہوا۔

راتے میں وہ یہ سوچتا تھا کہ انسانوں پر کیا کیا گزر جاتی ہے اور تعجب کرتا جاتا تھا۔ رات کو وہ اپنے گھر سویا، جب دن نکلا تو وہ پھر سند باد بحری کے گھر پہنچا۔ سند باد بحری نے اس کی بہت خاطر کی، اسے اپنے پاس بٹھایا اور جب اس کے باقی دوست آ گئے تو اس نے ان کے سامنے کھانا پینا پیش کیا، وہ بہت خوش ہوئے اور انہیں بڑا لطف آیا۔

اب سند باد بحری نے اپنا قصہ شروع کیا کہ:

○ دوسرے سفر کی کہانی

اے میرے بھائیو! سنو! جیسا کہ میں نے کل کہا تھا، میں نہایت عیش و عشرت اور مزے کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کے اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو تینتالیسویں رات

پانچ سو تینتالیسویں رات ہوئی تو شہر زاد نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب سند باد بحری کے ہاں اس کے دوست جمع ہو لیے تو اس نے ان سے کہنا شروع کیا کہ عیش و عشرت سے دن گزار رہا تھا اسی اثناء میں ایک دن میرے دل میں یہ سا گئی کہ گھر سے نکلنا چاہیے۔ ملک ملک کے سیر تماشے دیکھنے اور روزی کمانے کی لو لگی۔ یہ ٹھان کر میں نے اپنی تھیلیوں کے منہ کھولے اور قسم قسم کا مال و اسباب خرید کر دیا کے کنارے آ دھمکا۔ میں نے ایک نئی اور خوبصورت کشتی دیکھی جس کے بادبان نہایت نفیس کپڑے کے تھے اور جس میں بہت سے مسافر اور بہت سامان تھا۔ میں نے بھی اپنا اسباب اس پر لا دیا اور کشتی اسی دن روانہ ہو گئی۔ سفر نہایت خوشگوار تھا۔ ہم ایک سمندر سے دوسرے سمندر اور ایک جزیرے سے دوسرے جزیرے میں چلے جا رہے تھے۔ جہاں کہیں ہم پہنچتے وہاں سوداگروں اور مالداروں اور خرید و فروخت کرنے والوں سے ملاقاتیں ہوتیں۔ وہاں کی چیزیں خریدتے اور اپنی بیچتے۔ اسی حالت میں قسمت ہمیں ایک خوبصورت جزیرے میں لے گئی جس میں بہت سے درخت، عمدہ عمدہ میوے، خوشبودار پھول، چھمچائی ہوئی چڑیاں اور صاف شفاف پانی کے چشمے تھے۔ لیکن کوئی اللہ کا بندہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ناخدا نے وہاں لنگر ڈال دیا۔ سوداگر اور دوسرے مسافر اس جزیرے میں اتر پڑے تاکہ وہاں کی بہار دیکھیں، میوے کھائی اور پرندوں کے نغمے سنیں، اکلوتے اور زبردست خدا کی پاکی بیان کریں اور اس کی قدرت کے تماشائی بنیں۔ دوسروں کے ساتھ میں بھی جزیرے میں اتر گیا اور درختوں کے بیچ میں ایک چشمے پر جا بیٹھا۔ کھانا تو میرے پاس تھا ہی۔ دسترخوان بچھا کر اپنے مقدر کا رزق کھانے لگا۔ ہوا خوشگوار تھی اور چاروں طرف جنگل سنان پیٹ بھر کر لیٹ گیا۔ نیند آ گئی اور میں وہیں سو گیا۔ آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ نہ وہاں آدم ہے نہ آدم زاد۔ کشتی مسافروں کو لے

کر چل دی۔ نہ کسی سوداگر کو میری یاد آئی۔ نہ کسی ملاح کو میرا دھیان آیا۔ سب مجھے جزیرے میں چھوڑ کر چل دیئے۔ اب میں نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی مگر حق اللہ پاک ذات اللہ کے سوا کوئی نہ دکھائی دیا، اکیلا میں ہی تھا۔ مجھے اتنی گھبراہٹ ہوئی جس کی کوئی حد نہیں۔ غم الم اور مصیبت کی وجہ سے میرا برا حال ہوا۔ دنیا کی کوئی چیز بھی میرے پاس نہ تھی۔ نہ دوسرے وقت کا کھانا نہ اوڑھنے بچھانے کے کپڑا۔ دل پریشان تھا۔ ایسی حالت میں جینے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ جی میں کہنے لگا کہ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ پہلی مرتبہ تو بیچ گیا اور مجھے ایسے لوگ مل گئے جو مجھے جزیرے سے بستی میں لے گئے۔ مگر اب نا ممکن ہے کہ کوئی مجھے آبادی تک پہنچا دے۔ آخر نراس ہو کر رونے پٹنے لگا۔ یہاں تک کہ کبھی غصے میں اپنی بوٹیاں کلاتا، کبھی اپنا منہ پیٹتا اور اپنے اوپر لعنت ملامت کرتا کہ میں نے یہ کیا حماقت کی، اچھے خاصے اپنے وطن میں بیٹھے بٹھائے کیوں نکل پڑا۔ کھاتے پیتے، اچھے اچھے کپڑے پہنتے اور کسی مال و دولت کے محتاجی نہ ہوتے ہوئے مجھے سفر کیا سوچھی! میں اس پر پچھتاؤں کہ پہلے سفر میں اتنی مصیبت اٹھانے کے بعد بھی میں نے دوبارہ کیوں بغداد چھوڑ کر سمندر کے سفر کا نام لیا میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور میری حالت پاگلوں کی سی ہو گئی۔ میں کھڑا ہو گیا اور جزیرے میں ادھر ادھر دوڑنے بھاگنے لگا کیونکہ ایک جگہ بیٹھنا میرے لیے نا ممکن تھا۔ اس کے بعد میں ایک اونچے درخت پر چڑھ کر دائیں بائیں دیکھنے لگا لیکن سوائے آسمان اور پانی، درختوں، چڑیوں، جزیروں اور مٹی کے اور کچھ دکھائی نہ دیا۔ غور سے دیکھنے پر مجھے جزیرے میں ایک بڑی اور سفید سی کوئی چیز دکھائی دی۔ میں درخت پر سے اتر کر اس کی طرف چل کھڑا ہوا۔ چلتے چلتے اس تک پہنچ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک بڑا سفید اونچا اور بڑا گھیر والا گنبد ہے۔ میں نے قریب جا کر اس کے ارد گرد چکر لگایا کہیں اس کا دروازہ نہ ملا۔ وہ اتنا چکنا اور نرم تھا کہ میں اس کے اوپر چڑھ بھی نہ سکتا تھا۔ اب میں نے اس جگہ ایک نشان لگایا جہاں میں کھڑا تھا اور اس

کا گھیر ناپنے کے لیے اس کے چاروں طرف پھرا اور معلوم کیا کہ اس کا گھیر پچاس قدم ہے۔ اسی سوچ میں تھا کہ کس طرح سے اس کے اندر جاؤں جو یکایک ایسا معلوم ہو جیسے سورج ڈوب رہا ہے۔ چاروں طرف اندھیرا سا چھانے لگا۔ میں سمجھا کہ سورج پر بادل آ گئے ہیں مگر زمانہ گرمیوں کا تھا۔ اس لیے مجھے تعجب ہوا۔ اور سر اٹھا کر میں نے آسمان کی طرف نظر ڈالی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک بڑے ڈیل ڈول اور لمبے لمبے پروں والا پرندہ ہوا میں اڑ رہا ہے جس کی وجہ سے سورج چھپ گیا ہے اور جزیرے پر اندھیرا چھا گیا ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے اور بھی اچنبھا ہوا اور مجھے ایک قصہ یاد آ گیا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• پانچ سو چوالیسویں رات

جب پانچ سو چوالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- سند باد بحری نے بیان کیا کہ جزیرے میں اس پرندے کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوا اور مجھے وہ قصہ یاد آ گیا جو کسی زمانے میں سیاح اور مسافر سنایا کرتے تھے اور وہ یہ تھا کہ بعض جزیروں میں ایک بہت بڑا پرندہ ہوتا ہے جسے رخ کہتے ہیں۔ وہ ہاتھیوں کو لا کر اپنے بچوں کو کھلاتا ہے۔ اب میں سمجھا جو گنبد میں نے دیکھا ہے وہ رخ کا انڈہ ہے اور خدا کی مخلوقات پر مجھے سخت حیرت ہوئی۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ وہ پرندہ اس گنبد پر اترا اور اسے اپنے پروں سے ڈھانک کر اپنے پاؤں پیچھے زمین پر پھیلا دیئے۔ اور سو گیا۔ پاک ہے وہ ذات جو کبھی نہیں سوتی۔ اب میں اٹھا اور اپنا عمامہ سر سے اتار کر اسے دہرا کیا۔ اس میں بل دیئے یہاں تک کہ دوسرا سرا اس پرندے کے پاؤں سے خوب مضبوط باندھ دیا اور اپنے دل میں کہنے لگا ممکن ہے کہ یہ پرندہ مجھے ایسی جگہ پہنچا دے جہاں شہر آور آبادی ہو۔ اس جزیرے میں پڑے رہنے سے تو یہ اچھا ہو گا۔ رات بھر میں نے جاگتے گزاری تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے وہ سوتے میں اڑا لے جائے۔ جب سویرا ہوا اور دن نکلا تو وہ پرندہ اپنے انڈے پر سے اٹھا، زور سے چیخ ماری اور مجھے لے کر ہوا میں اڑ گیا۔ وہ اتنی بلندی پر جا پہنچا کہ میں سمجھا وہ آسمان تک پہنچ گیا ہے۔ اس کے بعد وہ نیچے اترنے لگا اور اترتے اترتے مجھے لیے ہوئے زمین پر اتر آیا اور ایک اونچی جگہ بیٹھ گیا۔

جب میرے پاؤں زمین پر لگے تو میں نے جلدی سے اپنی پگڑی کی بندش ڈھیلی کر دی اس سے الگ ہو کر دور جا کھڑا ہوا۔ ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ مجھے دیکھ نہ لے لیکن اس کی نظر مجھ پر نہ پڑی۔ اسے میری خبر بھی نہ ہوئی کہ میں کون ہوں، کہاں سے آیا؟ پھر میں اپنی پگڑی سمیت وہاں سے چل کھڑا ہوا۔ اس نے کوئی چیز زمین پر سے

اپنے پنچے میں لی اور آسمان کی طرف اڑ گیا۔ غور کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک بڑے ڈیل والا سانپ تھا جسے وہ لے کر ہوا میں اڑ گیا تھا۔ اب میں آگے بڑھا اور دیکھا کہ میں ایک اونچی جگہ پر ہوں جس کے نیچے ایک لمبی اور چوڑی گہری گھاٹی ہے اور پاس ایک اونچا پہاڑ ہے۔ اتنا اونچا کہ کوئی اس کی چوٹی کو دیکھ نہیں سکتا اس پر چڑھنا تو درکنار میں اپنی حرکت پر اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے لگا اور کہنے لگا کہ کاش میں اس جزیرے میں ہی پڑا رہتا، وہ اس ویرانے سے تو بہتر تھا! ہاں کھانے لیے کم از کم پھل اور پینے کے چشمے تو تھے۔ اس جگہ تو نہ درخت ہیں نہ پھل، نہ چشمے۔ میں نے لاحول.... پڑھی اور کہنے لگا کہ میری بھی وہ مثل ہوئی کہ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔ مگر کیا کرتا دل مضبوط کر کے اس گھاٹی میں چل کھڑا ہوا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس کی زمین ہیروں سے بھری پڑی ہے۔ جن سے معدنیات، جواہرات، چینی اور سلیمانی پتھروں میں چھید کرتے ہیں۔ وہ بہت سخت اور خشک پتھر ہوتا ہے۔ نہ اس پر لوہا اثر کرتا ہے نہ پتھر۔ نہ کوئی اسے توڑ سکتا ہے، سوائے کرنڈے پتھر کے وہ اور کسی چیز سے نہیں گھستا۔ اس گھاٹی میں طرح طرح کے سانپ بھی تھے جس کا قد و قامت تاڑ کے درختوں کے برابر تھا اگر ہاتھی بھی ان کے پاس جاتا تو وہ اسے نکل جاتے۔ یہ سانپ رات میں نکلتے اور دن میں چھپے رہتے تاکہ کہیں انہیں رخ اور شاہین لے جا کر نکلے نکلے نہ کر ڈالیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟

میں اس گھاٹی میں ٹھہر گیا۔ مجھے اپنے کئے پر بہت پشیمانی تھی اور دل میں کہہ رہا تھا کہ خدا کی قسم میں نے اپنی موت میں جلدی کی۔ جب دن ڈھل گیا تو میں اس گھاٹی میں کوئی جگہ تلاش کرنے لگا۔ جہاں رات بسر کر سکوں کیونکہ مجھے ان سانپوں سے اتنا ڈر لگتا تھا کہ بھوک پیاس کا خیال بھی نہ رہا تھا۔ کھانا پینا بھول گیا، مجھے جان کے لالے پڑ گئے۔ قریب ہی ایک بڑا سا غار دیکھا۔ میں نے اس کے اندر جا کر پتھر سے اس کا منہ بند کر دیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس جگہ داخل ہونے کی وجہ سے

اب میں امن و امان میں رہوں گا۔ دن نکل آئے گا تو میں نکل کر دیکھوں گا کہ تقدیر مجھے کیا دکھلاتی ہے۔ جب غار کے اندر میری نظر پڑی تو میں نے دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا سانپ غار میں اپنے انڈوں پر پڑا سو رہا ہے۔ میرا بدن کانپنے لگا اور میں نے اپنا سر اٹھا کر اپنے آپ کو قسمت کے سپرد کر دیا اور تمام رات جاگتے گزاری۔ سویرا ہوا، روشنی پھیلی تو میں وہ پتھر سرکلیا جس سے میں نے غار کا منہ بند کر رکھا تھا اور باہر نکل آیا۔ لیکن بیداری اور بھوک اور ڈر کی وجہ سے میری حالت متوالوں کی میرے آگے آگرا مگر آس پاس کوئی شخص دکھائی نہ دیا۔ مجھے بڑا اچنبھا ہوا اور ایک قصہ یاد آیا جو میں نے کبھی سوداگروں اور مسافروں اور سیاحوں سے سنا تھا کہ ہیرے کے پہاڑوں میں بڑی بری خوفناک چیزیں ہوتی ہیں۔ کسی کے لیے ان کے اندر جانا ممکن نہیں۔ تاجر لوگ ایک ترکیب سے انہیں لاتے ہیں۔ اور وہ ترکیب یہ ہے کہ لوگ ایک بھیڑ کو لے کر ذبح کرتے ہیں، اس کی کھال کھینچ کر اسے پہاڑ پر سے گھاٹی میں پھینکتے ہیں چونکہ وہ تر ہوتا ہے۔ ہیرے کے ٹکڑے اس میں چمٹ جاتے ہیں۔ دوپہر تک وہ یونہی پڑا رہتا ہے جب شاہین اور سفید عقاب نیچے اتر کر اس گوشت کے پاس جاتے ہیں اور اسے بچوں میں لے کر پہاڑ کے اوپر آتے ہیں تو لوگ اس کے پاس آ کر شور و غل مچانا شروع کرتے ہیں اور وہ اس گوشت کو چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ پھر تاجر آ کر ہیرے چھڑا لیتے ہیں جو گوشت پر چپکے ہوئے ہوتے ہیں، گوشت کو پرندوں اور درندوں کے لیے پڑا رہنے دیتے ہیں اور ہیرے لے کر اپنے وطن کو واپس چلے جاتے ہیں۔

اس ترکیب کے سوا ہیرے حاصل کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو پینتالیسویں رات

جب پانچ سو پینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- یہ ترکیب بتانے کے بعد سند باد بحری نے اپنے دوستوں سے کہا کہ جب ذبیحہ دیکھ کر مجھے یہ قصہ یاد آیا تو میں اٹھ کر اس کے پاس گیا اور اس میں سے بہت سے ہیرے چھڑا کر اپنے کپڑوں اور جیبوں میں بھر لیے۔ میں انہیں چھڑا چھڑا کر اپنی جیبوں، پٹکے، پگڑی اور دامن میں بھر ہی رہا تھا کہ ایک بہت بڑا پرندہ منڈلانے لگا۔ میں نے اپنے آپ کو پگڑی سے اس ذبیحہ پر باندھ دیا اور چت لیٹ کر اسے اپنے سینے پر رکھا اور خوب مضبوط پکڑ لیا۔ پرندہ اسے جھپٹا مار کر اڑا اور میں بھی اس کے ساتھ لٹکتا ہوا اڑا۔ اڑتے اڑتے وہ پہاڑ کی چوٹی پر اترا اور اسے نوچ کر کھانا ہی چاہتا تھا کہ اس کے پیچھے ایک بڑا شور و غل اٹھا اور پہاڑ پر لکڑیوں کی سی کھڑکھڑاہٹ ہونے لگی۔ یہ آوازیں سن کر وہ پرندہ جو شاہین تھا، چوکنہ ہوا اور ڈر کر ہوا میں اڑ گیا۔ میں نے اپنے آپ کو ذبیحہ میں سے کھولا اور اس کے پاس کھڑا ہو گیا۔ میرے کپڑے اس کے خون میں لتھڑے ہوئے تھے۔ اتنے میں وہ تاجر جس نے شاہین کے پیچھے شور و غل مچایا تھا، ذبیحہ کی طرف بڑھا۔ اس نے جو مجھے کھڑا ہوا دیکھا تو اتنا ڈرا اور گھبرایا کہ مجھ سے بات تک نہ کی اور ذبیحہ کے پاس جا کر اسے الٹا پلٹا لیکن اسے کوئی بھی ٹکڑا ہیرے کا نظر نہ آیا اور وہ لاحول.... پڑھنے اور ہائے افسوس، ہائے افسوس کہنے لگا۔ پشیمان ہو کر ہاتھ پر ہاتھ مارتا اور کہتا کہ یہ کیا قصہ ہے! میری ساری محنت اکارت گئی!

اب میں اس کی طرف بڑھا۔ وہ بولا کہ تو کون ہے اور یہاں کیسے آیا ہے؟ میں نے کہا ڈر مت اور پریشان نہ ہو، میں بھی انسان ہوں اور اچھے لوگوں میں سے ہوں۔ میں تاجر تھا اور میری کہانی عجیب و غریب ہے۔ میرے اس پہاڑ پر اور وادی میں آنے کا سبب بھی اچنبھے سے خالی نہیں۔ خوف نہ کر، میں تجھے وہ چیزیں دوں گا کہ تو خوش

ہو جائے گا۔ میرے پاس بہت سے ہیرے ہیں، ان میں سے تجھے اتنے دوں گا کہ تیرے لیے کافی ہوں گے۔ میرے پاس کا ہر ہیرا ان سے بہتر ہے جو تجھے مل سکتا ہے۔ اس لیے ڈر نہیں، پریشان نہ ہو۔ یہ سن کر اس شخص نے میرا شکریہ ادا کیا، مجھے دعائیں دیں اور مجھ سے باتیں کرنے لگا۔ جب دوسرے تاجروں نے دیکھا کہ میں ان کے ساتھی سے باتیں کر رہا ہوں تو وہ سب میرے پاس آ پہنچے۔ انہوں نے بھی ایک ایک ذبیحہ پھینکا تھا۔ میرے پاس آ کر انہوں نے سلام کیا اور میری سلامتی پر مبارک باد دی۔ مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔

میں نے انہیں اپنی ساری کہانی سنائی، سفر کی تمام تکلیفیں بیان کیں۔ یہ بھی بتایا کہ میں اس گھاٹی میں کس طرح پہنچا۔ اس کے بعد میں نے اپنے پاس سے بہت کچھ اس شخص کو دیا جس کے ذبیحے سے چمٹ کر میں آیا تھا۔ وہ خوش ہو گی اور اس نے مجھے دعائیں دیں اور میرا شکریہ ادا کیا۔ تاجروں نے کہا خدا کی قسم تیری تقدیر ایک نئی عمر لکھی ہوئی ہے کیونکہ تجھ سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی اس جگہ پہنچ کر پھر زندہ نکل آیا ہو، شکر ہے خدا کا تیری سلامتی پر پھر انہوں نے ایک نہایت اچھی جگہ رات بسر کی۔ میں بھیرات بھر ان کے ساتھ رہا۔ میں اس بات پر بہت خوش تھا کہ سانپوں کی گھاٹی سے صحیح و سلامت بچ کر آبادی میں پہنچ گیا۔ جب سویرا ہوا تو ہم اٹھے اور اس بڑے پہاڑ پر چل کھڑے ہوئے۔ ہم نے دیکھا کہ اس گھاٹی میں بہت سے سانپ ہیں۔

وہاں سے روانہ ہو کر ہم ایک باغ میں پہنچے جو ایک بڑے اور خوبصورت جزیرے میں تھا۔ جہاں کافور کے درخت تھے۔ یہ درخت اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اس کے سائے میں سو آدمی آ سکتے ہیں۔ جب کوئی اس میں سے کافور لینا چاہتا ہے وہ کسی لمبی چیز سے درخت میں ایک سوراخ کرتا ہے اس میں سے پانی جیسی چیز نکلتی ہے، اسے جمع کر لیتے ہیں۔ یہی کافور کا پانی جم کر گوند کی طرح ہو جاتا ہے۔ کافور اسی درخت کا رس ہے۔ پانی نکلنے کے بعد درخت سوکھ کر لکڑی ہو جاتا ہے۔ اس جزیرے میں ایک جانور ہوتا ہے

جس کو گینڈا کہتے ہیں۔ یہ باغ میں اس طرح چرتے پھرتے ہیں جس طرح ہمارے ملکوں میں گائیں بھینسیں۔ اس کا جسم اونٹ کے جسم سے بڑا ہوتا ہے اور وہ دانہ کھاتا ہے۔ اس کا شمار بڑے جانوروں میں ہے۔ اس کے سر کے بیچ میں ماتھے پر سامنے کی طرف ایک موٹا سینگ ہوتا ہے جس کی لمبائی دس گز ہو گئی اور جس میں انسان کی شکل بنی ہوتی ہے۔ اس جزیرے میں ایک قسم کی گائے بھی ہوتی ہے۔ ملاحوں، مسافروں اور اس پہاڑ اور جنگل میں سیاحت کرنے والوں کا بیان ہے کہ یہ جانور جسے گینڈا کہتے ہیں، بڑے سے بڑے ہاتھی کو اپنے سینگ پر اٹھا لیتا ہے اور اسے جزیرے کے اندر اور سمندر کے کنارے لیے پھرتا ہے اور اس کے بوجھ کو محسوس نہیں کرتا۔ ہاتھی اس کے سینگ کے اوپر ہی مر جاتا ہے اور دھوپ سے اس کی چربی پکھل پکھل کر گینڈے کے سر پر بننے لگتی ہے جب وہ اس کی آنکھوں میں پہنچتی ہے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے اور سمندر کے کنارے لیٹ جاتا ہے۔ پھر رخ آتا ہے اور اسے بچوں میں دبا کر اسے اور اس ہاتھی کو جو اس کے سینگ پر ہوتا ہے اور اپنے بچوں کو کھلاتا ہے۔ اس جزیرے میں میں نے طرح طرح کی بھینسیں دیکھیں جن کی نظیر ہمارے ہاں پائی جاتی۔ اس گھاٹی میں ہیرے کے پتھر کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جنہیں میں اپنی جیبوں میں چھپا کر ساتھ لے گیا تھا اور جس کے عوض سوداگروں نے اپنے ملک کا مال و اسباب مجھے دیا۔ درہم اور دینار دیئے۔ مختصر یہ کہ میں ان کے ساتھ برابر سفر میں رہا۔ ملکوں کی سیر کرتا، خدا کی مخلوق کو دیکھتا۔ ایک گھاٹی سے دوسری گھاٹی اور ایک شہر سے دوسرے شہر ہوتا، خرید و فروخت کرتا ہوا آخر بھرے پہنچا۔ اور وہاں کچھ روز ٹھہر کر بغداد گیا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو چھیالیسویں رات

پانچ سو چھیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب سند بات بحری پردیس سے لوٹ کر بغداد آیا، اپنے محلے میں پہنچ کر گھر میں داخل ہوا، اس کے گھر والے اور رشتے دار ملنے آئے تو اس نے انہیں ہیروں اور مال و اسباب میں سے کچھ دیا جن کا خزانہ اس کے پاس تھا۔ اب وہ پھر عیش و آرام کے ساتھ رہنے لگا۔ اچھے اچھے کھانے کھاتا، عمدہ عمدہ شراہیں پیتا، قیمتی قیمتی پوشاکیں پہنتا، دوستوں اور عزیزوں میں بیٹھ کر چین سے رہتا اور جو ملتا اس کے ساتھ مربانی سے پیش آتا اور ساری تکلیفیں بھول گیا جو اس نے اٹھائی تھیں۔ نہایت عیش و آرام، خوشی و مسرت اور کھیل کود میں دن بسر ہونے لگے۔ جو کوئی اس کے آنے کی خبر سنتا۔ اس کے پاس آ کر سفر کا قصہ اور ملکوں کی حالت دریافت کرتا اور تمام باتیں جو اس نے دیکھی تھیں اور ساری مصیبتیں جو اس نے جھیلی تھیں، بیان کرتا۔ سننے والوں کو بڑا اچنبھا ہوتا کہ اس نے اتنی تکلیفیں برداشت کی ہیں اور وہ اس کی سلامتی پر اسے مبارک باد دیتے۔ یہ اس کے دوسرے سفر کا حال تھا۔ اس کے بعد اس نے کہا خدا نے چاہا تو کل میں تمہیں اپنے تیسرے سفر کا قصہ سناؤں گا۔ جب سند بادی بحری سند باد بری کو یہ کہانی سنا چکا تو دسترخوان بچھا۔ سب نے اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانا کھا چکے تو اس نے سند باد کو سو مشقال سونا دینے کا حکم دیا۔ وہ اس سونے کو لے کر سند باد بحری کی تکلیفوں پر غور کرتا چل دیا اور گھر پہنچ کر دوپہر تک اس کی مہماں نوازی کو یاد کرتا اور اسے دعائیں دیتا رہا۔ پھر سو گیا۔ سویرا ہوا اور دن چڑھا تو سند باد جمال نے اٹھ کر فجر کی نماز پڑھی۔ اور سند باد بحری کے حکم کے مطابق اس کے گھر کی طرف روانہ ہوا اور اس کی مجلس میں جا حاضری دی۔ سند باد بحری نے اس کا خیر مقدم کیا اور صبح بخیر

کہا اور اپنے پاس بیٹھنے کو جگہ دی۔ جب اس کے باقی دوست احباب آ چکے اور کھانے پینے سے فراغت پائی تو سند باد بحری نے بیان کرنا شروع کیا کہ:

URDU4U.COM

○ تیرے سفر کہانی

اے میرے دوستو! تیرے سفر کی کہانی مجھ سے سنو گے تو تمہیں بڑا تعجب ہو گا۔ وہ ان کہانیوں سے زیادہ عجیب و غریب ہے جو میں نے آج سے پہلے بیان کی ہیں۔ خدا اپنے غیب کو بہتر جاننے والا اور اس پر بہتر حکم لگانے والا ہے۔ گزشتہ زمانے میں جب کہ میں دوسرے سفر سے لوٹا اور اپنی سلامتی پر خوش و خرم تھا۔ عیش و عشرت میں زندگی بسر ہو رہی تھی اور جیسا کہ میں نے کل بیان کیا ہے بڑی دولت کما کر لایا تھا۔ خدا نے مجھے میری کھوئی ہوئی دولت کے عوض بہت کچھ دیا۔ میں ایک مدت تک بغداد میں رہا۔ بڑے مزے سے رات اور دن گزر رہے تھے کہ پھر میرا جی سفر اور سیر کے لیے لپٹا، تجارت سے کمائی کرنے اور مال سمیٹنے کا شوق چرایا۔ دل تو ہمیشہ برے سے برے کام کا حکم دیتا ہے۔ میں تیار ہو گیا۔ سمندر کے سفر کے لائق بہت سا سامان خرید کر میں چل کھڑا ہوا۔ بغداد سے بھرے پہنچا اور بندر گاہ پر جا کر دیکھا کہ ایک بہت بری کشتی کھڑی ہوئی ہے جس میں بہت سے تاجر، دولت مند، دین دار اور متق و پرہیزگار لوگ سوار ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ کشتی میں بیٹھ گیا اور خدا کا نام لے کر ہم چل دیئے اور اپنی خیریت اور سلامتی پر خوش تھے۔ ہم سمندر سمندر، جزیرے جزیرے اور شہر شہر چلے جاتے، جہاں کہیں پہنچتے سیر و تفریح، خرید و فروخت کرتے اور بڑی خوشی میں دن گزارتے۔ ایک دن جب ہم متلاطم سمندر کے بیچ میں تھے اور ناخدا کشتی کے کنارے پر کھڑا سمندر کی طرف دیکھ رہا تھا کہ ایک ایک کی وہ اپنا سر پٹنے لگا۔ کشتی کے بادبان گرا دیئے لنگر ڈال دیئے کبھی اپنی داڑھی نوچتا، کبھی کپڑے پھاڑتا اور زور

زور سے چلاتا۔ ہم نے کہا اے ناخدا، خیر تو ہے؟ وہ بولا اے کشتی والو خدا تمہیں سلامت رکھے۔ ہوا نے ہمیں راہ سے بے راہ کر کے سمندر کے بیچ میں ڈال دیا ہے اور ہماری بدبختی ہمیں جبل الزعب کی طرف لے چلی ہے۔ وہاں کے لوگ بندروں کی طرح ہیں۔ جب کبھی کوئی بھولے چوکے ادھر جا نکلا ہے پھر زندہ نہیں لوٹا۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہم سے مارے جائیں گے۔

ناخدا کی باتیں ابھی ختم نہ ہوئی تھیں کہ کشتی ساحل پر جا لگی اور بندروں کا ایک لشکر آ پہنچا۔ کشتی کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور ٹڈی دل کی طرح کشتی اور خشکی میں پھیل گئے۔ کشتی کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور ٹڈی دل کی طرح کشتی اور خشکی میں پھیل گئے۔ ہم ڈرے کہ اگر ہم نے ان میں سے ایک کو بھی قتل کیا یا مارا یا بھگایا تو وہ اتنے زیادہ ہیں کہ ہم سب کو مار ڈالیں گے کیونکہ تعداد بہادری پر غالب آ جاتی ہے۔ ہم سم گئے کہ ہماری جانیں اور پونجی دونوں نہ چھین لیں۔ وہ بالکل وحشی تھے۔ ان کے بال سیاہ جی ہوئی اون کی طرح تھے۔ انہیں دیکھ کر ڈر لگتا تھا۔ ان کی بولی کسی کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ وہ انسانوں سے دور بستے تھے، ان کی آنکھیں زرد زرد اور چہرے کالے کالے تھے۔ ان کا قد ٹھگنا تھا۔ زیادہ سے زیادہ چار بالشت کا ہو گا۔ انہوں نے اتر کر لنگر کی رسیاں دانتوں سے کاٹیں، کشتی کو ہوانے دھکیل کر ان کے پہاڑ پر جا پہنچایا۔ اور وہ کل تاجروں اور دوسرے کشتی والوں کو پکڑ کر جزیرے کے اندر لے گئے اور تمام سامان سمیٹ کر چلتے ہوئے۔ چونکہ وہ ہمیں لے جا کر جزیرے میں چھوڑ آئے تھے اس لیے کشتی ہماری نظر سے غائب ہو گئی اور ہمیں پتا بھی نہ چلا کہ وہ کہاں گئی۔

ہم اس جزیرے میں بیٹھے پھل اور سبزی اور میوے کھا رہے اور اس کے چشموں کا پانی پی رہے تھے کہ ہمیں جزیرے کے بیچ میں ایک آباد گھر دکھائی دیا۔ ہم اس کی طرف چل کھڑے ہوئے، دیکھا کہ وہ مضبوط اور اونچی دیواروں والا ایک محل ہے جس کا دو

پٹ والا دروانہ کھلا ہوا ہے۔ دروانہ آبنوس کا بنا ہوا تھا۔ جب ہم اس محل کے اندر داخل ہوئے تو دیکھا وہاں ایک چادر دیواری ہے جو بڑے صحن کی طرح ہے جس میں بہت سے اونچے اونچے دروازے ہیں اور صدر میں ایک بڑا اور اونچا چبوترا ہے جہاں پکانے کے برتن انگیتھیوں پر لٹکے ہوئے ہیں اور آس پاس بہت سی ہڈیاں پڑی ہوئی ہیں لیکن اس کے اندر کوئی شخص نہیں۔ اس پر ہمیں بڑا تعجب ہوا اور ہم محل کی چار دیواری کے اندر جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد ہمیں نیند آ گئی۔ ہم دن نکلے سے لے کر سورج کے ڈوبنے تک سوتے رہے۔ اتنے میں ہمارے نیچے کی زمین ہلی اور ہوا میں آواز سی سنائی دی۔ محل کے اوپر سے ایک برے ڈیل ڈول والا شخص اترا اس کی شکل انسان کی سی تھی، رنگ کالا اور قد لمبا تھا۔ جیسے ایک بہت بڑا تاڑ کا درخت ہوتا ہے۔ اس کی آنکھیں آگ کے شعلوں کی طرح تھیں۔ اور اگلے دانت سور کے سے۔ منہ کنوئیں کے دہانے کی طرح بڑا اور ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح سینے پر لٹکے ہوئے۔ کان دو کشتیوں جیسے کندھوں پر لٹکے ہوئے، ہاتھوں کے ناخن شیر کے پنچے کی طرح۔ اس کی صورت دیکھ کر ہمارے ہوش جاتے رہے۔ اور مارے ڈر کے ہمارا خون خشک ہونے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو سینتالیسویں رات

جب پانچ سو سینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- سند باد بحری کا بیان ہے کہ ہم اسے دیکھ کر سہم گئے۔ نیچے اتر کر وہ تھوڑی دیر تک چبوترے پر بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر ہمارے پاس آیا۔ میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کھڑا کر کے میرے بدن کو ٹولا اور الٹا پلٹا۔ میں اس کے ہاتھ میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ایک چھوٹا سا نوالہ اور وہ میرے بدن کو ایسے ٹول رہا تھا جیسے قصاب اس بھیڑ کو ٹولتا ہے جسے وہ ذبح کرنے والا ہو۔ لیکن میں تکلیفوں کی وجہ سے کمزور، محنت اور سفر کے سبب دبلا ہو گیا تھا۔ مجھ میں گوشت کہاں، ہڈیاں ہی ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا اور میرے ایک دوسرے ساتھی کو پکڑ کر اسی طرح الٹنے پلٹنے اور ٹولنے لگا۔ جس طرح اس نے مجھے الٹا پلٹا اور ٹولا تھا۔ پھر اسے بھی چھوڑ دیا۔ اسی طرح وہ ایک ایک کو ٹولتا اور الٹ پلٹ کر دیکھتا یہاں تک کہ ہماری کشتی کے ناخدا کی باری آگئی۔ وہ بہت موٹا تانہ چوڑے شانوں والا مضبوط اور زور آور تھا۔ وہ اسے پسند آیا اور اس نے اسے اس طرح پکڑ کر جیسے قصاب جانور کو پکڑتا ہے زمین پر دے پٹکا اور اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھ کر اسے توڑ مروڑ ڈالا اور ایک لمبی سیخ لا کر اس کے پاخانے کے سوراخ میں اس طرح بھونکی کی وہ کھوپڑی میں نکل آئی اور خوب تیز آگ جلا کر اس پر وہ سیخ چڑھا دی جس میں ناخدا پرویا ہوا تھا۔ اور اتنا الٹا پلٹا کہ گوشت پک گیا۔ اب اس نے اسے آگ پر سے اتار کر اپنے آگے رکھا اور اس طرح نوچنا شروع کیا جیسے کوئی چٹیا کے بچے کو نوچتا ہے۔ اس کا گوشت ناخنوں سے نوچ نوچ کر کھانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ تمام گوشت کھا لیا اور ہڈیاں دانتوں سے چبا ڈالیں۔ جب کچھ باقی نہ رہا تھا اس نے ہڈیاں محل کے ایک طرف پھینک دیں۔ اس کے بعد وہ تھوڑی دیر تک بیٹھا رہا اور چبوترے پر لیٹ کر سو گیا اور اس طرح خراٹے بھرنے لگا جیسے ذبح کیا ہو پھڑا

یا کوئی دوسرا جانور۔ اسی طرح وہ صبح تک سوتا رہا اور پھر اٹھ کر چلتا ہوا۔ جب ہمیں یقین ہو گیا کہ وہ دور چلا گیا ہے تو ہم آپس میں باتیں کرنے لگے اور اپنی جانوں کی خیر منانے لگے۔ ہم نے کہا کاش ہم سمندر میں ڈوب گئے ہوتے یا بندروں نے ہمیں کھا لیا ہوتا! اس سے بہتر تھا کہ ہم انسان ہو کر انگاروں پر کباب کئے جائیں۔ خدا کی قسم یہ بہت بری موت ہے لیکن جو خدا چاہتا ہے وہی ہو کر رہتا ہے، سوائے خدا کے کسی اور کا زور نہیں چلتا۔ اب ہمارا اس مصیبت سے منرا یقینی ہے، کسی کو ہماری خبر تک نہ ہو گی۔ اب یہاں سے بچ کر جانے کی کوئی تدبیر نہیں۔ یہ کہہ کر ہم اٹھے اور جزیرے میں کوئی جگہ ڈھونڈنے لگے جہاں ہم چھپ سکیں یا جہاں سے بھاگنے کا رستہ پائیں۔ ہمیں مرنا پسند تھا اور نہیں چاہتے تھے کہ ہمارا گوشت آگ پر کباب کیا جائے مگر ہمیں کوئی جگہ ایسی نہ ملی جہاں ہم چھپیں۔ چونکہ شام ہو چکی تھی ناچار ہم پھر محل میں واپس آ گئے۔ تھوڑی دیر بیٹھے ہی تھے کہ پھر زمین ہلنے لگی اور وہی کالا کلونا پھر ہمارے پاس آیا اور پہلے کی طرح ایک ایک کو الٹنا پلٹنا شروع یا یہاں تک کہ ایک کو پسند کر کے اس نے پکڑ لیا اور اس کی وہی درگت بنائی جو پہلے دن ناخدا کی بنائی تھی۔ اسے بھون کر کھا گیا اور اس چبوترے پر سو رہا۔ رات بھر سوتا رہا اور اسی طرح خرانے لیتا رہا جس طرح کہ ذبح کیا ہوا جانور لیتا ہے۔ جب سویرا ہوا تو وہ اٹھا اور ہمیں پہلے کی طرح چھوڑ کر چلتا ہوا۔ ہم پھر سر جوڑ کر بیٹھے اور صلاح کرنے لگے کہ خدا کی قسم اگر ہم سمندر میں کود پڑیں اور ڈوب کر مر جائیں تو یہ جل مرنے سے بہتر ہے کیونکہ وہ بڑی بری موت ہے۔ ہم میں سے ایک بولا کہ میری بات سنو۔ ہمیں چاہیے کہ کسی دھوکے سے اسے مار ڈالیں۔ اس مصیبت سے چھٹکارا پائیں اور مسلمانوں کو اس کے ظلم و زبردستی سے نجات دیں۔ میں نے کہا کہ میرے بھائیو۔ اگر اس کا مارنا ہی ہے تو ایک کام کرو۔ پہلے ان لکڑیوں اور گھاس پھوس سے ہمیں کشتی کی طرح ایک ناؤ بنا لینی چاہئے اس کیبعد اسے قتل کرنے کی فکر کریں

اور جب وہ مر جائے تو فوراً ناؤ میں بیٹھ کر جہاں خدا کی مرض پو چل دیں یا یہیں ٹھہر کر کسی کشتی کا انتظار کریں اور جس وقت کوئی کشتی آ جائے تو ہم اس میں سوار ہو جائیں اور اگر ہم اس کو قتل نہ کر سکیں تو سمندر میں کود پڑیں کیونکہ ڈوب جانا اس سے بہتر ہے کہ ہم ذبح ہو کر آگ پر بھونے جائیں۔ اس طرح سے اگر ہم بچ گئے تو بچ گئے اور اگر ڈوب کر مرے تو شہد ہوئے۔ سب نے کہا خدا کی قسم یہ ٹھیک رائے ہے اور ہم سب نے اس پر متفق ہو کر کاروائی شروع کر دی۔ لکڑیاں چن چن کر ایک ناؤ بنائی اور اسے لے جا کر سمندر کے کنارے کھڑا کر دیا اور اس میں راستے کے لیے کچھ کھانا رکھ کر محل میں لوٹ آئے۔

شام ہوئی تو پھر زمین کو جنبش ہوئی اور وہی کالا دیو کٹ کھنے کتے کی طرح ہمارے پاس پہنچا اور ہمیں ایک ایک کر کے اٹنے پلٹنے اور ٹٹولنے لگا اور ہم میں سے ایک کو لے کر اس کے ساتھ وہی حرکت کی جو اس سے پہلے والوں کے ساتھ کی تھی اور اسے کھا کر چبوترے پر سو گیا اور بجلی کی طرح خراٹے لینے شروع کئے۔ اب ہم نے اتھ کر ان سینوں میں سے جو وہاں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ سیخیں لیں اور انہیں خوب تیز آگ پر رکھا یہاں تک کہ وہ سرخ ہو کر انگارے کی طرح ہو گئیں۔ اور انہیں خوب مضبوط پکڑ کر اس بھوت کے پاس آئے جو نیند میں پڑا خراٹے لے رہا تھا اور سینوں کو اس کی آنکھوں پر رکھ کر ہم نے اپنے جسموں ارادے کی انتہائی قوت سے بھونک دیا وہ اس کی آنکھوں میں گھس گئیں اور اسے اندھا کر دیا۔ اب وہ اس زور سے چیخا کہ ہمارا دل کانپا تھا۔ چبوترے سے اتر کر ہمیں ڈھونڈتا پھرتا اور ہم اس کے دائیں بائیں بھاگتے حالانکہ وہ اندھا ہو گیا تھا اور ہمیں دیکھ نہ سکتا تھا پھر بھی ہمیں اس سے بڑا ڈر لگتا تھا۔ ہم اپنی نجات سے ناامید ہو چکے تھے اور ہمیں اپنی موت کا یقین آ چکا تھا اس کے بعد وہ ٹٹولتا ٹٹولتا دروازے کی طرف گیا اور چلاتا ہوا باہر کی طرف نکل بھاگا اس کے شور و غل سے زمین ہلنے لگی۔ جب وہ محل سے نکلا تو ہم بھی اس کے پیچھے

نکل آئے۔ وہ ہمارے گر گھوم گھام کر چلتا ہوا تھوڑی دیر کے بعد ایک عورت کو لے کر لوٹا جو اس سے زیادہ لمبی تڑنگی اور ڈروانی تھی۔ جب ہم نے دیکھا کہ وہ ایک عورت لو لے کر آیا ہے جو اسے بھی زیادہ بھیا تک شکل کی ہے تو ہم کانپنے لگے۔ وہ ہمیں دیکھ کر تیز تیز ہماری طرف بڑھے۔ ہم نے اٹھ کر اس ناؤ کے لنگر کھول دیئے جو ہم نے بنائی تھی اور اس میں بیٹھ کر اسے سمندر میں دھکیل دیا۔ وہ دونوں بڑے بڑے پتھر لے کر آئے تھے۔ انہوں نے وہ پتھر ہماری طرف پھینکنے شروع کئے یہاں تک کہ ہم میں سے اکثروں کو پتھر مار کر مار ڈالا۔ صرف تین شخص باقی رہ گئے۔ ایک میں اور دو اور۔ اتنے میں شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• پانچ سو اڑتالیسویں رات

جب پانچ سو اڑتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- سند باد بحری نے بیان کیا کہ ہم میں سے محض تین شخص بچ رہے اور ناؤ ہمیں لے کر ایک اور جزیرے میں پہنچی۔ وہاں ہم شام تک سیر کرتے رہے۔ رات ہوئی تو ہم سو گئے لیکن تھوڑی دیر کے بعد ہماری آنکھ کھل گئی۔ ہم نے دیکھا کہ ایک بہت بڑے بھاری اور موٹے تازے اڑدے نے ہمارے گرد کنڈل مار کر ہم میں سے ایک کو شانوں تک نکل لیا ہے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے وہ اس کا باقی حصہ بھی نکل گیا۔ ہمیں اس کے پیٹ میں اس شخص کی ہڈی پسلیوں کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے بعد وہ اڑدہ چلتا بنا۔ ہمیں بڑا ڈر لگا۔ ہم انے ساتھی پر افسوس کرنے لگے۔ اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ ہم نے کہا یہ بھی عجیب و غریب بات ہے، ہر نئی موت پرانی سے بدتر نظر آتی ہے۔ ہم خوش تھے کہ کالے دیو سے ہمارا پیچھا چھٹا لیکن وہ خوشی تھی پوری نہ ہونے پائی، لاحول ولا قوہ الا باللہ اس آدم خور اور ڈوبنے سے تو ہم خدا خدا کر کے بچ نکلے۔ اب اس منحوس بلا سے کس طرح بچیں گے! یہ کہہ کر ہم اٹھے اور جزیرے کر چکر لگانے اور میوے کھانے اور چشموں کا پانی پینے لگے۔ جب شام ہوئی تو ہمیں ایک بڑا اور اونچا درخت دکھائی دیا۔ ہم دونوں اس پر چڑھ کر سو گئے۔ میں سب سے اوپر کی ٹہنی پر تھا۔ رات کا اندھیرا چھا گیا تو پھر وہی اڑدہ اپنی آنکھیں چمکاتا ہوا آ موجود ہوا۔ اور دائیں بائیں دیکھنے کے بعد اس درخت پر آیا جس پر ہم بیٹھے ہوئے تھے اور اس پر چڑھ کر میرے ساتھی تک پہنچ گیا۔ اسے آدھا نکل گیا۔ درخت کے اوپر ہی انگڑائی لی، مجھے اس کی ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دیتی تھی اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اسے نکل گیا۔

پیٹ بھرنے کے بعد اڑدہ درخت سے اتر کر چلتا ہوا اور میں بھر درخت کے اوپر

ہی رہا۔ جب دن نکلا اور روشنی پھیلی تو میں درخت سے اترا، مارے ڈر اور خوف کے میری بری کیفیت تھی۔ اور چاہتا تھا کہ سمندر میں گر کر دنیا سے چھٹکارا پاؤں مگر مرنے کا بھی حوصلہ نہ ہوا۔ جان بڑی پیاری ہوتی ہے۔ خدا کی قدرت مجھے ایک ترکیب سوجھ گئی۔ لکڑی لی اور اس میں اپنے پاؤں باندھا۔ ایسی ہی ایک لکڑی دہنی طرف ایک بائیں طرف اور ایک پیٹ پر باندھی اس طرح ایک بڑی لمبی چوڑی لکڑی لے کر اسے سر پر کس لیا غرض کہ میں لکڑیوں کا ایک پنجرہ سا بنا گیا۔ لکڑیاں میرے چاروں طرف ہو گئیں اور میں ان کے بیچ میں۔ اب میں گویا چوہی قلعے میں تھا۔ اس صورت میں درخت پر کیا چڑھتا۔ زمین ہی پر لیٹ کر سو گیا۔ رات ہوئی تو اڑدھا روز کی طرح آیا اور مجھے دیکھ کر میری طرف بڑھا۔ چونکہ میرے ہر طرف لکڑیاں بندھی ہوئی تھیں۔ مجھ پر منہ نہ ڈال سکا۔ میرے ارد گرد چکر لگاتا رہا لیکن اس کی شکل میری آنکھوں کے سامنے تھی اور میں مارے ڈر کے مردے کی طرح دم سادھے پڑا تھا۔ اڑدھا دور جاتا اور پھر میرے پاس آتا۔ وہ بار بار یہی کرتا اور جب وہ میرے قریب آتا تو لکڑیاں اسے روک لیتیں جو میرے چاروں طرف بندھی ہوئی تھیں۔ اس کی یہ حالت سورج ڈوبنے سے اس وقت تک رہی کہ سویرا ہو گیا۔ روشنی پھیلی اور سورج نکل آیا۔ اس کے بعد بڑے غصے میں پھنکارتا ہوا چلتا بنا۔

وہ چل دیا تو میں نے لکڑیاں کھول دیں۔ مگر ڈر اور مصیبت کے مارے جو اڑدھے کی وجہ سے میرے اوپر نازل ہوئی تھی میرا شمار زندوں میں نہیں بلکہ مردوں میں تھا۔ آخر کار میں اٹھا جزیرے میں چلتے چلتے اس کے کنارے پر پہنچا۔ اور سمندر کی طرف نظر دوڑائی تو مجھے دور سے سمندر کے بیچ ایک کشتی دکھائی دی۔ میں نے ایک درخت کی بڑی سی ٹہنی لے کر اس کی طرف بلانی شروع کی اور شور مچایا۔ کشتی والوں نے مجھے دیکھا کہ تو کہا دیکھیں تو سہی یہ کیا ہے؟ کہیں کوئی انسان تو نہیں! چنانچہ وہ میری طرف بڑھے، میرا شور و غل سن کر میرے پاس آئے۔ مجھے اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا

لیا اور میرا حال پوچھا۔ میں نے اپنا سارا ماجرا اور جو جو مصیبتیں میں نے جھیلی تھیں، شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیں۔ اس پر انہیں بڑا اچنبھا ہوا۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس سے کپڑے دیئے تاکہ میں اپنی شرم گاہ چھپا سکوں۔ پھر میرے آگے کھانا رکھا۔ میں نے اتنا کھایا کہ میرا پیٹ بھر گیا اور مجھے ٹھنڈا میٹھا پانی پلایا۔ اب میرا دل سنبھلا اور جان میں جان آئی، مجھے فرحت ہوئی کہ مرنے کے بعد خدا نے مجھے بچا لیا۔ میں نے خدا کی اس بڑی مہربانی کا شکریہ ادا کیا۔ اس حالت میں جب کہ مجھے مرنے کا یقین آ چکا تھا مجھ میں ہمت آ گئی۔ یہاں تک کہ مجھے ایسا معلوم ہونے لگا جو کچھ مجھ پر گزرا ہے، خواب ہے۔ خدا نے ہوا موافق کر دی اور ہم چلتے چلتے ایک جزیرے میں پہنچے جس کا نام جزیرہ سلاط ہے۔ ناخدا نے وہاں لنگر ڈال دیئے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو انچاسویں رات

جب پانچ سو انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جس کشتی میں سند باد بحری سوار ہوا تھا اس نے ایک جزیرے میں لنگر ڈالا اور تاجروں وغیرہ نے اتر کر خریدنا اور بیچنا شروع کیا۔ سند باد بحری نے بیان کیا کہ ناخدا نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میری بات سن، تو ایک پردیسی اور غریب شخص ہے تو نے خود بیان کیا ہے کہ تجھ پر بڑی بڑی بلائیں ٹوٹی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تجھے تھوڑا سا فائدہ پہنچا دوں جس سے تو اپنے وطن پہنچ جائے اور مجھے دعا سے یاد کرے۔ میں نے کہا کہ بہت خوب، میں تجھے دعائیں دوں گا۔ وہ بولا کہ سن ہمارے ساتھ ایک مسافر تھا جو کھو گیا ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا کیونکہ ہم نے اس کی کوئی خبر نہیں سنی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا سامان تجھے دے دوں تاکہ تو اس کیفاظت کرے اور اسے اسے جزیرے میں لے جا کر بیچے، ہم تیری محنت اور خدمت کے بدلے میں تجھے کچھ دے دیں گے اور جو باقی رہ جائے گا۔ اسے بغداد لے کر جائیں گے اور اس کے اہل و عیال کو تلاش کر کے جو بکا ہے اس کے دام اور باقی مال ان کے حوالے کر دیں گے۔ کیا تو اس پر آمادہ ہے کہ وہ مال اپنی سپردگی میں لے اور اسے اس جزیرے میں لے جا کر دوسرے تاجروں کی طرح بیچے؟ میں نے کہا اے میرے آقا، تیرا کہنا سر آنکھوں پر، یہ تیری مہربانی اور عنایت ہو گی میں نے اس کو شکریہ ادا کیا اور اسے دعا دی اور اس نے حملوں اور ملاحوں سے کہا کہ وہ سامان جزیرے میں اتار کر میرے سپرد کر دیں۔ چنگی کے منشی نے کہا کہ ناخدا، یہ کیسا سامان ہے جسے ملاحوں اور حملوں نے اتارا ہے اور میں اسے کس تاجر کے نام پر لکھوں؟ اس نے جواب دیا کہ اسے سند باد بحری کے نام پر لکھ جو ہمارے ساتھ تھا مگر جزیرے کے پاس ڈوب گیا ہے اور پھر ہمیں اس کی کوئی خبر نہیں ملی میں چاہتا ہوں کہ یہ پردیسی اسے بیچ کر

اس کے دام لے آئے اور ہم اس میں سے اس کی محنت کے بدلے کچھ اسے دے دیں گے اور باقی کو لے کر بغداد جائیں گے۔ اگر وہ ہمیں وہاں مل گیا تو ہم دام اسے دے دیں گے اور اگر نہ ملا تو ہم وہ بغداد اس کے گھر والوں کے سپرد کر دیں گے۔ منشی نے کہا کہ تیری بات مناسب ہے اور تیری رائے ٹھیک۔

جب میں نے ناخدا کو یہ کہتے سنا کہ سامان میرے نام پر ہے تو میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ واللہ میں ہی تو سند باد بحری ہوں اور میں ہی تو جزیرے کے پاس آور لوگوں کے ساتھ ڈوب گیا تھا۔ لیکن میں نے دل کو مضبوط کر کے صبر کیا اور جب تاجر لوگ کشتی سے اتر کر اکٹھے ہوئے اور خرید و فروخت کے بارے میں باتیں کرنے لگے تو میں نے ناخدا کے پاس جا کر کہا اے میرے آقا، کیا تجھے معلوم ہے کہ اس سامان کے مالک پر کیا گزری جسے تو مجھے بیچنے کے لیے دے رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے کچھ خبر نہیں مگر وہ بغداد کا رہنے والا تھا اور اس کا نام سند باد بحری تھا۔ ہم نے ایک جزیرے میں لنگر ڈالا۔ وہاں ہمارے ساتھ کے بہت سے لوگ ڈوب گئے۔ ان سب کے ساتھ اس کا بھی پتا نہ چلا اور آج تک ہمیں اس کی کچھ خبر نہیں ملی۔ یہ سن کر میں چیخ اٹھا اور کہنے لگا کہ اے ناخدا، خدا تجھے سلامت رکھے! سند باد بحری میں ہی ہوں۔ میں ڈوبا نہیں بلکہ جب تو نے لنگر ڈالا تھا، تاجر اور دوسرے کشتی والے اترے تھے تو میں بھی ان کے ساتھ اتر۔ میرے ساتھ کچھ کھانا تھا جو میں نے جزیرے میں بیٹھ کر کھایا۔ وہاں مجھے اتنا لطف آیا کہ میں اونگھنے لگا اور سو گیا اور خوب گہری نیند سویا۔ جب میری آنکھ کھلی تو نہ وہاں کشتی تھی اور نہ میرے پاس کوئی دوسرا شخص یہ سارا مال میرا ہی ہے میں اس کا مالک ہوں۔ ان تمام تاجروں نے جو ہیرے لاتے ہیں مجھے جبل الماس میں دیکھا ہے اور وہ گواہی دے سکتے ہیں کہ میں ہی سند باد بحری ہوں کیونکہ میں ان سے اپنا سارا قصہ اور جو کچھ تمہارے ساتھ کشتی میں پیش آیا تھا، تفصیل سے بیان کر چکا ہوں اور میں نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ جب میں سو رہا تھا تم مجھے بھولے سے چھوڑ کر چل دیئے اور جب میں جاگا تو وہاں کوئی نہ تھا اور میرے ساتھ

یہ یہ ماجرا پیش آیا۔

میری باتیں سن کر تاجر میرے ارد گرد جمع ہو گئے۔ بعضوں نے مجھے سچا سمجھا اور بعضوں نے جھوٹا۔ یہی ہو رہا تھا کہ ایک تاجر میری زبان سے وادی الماس کا نام سن کر میرے پاس آیا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ اے لوگو! میری بات سنو! جب میں تم سے اپنے سفر کا عجیب ترین واقعہ سنا رہا تھا اور یہ کہا تھا کہ ہم نے وادی الماس میں ذبح کئے ہوئے جانور پھینکے اور میرے ذبیحے کے ساتھ ایک شخص لٹتا ہوا آیا تو تم نے میرے بات کا یقین نہیں کیا بلکہ مجھے جھٹلایا۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے تو نے ہم سے یہی بات کہی تھی اور ہم نے تیرا یقین نہیں کیا تھا۔ تاجر نے کہا کہ یہی وہ شخص ہے جو میرے ذبیحے کے ساتھ لٹتا ہوا آیا تھا اور اس نے مجھے ایسے ایسے قیمتی ہیرے دیئے تھے جن کا جواب دنیا میں نہیں اور جتنے ہیرے اس نے مجھے دیئے وہ ان سے زیادہ تھے جو میرے ذبیحے میں چپک کر آ سکتے تھے۔ پھر ہم اسے بھرے تک اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں ہم سے رخصت ہو کر اپنے وطن چلا گیا اور ہم اپنے وطن۔ یہ وہی شخص ہے اس نے ہم سے یہ بھی کہا تھا کہ میرا نام سند باد بحری ہے اور یہ بھی کہ وہ اس جزیرے میں رہ گیا اور کشتی چلتی بنی۔ یہ شخص اسی لیے آیا ہے کہ تم میری بات کو جو میں نے کہی ہے سچ مانو۔ یہ سامان اسی کی ملکیت ہے کیونکہ جب ہمرا ان کا ساتھ ہوا تھا تو اس نے سامان کا ذکر کیا تھا۔ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے سچ ہے۔ اس تاجر کی باتیں سن کر ناخدا اٹھا اور میرے پاس آ کر اس نے مجھے تھوڑی دیر تک غور سے دیکھا اور کہا کہ تیرے سامان کی علامت کیا ہے؟ میں نے اپنے سامنے کی علامتیں بتائیں اور یہ بھی کہ جب میں بھرے میں تیرے ساتھ ہوا تھا تو ہمارے درمیان یہ بات طے ہوئی تھی۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ میں سند باد بحری ہوں اور وہ میرے گلے سے لپٹ گیا، مجھے سلام کیا اور میری سلامتی پر مبارک باد دی اور کہنے لگا کہ اے آقا! واللہ تیری کہانی اور داستان عجیب و غریب ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس نے تجھے ہم سے ملا دیا اور تیرا مال اور اسباب تجھے واپس دے دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• پانچ سو پچاسویں رات

جب پانچ سو پچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- ناخدا نے سند باد جہازی سے کہا کہ شکر ہے خدا کا کہ جس نے تیرا مال اسباب تجھے واپس دلوا دیا۔

سند باد جہازی کہتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو اپنی سلامتی اور مال کے دوبارہ مل جانے پر مبارک باد دی۔ اپنی سمجھ کے مطابق لین دین شروع کیا اور اس سفر میں مجھے بہت فائدہ ہوا۔ اب ہم جزیرے خرید و فروخت کرتے سندھ کے ملک میں پہنچے۔ وہاں بھی خوب خرید و فروخت کی۔ اس سمندر میں 'میں نے اتنی زیادہ عجیب و غریب چیزیں دیکھیں جو گنتی سے باہر ہیں۔ منجملہ اور چیزوں کے میں نے ایک مچھلی دیکھی جو گائے کی طرح تھی۔ دوسری گدھے جیسی اور ایک چڑیا بھی نظر سے گزری جو سمندر کے سیپ میں سے نکل کر پانی کے اوپر اٹنے دیتی' وہیں انہیں سیتی اور پانی سے خشکی پر کبھی نہیں آتی۔ پھر ہم خدا کے حکم سے روانہ ہو گئے' ہوا موافق تھی اور سفر خوشگوار۔ ہم بھرے پہنچ گئے' وہاں کچھ دنوں ٹھہر کر میں بغداد آیا اور اپنے گھر گیا۔ گھر والوں اور یار دوستوں کو سلام کیا اور اس بات پر بہت خوش ہوا کہ میں صحیح و سلامت اپنے ملک' اپنے شہر اور وطن واپس آ کر اپنے گھر والوں سے ملا' میں نے خیرات کی اور تحفے دیئے' غریبوں اور یتیموں کو پوشاکیں پہنائیں' دوست احباب کا اکٹھا کیا اور کھانے پینے اور ہنسی مذاق میں زندگی بسر کرنے لگا۔ میں اچھے سے اچھا کھاتا پیتا اور لوگوں سے ملتا جلتا' ساری تکلیفیں اور مصیبتیں اور جو جو کچھ مجھ پر گزری تھی سب بھول گیا۔ میں نے اس سفر میں اتنا کمایا کہ جس کا حد و حساب نہیں اور وہ چیزیں جو میں نے اس سفر میں دیکھیں سب سے زیادہ عجیب و غریب۔ اگر خدا نے چاہا تو کل جب تو آئے گا' میں اپنا چوتھا سفر بیان کروں گا۔ وہ ان تینوں سے زیادہ عجیب ہے۔

یہ کہہ کر سند باد بحری نے پھر اسے مشقال سونا دینے کا حکم دیا۔ جیسا کہ وہ روز کیا کرتا تھا اور دستر خوان بچھوایا۔ لوگ کھاتے جاتے اور اس قہے پر اچنبھا کرتے جاتے۔ عشاء کے بعد وہ سب چلتے ہوئے اور سند باد حمال بھی اس سونے کو لے کر جو اسے دیا گیا تھا، چلا گیا اور جو کچھ اس نے سند باد بحری سے سنا تھا اس پر بہت تعجب کیا۔ رات اپنے گھر میں گزاری۔ جب پوچھنی اور اجالا ہوا تو سند باد حمال اٹھا اور فجر کی نماز پڑھ کر سند باد بحری کے ہاں چل کھڑا ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے سلام کیا۔ سند باد بحری خوش ہو کر اس سے ملا۔ اسے اپنے پاس بٹھایا اور جب اس کے باقی دوست آچکے تو کھانا لایا گیا۔ سب نے کھایا پیا، سند باد بحری خوش ہوا اور اس نے کہانی سنائی شروع کی۔

○ چوتھی کہانی

سند باد بحری نے کہا اے میرے دوستو سنو! میں بغداد کو لوٹا اور اپنے یار دوستوں اور اہل و عیال سے مل کر بڑے مزے اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگا، مجھے اتنا فائدہ ہوا تھا کہ میں اپنے آپ کو بھول گیا، لو و لعب اور دوستوں کی صحبت میں رہنے اور نہایت عیش و عشرت سے دن گزارنے لگا کہ پھر میرے جی نے کہا کہ ملکوں کا سفر کرنا چاہیے۔ مجھے شوق پیدا ہوا کہ مختلف قسم کے لوگوں سے ملوں اور لین دین کرے کے کمائی کروں۔ آخر میں نے کمر باندھ لی، بحری سفر کے مناسب عمدہ عمدہ سامان خریدا اور پہلے سے زیادہ مال و سامان لے کر بغداد سے بھرے روانہ ہو گیا اور اسے ایک کشتی میں اتار کر جس میں بھرے کے بڑے بڑے لوگ سوار تھے۔ ان کے ساتھ ہو لیا۔ ہم روانہ ہوئے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوتا ہے کہ کشتی ہمیں متلاطم اور موج زن سمندر کے بیچ میں لے گئی۔ ہمارا سفر بہت اچھا رہا، اسی حالت میں ہم دن رات جزیرے

جزیرے اور سمندر سمندر سفر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک دن مخالف ہوا چلنے لگی اور ناخدا نے اس ڈر سے کہ کہیں ہم گہرے پانی میں ڈوب نہ جائیں بیچ سمندر کے لنگر ڈال دیا۔ ہم اسی حالت میں تھے اور خدا سے دعا اور اس کے آگے گریہ و زاری کر رہے تھے کہ ایسا زبردست ہوا کا جھونکا آیا کہ بادبان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور سب لوگ مع اپنے اسباب اور مال و متاع کے سمندر میں جا پڑے۔ میں بھی ان کے ساتھ موجوں کے تھپیڑے کھانے لگا اور دوپہر تک کبھی ڈوبتا کبھی اچھلتا، جینے کی کوئی آس نہ رہی مگر خدا نے کشتی کے تختوں میں سے ایک تختہ مجھ تک پہنچا دیا اور میں اور چند اور تاجر اس پر سوار ہو گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو اکیادونویں رات

جب پانچ سو اکیادونویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب کشتی ڈوب گئی، سند باد بحری اور چند تاجر ایک تختے پر سوار ہو گئے۔ سند باد بحری کہتا ہے کہ ایک دن اور رات ہم اسی طرح تختے پر بیٹھے پانی میں پاؤں مارے جاتے تھے۔ موجیں اور ہوا موافق تھی۔ دوسرے روز جب کچھ دن چڑھے ہوا تیز ہوئی، سمندر چڑھاؤ پر آیا اور موجیں اٹھیں تو پانی ہمیں دھکیلتا ہوا ایک جزیرے میں لے گیا۔ بیداری، تکان، سردی، خوف اور بھوک پیاس کے مارے ہم بالکل مردہ ہو رہے تھے۔ جب ہم جزیرے پر پہنچے تو ہم نے اسے بہت سر سبز پایا۔ ہم نے وہاں تھوڑا سا کھایا تا کہ ہم زندہ رہ سکیں اور ہم قوت باقی رہے۔ رات ہم نے جزیرے ہی کے کنارے گزاری۔ جب پو پھٹی اور اجالا ہوا تو ہم اٹھ کر جزیرے میں ادھر ادھر گھومنے لگے۔ ہمیں دور سے ایک عمارت دکھائی دی۔ ہم اس عمارت کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ جو ہم نے دور سے دیکھی تھی۔ چلتے چلتے اس کے دروازے پر کھڑے ہوئے ہی تھے کہ اس میں چند ننگے آدمی نکلے اور بغیر کچھ کہے سنے وہ ہمیں پکڑ کر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ اس نے ہم سے بیٹھنے کے لیے کہا، ہم بیٹھ گئے۔ اتنے میں کھانا لایا گیا مگر ہم اس قسم کے کھانے کو نہ تو جانتے تھے، نہ ایسا کھانا ہم نے اپنی زندگی میں کبھی دیکھا تھا۔ میری طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ میں اسے کھاؤں۔ اس لیے میں نے کھایا نہیں مگر میرے ساتھیوں نے کھا لیا۔ میرا نہ کھانا خدا کی مہربانی تھی جس کی وجہ سے میں آج تک زندہ ہوں۔

اس کھانے کے کھاتے ہی میرے ساتھیوں کی عقل جاتی رہی۔ وہ پاگلوں کی طرح ہو گئے اور ان کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ اس کے بعد لوگوں نے ناریل کا تیل لا کر انہیں پلایا اور ان کے بدنوں سے چپڑا۔ تیل کے پیتے ہی میرے ساتھیوں کی آنکھیں بھینگی ہو

گئیں اور عادت سے زیادہ وہ اس کھانے کو کھانے لگے۔ مجھے اس پر تعجب ہوا۔ ان پر افسوس کرنے لگا اور ان نگلوں کو دیکھ کر مجھے خود اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ غور کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ وہ آتش پرست ہیں اور ان کا بادشاہ بھوت ہے جو کوئی بھی ان کے ملک میں آتا ہے یا جس کسی کو وہ دیکھتے ہیں یا اس گھاٹی اور ان راستوں میں اس سے ملاقات ہوتی ہے تو وہ اسے اپنے بادشاہ کے پاس لا کر یہی کھانا کھلاتے ہیں اور یہی تیل اس کے چڑتے ہیں جس کی وجہ سے اس کا پیٹ بڑھ جاتا ہے۔ پھر وہ اسے وہی کھانا اور تیل اور زیادہ کھلاتے پلاتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ موٹا تانہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اسے ذبح کر کے اپنے بادشاہ کو کھلاتے ہیں۔ اس بادشاہ کے ساتھی بھی انسان کا گوشت بھی کھاتے تھے مگر نہ اسے بھونتے نہ پکاتے۔ ان کی حرکتوں سے میں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے متعلق بڑا پریشان ہوا۔ ان کی یہ حالت تھی کہ عقل کے زائل ہونے کی وجہ سے انہیں اس کی خبر تک نہ تھی ان کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ وہ ایک شخص کے سپرد کر دیئے گئے تھے جو انہیں روز جزیرے میں لے جا کر جانوروں کی طرح چراتا تھا۔ میری یہ حالت تھی میں مارے ڈر اور بھوک کے کمزور اور بیمار پڑ گیا گوشت سوکھ گیا اور ہڈیاں نکل آئیں۔ یہ حالت دیکھ کر انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور بھول گئے۔ کسی کو میری یاد تک نہ آئی نہ میرا خیال رہا یہاں تک کہ میں ایک زور انہیں دھوکا دے کر وہاں سے نکل بھاگا۔ بھاگتے بھاگتے بہت دور پہنچ گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک چرواہا بیچ سمندر میں کسی اونچی چیز پر بیٹھا ہوا ہے۔ غور سے دیکھنے پر مجھے معلوم ہوا کہ یہ وہی شخص ہے جسے میرے ساتھی چرانے کے لیے سپرد کیے گئے ہیں اور اس کے ساتھ ویسے ہی اور بھی بہت سے لوگ ہیں۔ اس شخص نے مجھے دیکھا تو اس نے جان لیا کہ میری عقل ابھی تک زائل نہیں ہوئی اور میری وہ حالت نہیں جو میرے ساتھیوں کی ہے۔ اس نے دور سے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ پیچھے لوٹ اور اس راستے پر جا جو تیرے وہنی طرف ہے، وہاں سے تو شاہراہ پر پہنچ جائے

گا۔ اس کے اشارے کے مطابق میں پیچھے لوٹ پڑا اور دائیں ہاتھ والے راستے پر چل دیا اور برابر چلتا رہا۔ کبھی تو میں مارے ڈر کے تیز تیز چلتا، کبھی آہستہ آہستہ یہاں تک کہ میں اس شخص کی نگاہ سے غائب ہو گیا جس نے مجھے راستہ بتایا تھا۔ اب مجھے اطمینان ہوا کیونکہ نہ وہ مجھے دیکھ سکتا تھا اور نہ میں اس کو۔ اتنے میں سورج ڈوبا اور اندھیرا چھانے لگا۔ میں بیٹھ کر سستانے لگا اور چاہتا تھا کہ سو جاؤں مگر مارے ڈر، بھوک اور تکان کے نیند نہیں آتی تھی۔

جب آدھی رات ہوئی تو میں نے اٹھ کر جزیرے میں گھومنا شروع کیا۔ اتنے میں دن نکل آیا، سوریا ہوا اور روشنی پھیلنے لگی۔ پہاڑیوں اور گھاٹیوں پر سورج چکا چونکہ میں تھکا ماندہ اور بھوکا پیاسا تھا۔ میں نے گھاس پات کھا کر اپنا پیٹ بھرا۔ اللہ کا شکر ہے کہ میری جان بچ گئی۔ اس کے بعد میں اٹھ کر پھر جزیرے میں ایک طرف روانہ ہوا اور دن رات برابر چلتا رہا۔ جب بھوک لگتی تو گھاس پات کھا لیتا۔ اس طرح سے میں سات دن سات رات برابر چلا کیا، آٹھواں دن ہوا مجھے دور سے کوئی چیز دکھائی دی۔ میں اس کی طرف چل پڑا۔ سورج ڈوبنے کے بعد وہاں پہنچا اور اسے دور سے غور کے ساتھ دیکھا کیونکہ بار بار تکلیفیں اٹھاتے اٹھاتے مجھے اب ڈر لگنے لگا، مجھے معلوم ہوا کہ وہاں چند لوگ کالی مرچیں جمع کر رہے ہیں۔ میں ان کے قریب گیا اور ان کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ دوڑ کر میرے پاس آئے۔ میرے ارد گرد جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اے لوگو! میں ایک مسکین شخص ہوں۔ یہ کہہ کہہ میں اپنا سارا ماجرا اور جو جو تکلیفیں اور مصیبتیں مجھ پر گزری تھی کہہ سنائیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو بادنویں رات

پانچ سو بادنویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب سند باد بحری نے ان سے اپنا سارا حال کہا تو وہ بولے واللہ یہ عجیب واقعہ ہے لیکن یہ تو بتا کہ تو ان مردم خواروں سے بچ کر اور ان سے بھاگ کر اس جزیرے میں کیسے پہنچا، ان کا تو شمار نہیں؟ وہ تو آدمیوں کو کچا کھا جاتے ہیں۔ ان سے نہ کوئی بچتا ہے اور نہ وہاں سے نکل سکتا ہے۔ میں نے اپنی ساری کہانی انہیں سنا دی اور ان سے کہا کہ انہوں نے میرے ساتھیوں کو کس طرح کھانا کھلایا مگر میں نے اس میں سے کچھ نہیں کھایا۔ انہوں نے میری سلامتی پر مجھے مبارک باد دی، میری سرگزشت پر سخت تعجب کیا اور مجھے اپنے ساتھ بٹھایا اور جب وہ اپنے کام سے فارغ ہو چکے تو میرے لیے بہت عمدہ کھانا لائے۔ میں بھوکا تو تھا ہی میں نے خوب کھایا اور ان کے پاس بیٹھ کر آرام کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ مجھے لے کر ایک کشتی میں سوار ہوئے اور اپنے جزیرے اور وطن میں پہنچ کر انہوں نے مجھے اپنے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے مجھے مرحبا کہا، میری عزت کی اور میرا حال پوچھا۔ میں نے اسے بھی اپنا سارا کچا چٹھا سنایا جو مجھے بغداد سے نکلنے کے بعد سے اس کی خدمت میں پہنچنے تک پیش آیا تھا۔ میری کہانی سن کر اسے بھی بڑا اچنبھا ہوا اور ان لوگوں کو بھی جو اس کی مجلس میں حاضر تھے اور اس نے مجھ سے کہا کہ بیٹھ جا، میں بیٹھ گیا۔ اس نے کھانا منگوایا، لوگ کھانا لے آئے، میں نے پیٹ پھر کر کھایا اور ہاتھ دھو کر خدا کی مرہانی کی، شکریہ ادا کیا اور اس کی تعریف کی۔ بعد ازاں میں بادشاہ کے پاس سے اٹھ کر شہر کی سیر کرنے گیا۔ دیکھا کہ وہ آباد ہے۔ اس میں بہت سا مال، کھانے پینے کی چیزیں ہیں اور بازار میں لوگ خرید و فروخت کر رہے تھے۔ اس شہر میں پہنچ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی اور میرے دل کو اطمینان ہوا اور میں وہاں کے لوگوں سے بہت مانوس

ہو گیا اور وہ ان کا بادشاہ دونوں اپنے ملک کے بڑے لوگوں سے بھی بڑھ کر میری آؤ بھگت کرنے لگے۔

میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ چھوٹے ہوں یا بڑے نہایت عمدہ اور خوبصورت گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں مگر زین نہیں رکھتے۔ اس پر مجھے بڑا اچنبھا ہوا۔ میں نے ان کے بادشاہ سے کہا کہ اے میرے مولیٰ تو زین لگا کر کیوں سواری نہیں کرتا؟ اس سے سوار کو آرام ملتا ہے۔ اور طاقت بڑھتی ہے۔ اس نے پوچھا کہ زین کیسا ہوتا ہے؟ اس پر سوار ہونا تو درکنار ہم نے اسے زندگی بھر دیکھا تک نہیں۔ میں نے کہا کہ اجازت ہو تو میں تیرے لیے ایک زین بناؤں اور تو اس پر بیٹھ کر دیکھ کر کتنا لطف آتا ہے۔ وہ بولا کہ بنا۔ میں نے کہا کہ مجھے تھوڑی سی لکڑی منگوا دے، اس نے میری خواہش کے مطابق لکڑی منگوا دی۔ اب میں نے ایک کاریگر بڑھئی کو بلوایا اور اس کے پاس بیٹھ کر اسے زین بنانا سکھایا۔ پھر اون لے کر اسے رنگا، اس کا منہ بنایا چمڑا منگوا کر زین پر چڑھایا اور اسے جلا دے کر چمکایا۔ اس کے بعد میں نے لوہار کو بلوایا اور اسے رکابیں بنانے کی ترکیب بتائی۔ اس نے لوہے کو ہتھوڑے سے کوٹ کر رکابیں بنائیں۔ میں نے انہیں پانی میں بجھا کر اس پر سفید رنگ چڑھایا اور اس میں ریشم کے پھندنے لگائے۔ پھر میں جا کر بادشاہ کے عمدہ گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا لایا۔ اس پر زین لگا کر رکابیں باندھیں اور لگام دے کر گھوڑے کو بادشاہ کے پاس لے کر جا کھڑا کیا۔ وہ اسے دیکھ کر خوش ہو گیا۔ اسے بہت پسند آیا۔ میرا شکریہ ادا کیا اور اس پر سوار ہوا۔ زین پر بیٹھ کر اسے بڑا لطف آیا اور اس کے بنانے کے بدلے اس نے مجھے بہت کچھ انعام میں دیا۔

جب وزیر نے دیکھا کہ میں نے یہ زین بنایا ہے تو اس نے مجھ کو ایک اور زین بنانے کے لیے کہا۔ میں نے ویسا ہی زین اس کے لیے بھی بنا دیا۔ اب تو ملک کے تمام بڑے لوگ اور منصب دار مجھ سے زینوں کی فرمائش کرنے لگے اور میں بنا بنا کر انہیں دینے لگا۔ بڑھئی کو زین بنانا اور لوہار کو رکابیں بنانی سکھا دیں اور ہم زینیں اور رکابیں بنا بنا کر امیروں اور سرداروں کے ہاتھ بیچنے لگے۔ اس طرح میں نے بہت دولت جمع کر لی

اور وہ مجھے بڑا آدمی سمجھنے لگے ہر جگہ میری بہت زیادہ آؤ بھگت ہونے لگی۔ بادشاہ اس کے درباریوں، شہر اور ملک کے رئیسوں میں میرا درجہ بہت اونچا ہو گیا۔ ایک روز جب کہ میں بادشاہ کے دربار میں بڑی خوشی اور عزت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ بادشاہ نے مجھ سے کہا اے فلاں، میری بات سن۔ تجھے ہمارے ہاں بڑی عزت حاصل ہو گئی ہے اور تو ہمارا اپنا ہو گیا ہے۔ اب ہم تیری جدائی گوارا نہیں کر سکتے، نہ تجھے اس شہر سے جاتا دیکھ سکتے ہیں میں تجھ سے ایک بات کی خواہش رکھتا ہوں بشرطیکہ تو اسے مان لے اور میرے کہنے کو نہ ٹالے۔ میں نے کہا اے بادشاہ! تو جو چاہتا ہے کہہ، میں تیری بات ہرگز نہ ٹالوں گا کیونکہ تو نے میرے ساتھ نیکی، مجھ پر احسان اور مہربانی کی ہے۔ میں خدا کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ میرا شمار نوکروں میں ہے۔ اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تیری شادی یہاں کسی خوبرو اور حسین لڑکی سے کر دوں جو خوبصورت ہونے کے علاوہ مال دار بھی ہو تاکہ تو یہیں رہ پڑے اور میں تجھے اپنے محل میں اپنے ساتھ رکھوں۔ دیکھ میری مخالفت نہ کیجیو۔ نہ میری بات ٹالیو۔ بادشاہ کی یہ باتیں سن کر میں مارے شرم کے سرخ ہو گیا اور اسے کچھ جواب نہ دیا۔ اس نے کہا بیٹا، تو جواب کیوں نہیں دیتا؟ میں نے عرض کیا کہ اے میرے آقا، اے جہاں پناہ! تیرا جیسا حکم۔ اس نے فوراً قاضی اور گواہوں کو بلوا بھیجا اور میرا نکاح ایک شریف زادی سے کر دیا جو عالی نسب، مالدار، بڑے گھرانے والی، حسین و جمیل مکانوں، جائیدادوں اور جاگیروں کی مالک تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو تریپنویں رات

پانچ سو تریپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- سند باد بھری نے بیان کیا کہ جب بادشاہ نے میری شادی ایک بڑی امیر زادی سے کر دی تو اس نے ایک بڑا اور خوبصورت مکان ہمارے رہنے کے لیے دیا، بہت سے نوکر چاکر دیئے، میرا روزینہ اور ماہانہ مقرر ہو گیا اور میں بڑے آرام اور عیش و عشرت سے زندگی گزارنے لگا۔ تمام تکلیفیں اور مصیبتیں خواب و خیال ہو گئیں۔ اپنے دل میں کہتا کہ جب میں اپنے وطن جاؤں گا تو یہ بھی میرے ساتھ ہو گی مگر جو کچھ انسان کے لیے خدا نے لکھ دیا وہ ہو کر رہتا ہے۔ کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اس پر کیا گزرنے والی ہے۔ ہمارے دن بڑے مزے سے گزر رہے تھے میں ابھی اسے بہت چاہتا تھا۔ وہ بھی مجھے بہت چاہتی تھی۔ ہم دونوں میں بڑا سلوک تھا۔

اس کے بہت دنوں کے بعد اتفاق کی بات خدا کے حکم سے میرے پڑوسی کی بیوی فوت ہو گئی جو میرا دوست تھا، میں اس کی بیوی کی تعزیت کے لیے اس کے پاس گیا، دیکھا کہ اس کی بڑی بری حالت ہے۔ وہ بہت غمزدہ اور پریشان ہے۔ میں نے تعزیت کی، اسے تسلی دی۔ اس سے کہا کہ بیوی کے لیے اتنا غمگین نہ ہو، خدا تجھے اس سے بہتر عطا کرے گا اور تیری عمر میں برکت دے گا انشاء اللہ۔ یہ سن کر وہ زار زور رونے لگا۔ بولا اے میرے دوست! میری زندگی میں ایک ہی دن تو باقی رہا ہے۔ اس میں کس طرح دوسری سے شادی کر سکوں گا اور مجھے خدا کون سی بہتر چیز دے سکتا ہے! میں نے کہا بھائی مرنے کی بد شگونی نہ کر، تو بالکل ہٹا کٹا ہے۔ وہ کہنے لگا اے دوست تیری جان کی قسم کل تو مجھے نہ پائے گا اور پھر عمر بھر کبھی نہ دیکھ سکے گا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیسے؟ اس نے کہا آج لوگ جب لوگ میری بیوی کو دفن کریں گے مجھے بھی اس کے ساتھ زندہ درگور ہونا پڑے گا۔ ہمارے ملک میں یہی دستور

ہے کہ اگر بیوی مر جاتی ہے تو اس کے شوہر کو اس کے ساتھ زندہ دفن کر دیتے ہیں اور اگر شوہر مر جاتا ہے تو اس کی بیوی ان کے ساتھ زندہ دفن ہوتی ہے تاکہ کوئی بھی اپنے ساتھی کے مرنے کے بعد زندگی کا لطف نہ اٹھا سکے۔ میں نے کہا کہ خدا کی قسم یہ بہت برا دستور ہے۔ کیا کوئی اسے توڑ سکتا ہے؟

ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ شہر والوں کی ایک بڑی جماعت آ پہنچی اور لوگ اس کی اور اس کی بیوی کی تعزیت کرنے لگے اور اپنے دستور کے مطابق اس عورت کی تجہیز و تکفین شروع کر دی اور ایک تابوت لا کر اس میں اسے رکھا اور اس مرد کو بھی اس کے ساتھ لے چلے۔ شہر کے باہر پہنچ کر سمندر کے قریب پہاڑ کے پاس آئے اور آگے بڑھ کر ایک بڑا پتھر اٹھایا جو ایک جگہ پڑا ہوا تھا۔ اس کے نیچے کنوئیں کے گھیرے کی طرح ایک غار دکھائی دیا۔ انہوں نے اس عورت کی لاش کو اس میں ڈال دیا۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک بہت بڑا اندھا کنواں ہے جو پہاڑ کے نیچے ہے۔ اس کے بعد لوگ مرد کو لائے اور سینے کے نیچے رسی باندھ کر اسے کنوئیں میں اتار دیا اور اس کے ساتھ ایک بڑا کونہ میٹھے پانی کا اور سات روٹیاں بھی اتار دیں۔ جب وہ کنوئیں میں اتر گیا تو اس نے اپنے بدن سے رسی کھول دی۔ لوگوں نے رسی کو اوپر کھینچ کر اسی بڑے پتھر سے کنوئیں کا منہ بند کر دیا۔ وہ پہلے کی طرح ہو گیا اور میرے دوست کو اس کی بیوی کے پاس کنوئیں میں چھوڑ کر چل دیئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا واللہ یہ موت تو پہلی موتوں سے بھی زیادہ کٹھن ہے اور ان کے بادشاہ کے پاس آ کر میں نے کہا اے میرے آقا! تمہارے ملک کا یہ کیا دستور ہے کہ مردے کے ساتھ زندہ بھی دفن کر دیا جاتا ہے؟ وہ بولا ہمارے ملک کا یہی دستور ہے کہ اگر کوئی مر جاتا ہے تو ہم اس کے ساتھ اس کی بیوی کو بھی زندہ گاڑ دیتے ہیں اور اسی طرح اگر کوئی عورت مر جاتی تو ہم اس کے شوہر کو زندہ درگور کر دیتے ہیں تاکہ جس طرح وہ زندگی میں ساتھ تھے مرنے کے بعد بھی ساتھ رہیں۔ یہ دستور ہمارے باپ دادا کے وقت سے

چلا آتا ہے۔ میں نے کہا جہاں پناہ! مجھ سے پردیسی کی بھی تم یہی گت بناؤ گے اگر میری بیوی یہاں مر جائے تو میرا بھی کیا یہی حشر ہو گا جو اس شخص کا ہوا؟ اس نے کہا، ہاں ہم تجھے بھی اس کے ساتھ دفن کر دیں گے اور تیرے ساتھ بھی یہی کارروائی کریں گے جو تو نے دیکھی ہے۔

بادشاہ کی یہ باتیں سن کر مارے رنج و الم کے میرا کلیجہ پھٹنے لگا۔ میرے ہوش اڑ گئے اور مجھے بڑا خوف آیا کہ اگر میری بیوی مجھ سے پہلے مر گئی تو وہ مجھے بھی اس کے ساتھ زندہ گاڑ دیں گے۔ اس کے بعد میں اپنے دل کو سمجھانے لگا کہ ممکن ہے میں اس سے پہلے مر جاؤں اگرچہ کسی کو یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ پہلے کون مرے گا اور پیچھے کون؟ پھر میں ادھر ادھر کی باتوں میں اپنا دل بہلاتا رہا۔ کچھ دن ہی گزرے ہوں گے کہ میری بیوی بیمار پڑی اور چند روزہ بیمار رہ کر وہ مر گئی۔ بہت لوگ میری اور اس کے گھر والوں کی تعزیت کے لیے آئے اور دستور کے موافق بادشاہ بھی میرے پاس تعزیت کے لیے آیا۔ اس کے بعد لوگ ایک مردہ شو کو لائے، اسے نہلا کر اسے بہترین کپڑے، زیور، ہار اور جواہرات پہنائے۔ یہ تمام چیزیں پہنا کر انہوں نے میری بیوی کو تابوت میں رکھا اور لے کر اس پہاڑ کے پاس پہنچے، کنوئیں کے منہ پر سے پتھر اٹھایا اور اسے اس میں ڈال دیا۔ اب میرے دوست اور سسرال والے آ کر مجھ سے رخصت ہوئے۔ میں چلانے لگا کی میں پردیسی ہوں تمہارے دستور کی پیروی نہیں کر سکتا۔ وہ میری باتیں سنتے مگر کچھ توجہ نہ کرتے۔ انہوں نے مجھے زبردستی پکڑ کر باندھا اور سات روٹیاں اور ایک میٹھے پانی کے کوزے کے ساتھ اپنے دستور کے موافق مجھے کنوئیں میں اتار دیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ پہاڑ کے نیچے ایک بہت بڑا غار ہے۔ انہوں نے کہا کہ اپنے بدن سے رسی کھول دے مگر میں نے اسے منظور نہ کیا اور انہوں نے رسی میرے اوپر پھینک کر اس بڑے پتھر سے کنوئیں کا منہ بند کر دیا اور چلتے ہوئے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• پانچ سو چونویں رات

جب پانچ سو چونویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب وہ غار کا دروانہ بند کر کے اور سند باد بحری کو اس کی مردہ بیوی کے پاس چھوڑ کر چلتے ہوئے تو اس کا بیان ہے کہ میں نے اس غار میں بہت سی لاشیں دیکھیں۔ جن میں سے سخت بد بو آ رہی تھی، میں اپنے کئے پر ملامت کرنے لگا، میں نے دل میں کہا کہ جو کچھ میرے ساتھ پیش آئے یا مجھ پر گزرے، میں اسی کے لائق ہوں۔ وہاں مجھے دن رات میں فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ میں بہت تھوڑا تھوڑا کھاتا، جب تک بھوک سے پریشان نہ ہو جاتا نکڑا نہ توڑتا اور جب تک سخت پیاس نہ لگتی پانی نہ پیتا کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں کھانا پانی ختم نہ ہو جائے۔ میں لاجول.... پڑھتا اور کہتا کہ اس شہر میں شادی کر کے تو میں بلا میں پھنس گیا، جب کبھی میں نے یہ کہا ہے کہ اب میں مصیبت سے چھوٹ گیا ہوں تو اسے سے بڑی مصیبت میں گرفتار ہونا پڑا۔ واللہ میری یہ موت بڑی مردود موت ہے، کاش میں سمندر میں ڈوب گیا ہوتا یا پہاڑ سے گر کر جان دے دی ہوتی! اس بے ہودہ موت سے تو وہی بہتر تھا۔ اسی طرح میں اپنے آپ کو لعنت ملامت کرتا، مردوں کی ہڈیوں پر خدا سے مدد مانگتا اور موت کی تمنا کرتا لیکن میں کچھ ایسی مصیبت میں پھنس گیا تھا کہ موت بھی نہیں آتی تھی۔ اب میری یہ حالت ہوئی کہ بھوک سے کلیجا کھرچنے لگا، پیاس میرے سینے میں آگ لگ گئی اور میں نے بیٹھ کر روٹیوں کو ٹٹولا، ان میں سے کچھ کھایا اور اوپر سے چند گھونٹ پانی کے پئے اور پھر اٹھ کر غار میں ادھر ادھر ٹھلنے لگا۔ دیکھا کہ وہ بہت بڑا غار ہے۔ اور وہاں بہت سی لاشیں اور سڑی گلی ہڈیاں پڑی ہوئی ہیں جو ایک زمانے سے وہاں ڈالی جا رہی ہیں۔ اب میں نے تازی لاشوں سے دور غار کے ایک کونے میں اپنے لیے ایک جگہ بنائی، وہیں سویا کرتا۔ مجھے دو چار ہی دن کے بعد معلوم ہوا کہ میرے کھانے پینے کا سامان

بہت کم ہو گیا ہے اور اب وہ بھی ختم ہونے والا ہے اسی لیے میں دن بھر میں کیا دو دو تین تین وقت میں نہ ایک نوالے کے سوا نہ ایک گھونٹ سے زیادہ پانی پیتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مرنے سے پہلے ہی کھانے پینے کا سامان ختم ہو جائے۔

ایک روز میں اس سوچ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اگر میرا کھانا پانی ختم ہو گیا تو میں کیا کروں گا۔ اتنے میں پتھر اپنی جگہ سے ہٹا اور غار میں اجالا ہوا میں نے اپنے دل میں کہا ہی تھا کہ دیکھا چاہیے اب کیا ہوتا ہے جو میں نے دیکھا کہ لوگ کنوئیں کے منہ پر کھڑے ایک مرد کی لاش نیچے اتار رہے ہیں۔ عورت کے ساتھ انہوں نے بہت سا کھانا پینا اتارا۔ میں اس عورت کو دیکھ رہا تھا لیکن وہ مجھے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ جب لوگ کنوئیں کا منہ پتھر سے بند کر کے چلتے ہوئے تو میں اٹھا اپنے ہاتھ میں مردے کی ایک بڑی ہڈی لی اور اس کے قریب آ کر اس کی کھوپڑی پر اس زور سے ماری کہ وہ بے ہوش کر گر پڑی۔ پھر دوسری بار اور تیسری بار مارے ہی گیا یہاں تک کہ وہ مر گئی۔ میں نے اس کا کھانا اور جو کچھ اس کے پاس تھا لے لیا اور دیکھا کہ وہ بہت سے زیور، کپڑے اور ہیرے اور جواہرات پہنے ہوئے ہے۔ اس کا کھانا پانی لے کر میں اس جگہ جا بیٹھا جو میں غار کے کنارے اپنے لیے بنائی تھی تاکہ وہاں آرام کروں۔ اس کھانے پینے میں سے اتنا خرچ کرتا جس کی مجھے زندہ رہنے کے لیے ضرورت ہوتی اس ڈر سے کہ وہ جلد ختم ہو جائے اور میں بھوک پیاس سے نہ مر جاؤں۔ میں اس غار میں مدت تک رہا اور جب کبھی وہاں کوئی دفن کیا جاتا تو اس کے زندہ ساتھی کو میں قتل کر کے اس کا کھانا پینا لے کر اپنے خرچ میں لاتا۔

ایک روز میں سو رہا تھا کہ میری آنکھ یک بہ یک کھل گئی۔ مجھے غار کے کنارے کھڑکڑاہٹ سی محسوس ہوئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ آخر یہ کیا چیز ہو سکتی ہے! میں اٹھا اور ایک مردے کی ہڈی لے کر اس کی طرح بڑھا۔ جب اس چیز نے مجھے آتے دیکھا تو وہ بھاگ کر مجھ سے دور جا پہنچی۔ میں نے دیکھا کہ وہ کوئی وحشی جانور

ہے۔ میں نے غار کے آخر تک اس کا پیچھا کیا۔ وہاں مجھے ایک چھوٹی سی جگہ میں تارے جیسا چمکتا ہوا اجالا نظر آیا جو کبھی دکھائی دیتا اور کبھی چھپ جاتا۔ میں اس کی طرف اور بڑھتا۔ جتنا قریب ہوتا جاتا اتنا زیادہ اجالا دکھائی دیتا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ غار میں کوئی سوراخ ہے جو باہر کی طرف نکلتا ہے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ یا تو اس غار کا اس منہ کے علاوہ جس میں سے اتارا گیا ہوں، کوئی اور منہ بھی ہے یا جگہ ٹوٹی ہوئی ہے۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد میں اجالے کی طرف چل کھڑا ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ جانوروں نے پہاڑ کے پیچھے سے سرنگ لگائی ہوئی ہے جس میں سے وہ اس جگہ آتے ہیں اور پیٹ بھر کھانے کے بعد اسی سرنگ سے واپس نکل جاتے ہیں۔ یہ معلوم کر کے میری جان میں جان آئی، میرے دل کو تسکین ہوئی اور مرنے کا یقین جینے کے یقین میں بدل گیا۔ مجھے ایسا تصور بندھا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں اور اب میں کوشش کر کے اس سرنگ سے نکلا تو اپنے آپ کو ایک بڑے پہاڑ پر پایا جو دو سمندروں کے درمیان واقع تھا۔ جس کے ایک طرف شر اور دوسری طرف جزیہ تھا اور کسی شخص کی وہاں تک پہنچ نہ ہو سکتی تھی۔ میں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ بہت خوش ہوا اور میرے دل میں طاقت آ گئی۔ میں سرنگ میں سے ہو کر پھر اس غار میں گیا اور کھانے پینے کی جو چیزیں میں نے وہاں جمع کر رکھی تھیں، لیں، مردوں کے بہت اچھے اچھے کپڑے، لیے، کچھ پہنے باقی گٹھری باندھی اور طرح طرح کے ہار جواہرات، موتیوں کی لڑیاں، سونے اور چاندی کے زیور جن میں قسم قسم کے ہیرے جڑے ہوئے تھے انہیں مردوں کے جسم سے اتار کر اپنے اور مردوں کے کپڑوں میں باندھا اور اس سرنگ میں سے نکل کر پہاڑ کے اوپر آ گیا۔ اور سمندر کے کنارے رہنے لگا۔ ہر روز میں غار میں آتا جاتا اور جو کوئی اس میں دفن کیا جاتا اسے ماڑ ڈالتا خواہ وہ مرد ہوتا یا عورت اور سمندر کے کنارے آ بیٹھتا تا کہ شاید خدا کے فضل سے کوئی کشتی ادھر آنکے اور میرے چھٹکارے کا باعث ہو۔ ہر روز میں یہی کرتا جتنا زیور وغیرہ مجھے غار میں دکھائی

دیتا اسے لا کر مردوں کے کپڑوں میں باندھ لیتا۔ ایک مدت تک میری یہی حالت رہی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے
اجازت ملی تھی۔

URDU4U.COM

○○○

• پانچ سو پچیسویں رات

جب پانچ سو پچیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- سند باد بحری کو جو زیور وغیرہ اس غار سے ملتا اسے وہ وہاں سے لے آتا۔ اس طرح وہ ایک زمانے تک سمندر کے کنارے رہتا رہا۔ اس کا بیان ہے کہ ایک دن میں سمندر کے کنارے بیٹھا ہوا اپنی حالت پر غور کر رہا تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ متلاطم سمندر کے بیچ میں ایک کشتی جا رہی ہے۔ میں نے مردوں کے کپڑوں میں سے ایک سفید کپڑا لے کر ایک لکڑی پر باندھا، گویا جھنڈی بنائی اور اسے لے کر سمندر کے کنارے کی طرف دوڑا اور ہلا ہلا کر اشارے کرنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ میری طرف متوجہ ہوئے، انہوں نے دیکھ لیا کہ میں پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوں۔ جب وہ میری طرف بڑھے اور انہوں نے میری آواز سنی تو ایک ناؤ میری طرف بھیجی جس میں کشتی کے کئی آدمی سوار تھے۔ وہ لوگ میرے قریب پہنچے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ تو کون ہے اور یہاں کیوں بیٹھا ہوا ہے اور اس پہاڑ پر کیسے پہنچا؟ ہم نے آج تک کسی کو یہاں آتے نہیں دیکھا۔ میں نے جواب دیا کہ میں ایک تاجر ہوں، جس کشتی میں، میں سوار تھا وہ ڈوب گئی اور میں اپنا سامان لے کر ایک تختے پر بیٹھ گیا۔ خدا کی مہربانی تھی کہ میں بڑی دشواری اور مصیبت اٹھانے کے بعد اپنا سامان لے کر آخر اس جگہ پہنچ گیا۔

یہ سن کر انہوں نے مجھے ناؤ میں بٹھا لیا جو جو چیزیں میں نے اس غار میں سے نکال کر کپڑوں اور کفنوں سے باندھ رکھی تھیں، انہیں بھی رکھ لیا اور اپنی کشتی پر پہنچ کر مجھے مع تمام سامان کے ناخدا کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا اے شخص تو اس جگہ کیسے پہنچا؟ یہ تو ایک بہت بڑا پہاڑ ہے اور اس کے پیچھے ایک بہت بڑا شہر آباد ہے۔ میں نے ساری عمر اس سمندر کا سفر کیا ہے اور اس پہاڑ کے پاس سے گزرا ہوں لیکن سوائے وحشی جانوروں اور پرندوں کے یہاں کچھ نہیں دیکھا۔ میں نے کہا میں

ایک تاجر ہوں۔ ایک کشتی میں سفر کر رہا تھا وہ ٹوٹ گئی۔ میرا سارا اسباب ان کپڑوں کے سوا جو تم دیکھ رہے ہو ڈوب گیا ہے۔ یہ جو کچھ بچا میں نے کشتی کے ایک بڑے تختے پر رکھ لیا اور خوش قسمتی سے میں اس پہاڑ پر آ نکلا اور اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ کوئی ادھر سے گزرے تو مجھے اپنے ساتھ لے لے۔ میں نے ان سے شہر اور غار کی باتیں بالکل نہ کیں کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ اس کشتی میں اس شہر کا کوئی رہنے والا نہ ہو۔ اب میں نے اپنے سامان میں سے بہت سا مال نکال کر کشتی کے مالک سے کہا کہ اے میرے آقا! تیری وجہ سے میں نے اس پہاڑ سے چھٹکارا پایا ہے لہذا اپنی مربانی کے بدلے جو تو نے کی اسے قبول کر مگر اس نے قبول نہ کیا اور کہنے لگا ہم کسی سے کوئی چیز نہیں لیتے اور جب سمندر کے کنارے یا کسی جزیرے میں کسی بھولے بھٹکے کو دیکھتے ہیں تو اسے اپنے ساتھ سوار کر لیتے ہیں، اسے کھانا پینا دیتے ہیں اگر وہ ننگا ہوتا ہے تو پہننے کے لیے اسے کپڑے بھی دیتے ہیں اور جب سلامتی کے ساتھ ہم بندرگاہ میں پہنچ جاتے ہیں تو اپنے پاس سے اسے کچھ نہ کچھ بطور ہدیئے کے دینے سے نہیں چوکتے، محض خدا کے لیے اس سے بھلائی کرتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے اسے دعا دی کہ خدا تیری عمر زیادہ کرے۔

اب ہم جزیرے جزیرے اور سمندر سمندر سفر کرتے رہے۔ میں نجات کی دعا مانگتا اور اپنی سلامتی پر خوش ہوتا مگر جب مجھے اپنی بیوی کے ساتھ غار میں بیٹھنا یاد آتا تو میرے ہوش جاتے رہتے۔ خدا خدا کر کے ہم سلامتی کے ساتھ بھرے پہنچے۔ میں وہاں اتر کر کچھ دنوں ٹھہرا۔ پھر بھرے روانہ ہو گیا اور اپنے گھر میں داخل ہوا، گھر والوں اور یار دوستوں سے ملا، ان کی مزاج پرسی کی۔ وہ میری سلامتی پر خوش ہوئے اور مجھے مبارک باد دی۔ جو مال و اسباب میرے ساتھ تھا، وہ میں نے اپنے گوداموں میں رکھوایا، خیرات کی، تحفے دیئے، یتیموں، غریبوں کو کپڑے پہنائے اور بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر ہونے لگی۔ اور پہلے سے بھی زیادہ دوستوں کے ساتھ دوستی کے سلوک کئے اور اٹھنے بیٹھنے اور کھیل کود میں مشغول ہوا۔

یہ ہیں وہ عجیب و غریب باتیں جو میں نے چوتھے سفر میں دیکھیں۔ اب اے میرے دوست میرے ساتھ رات کا کھانا کھا اور جو تو ہر روز لیتا ہے اسے لے۔ کل جب تو آئے گا تو میں پانچویں سفر کی کہانی سناؤں گا، وہ ان سب کہانیوں سے زیادہ عجیب و غریب ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اسے سو مشقال سونا دینے کا حکم دیا اور دسترخوان بچھایا، لوگ رات کا کھانا کھا کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ ہر شخص اچنبھے میں تھا کیوں کہ ہر کہانی پہلی سے بڑھ چڑھ کر حیرت میں ڈالنے والی تھی۔ سند بادِ حمال بھی سخت متعجب ہو کر اپنے گھر پہنچا اور بڑی خوشی اور آرام کے ساتھ سو گیا۔ جب پو پھٹی اور اجالا پھیلا تو سند بادِ بری نے اٹھ کر فجر کی نماز پڑھی اور سند بادِ بحری کے گھر چل کھڑا ہوا۔ وہاں پہنچ کر اسے صبح بخیر کہا۔ سند بادِ بحری نے اس کا مزاج پوچھا اور اپنے پاس بٹھایا۔ جب اس کے باقی دوست آ گئے تو سب نے مل کر کھایا پیا مزے اڑائے، خوش ہوئے اور باتیں چیتیں ہونے لگیں۔ پھر سند بادِ بحری نے اپنی کہانی شروع کی۔

شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو چھپن ویں رات

جب پانچ سو چھپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- سند باد بحری نے اپنا قصہ اور جو کچھ اس کے ساتھ پیش آیا تھا، بیان کرنا شروع کیا۔

URDU4U.COM

○ پانچویں کہانی

اے میرے بھائیو! جب میں چوتھے سفر سے لوٹا اور کھیل کود، ہنسی مذاق میں زندگی بسر کرنے لگا، اپنی کمائی اور فائدے پر اتنا خوش تھا کہ ساری تکلیفیں، مصیبتیں بھول گیا تو پھر میرا جی چاہا کہ سفر کر کے ملکوں اور جزیروں کی سیر کروں۔ میں نے اس کا پکا ارادہ کر لیا، سمندر کے سفر کے لیے مناسب عمدہ عمدہ چیزیں خریدیں اور ان کے گٹھے باندھ کر بغداد سے بھرے روانہ ہو گیا۔ سمندر کے کنارے پہنچ کر ایک بڑی، خوبصورت اور شاندار کشتی پر میری نظر پڑی، میں نے خوش ہو کر اسے خرید لیا، اس کا سازو سامان بالکل نیا تھا، ایک ناخدا اور چند ملاح نوکر رکھے اور اپنے غلاموں کو اس کا چوکیدار بنا کر اس میں اپنا سامان رکھ دیا۔ اس کے بعد اور تاجر لوگ میرے پاس آئے، انہوں نے اپنا اسباب بھی اس میں رکھا، مجھے کرایہ دے دیا اور ہم نہایت خوش خوش چل پڑے۔ سلامتی اور کمائی کی امید میں ہمیں بہت خوشی ہوئی۔

ہم جزیرے جزیرے اور سمندر سمندر چلتے، جزیروں اور شہروں کی سیر کرنے اور ان میں اتر کر خرید و فروخت کرنے لگے۔ اسی طرح سفر کرتے کرتے ہم ایک دن ایک جزیرے میں پہنچے جو بہت بڑا تھا کوئی آبادی اس میں نظر نہ آتی تھی۔ بیاباں سا معلوم ہوتا تھا۔ اب ہم اس جزیرے میں اتر کر پھرنے لگے۔ دور سے ہمیں ایک بہت بڑا سفید گنبد دکھائی دیا۔ وہ گنبد رخ کا انڈا تھا۔ تاجر اس کی سیر کرنے لگے۔ انہیں یہ خبر نہ تھی کہ

وہ رخ کا انڈا ہے۔ انہوں نے پتھر مار مار کر اسے توڑ ڈالا۔ ٹوٹنے کے ساتھ ہی اس میں سے بہت سا پانی نکلا اور اس کے اندر رخ کا بچہ دکھائی دیا۔ انہوں نے اسے کھینچ کر انڈے میں سے نکالا اور ذبح کر کے بہت سا گوشت کاٹ کر لے گئے۔ ابھی تک مجھے اس کی خبر نہ تھی کیونکہ میں کشتی کے اندر تھا۔ ایک ساتھی نے مجھ سے آ کر کہا کہ اے میرے آقا اٹھ کر اس انڈے کا تماشا دیکھ جو گنبد سا دکھائی دیتا ہے۔ میں اٹھ کر اسے دیکھنے گیا تو دیکھتا ہوں کہ تاجر انڈے پر پتھر مار رہے ہیں۔ میں نے چلا کر ان سے کہا ایسی حرکت نہ کرو ورنہ رخ آ کر ہماری کشتی توڑ دے گا اور ہمیں مار ڈالے گا، مگر انہوں نے میرا کہنا نہ مانا۔ اتنے میں سورج کی روشنی ماند پڑ گئی۔ ہمارے اوپر ایک بادل سا آ گیا جس سے چاروں طرف اندھیری چھانے لگی۔ ہم نے اپنا سر اوپر اٹھایا کہ دیکھیں تو سہی کہ ہمارے اور سورج کے درمیان کون سی چیز آ گئی ہے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ رخ کے پروں کا سایہ ہے۔ جب رخ نے آ کر دیکھا کہ اس کا انڈا ٹوٹا پڑا ہے تو وہ شور مچانے لگا۔ اتنے میں اس کی مادہ بھی آپہنچی اور دونوں کشتی کے گرد چکر کاٹنے اور بادلوں سے زیادہ کڑکنے لگے۔ میں نے چلا کر ناخدا اور ملاحوں سے کہا کہ کشتی کو یہاں سے نکالو اور قبل اس کے کہ ہم مارے جائیں ہمیں صحیح و سلامت یہاں سے لے چلو۔ تاجر سوار ہو گئے۔ ناخدا نے جلدی سے لنگر اٹھا دیا اور ہم اس جزیرے سے چل نکلے۔ رخوں نے جو ہمیں سمندر میں روانہ ہوتے دیکھا تو وہ تھوڑی دیر کے لیے غائب ہو گئے۔ ہم نے کشتی کو تیز تیز چلانا شروع کیا تاکہ ہم ان سے بچ کر ان کی حد سے نکل بھاگیں۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ وہ ہمارا پیچھا کر کے ہمارے پاس آ پہنچے ہیں اور ان کے پنجوں میں پہاڑ کا ایک ایک بڑا ٹکڑا ہے۔ پہلے نے اپنا پتھر ہمارے اوپر چھوڑا مگر ناخدا نے کشتی جلدی سے پھیر دی اور وہ پتھر سے بال بال بچ گئی، پتھر کشتی کے قریب پانی میں جا گرا۔ اس کے گرنے سے کشتی اچھلنے لگی اور ہمیں سمندر کی تھاہ نظر آنے لگی۔ اس کے بعد رخ کی مادہ نے اپنا پتھر ہمارے اوپر

چھوڑا جو پہلے پتھر سے چھوٹا تھا مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ کشتی کے پچھلے حصے میں آ کر لگا اور چور چور ہو گیا۔ ساتھ ہی پتوار بھی بیسیوں ٹکڑے ہو کر اڑ گیا۔ جو کچھ کشتی میں تھا، سمندر میں جا پڑا۔ جان بڑی پیاری ہوتی ہے، میں اپنی نجات کی تدبیر سوچنے لگا۔ خدا کی قدرت سے اس کشتی کا ایک تختہ میرے ہاتھ لگ گیا۔ اس پر چڑھا بیٹھا اور اسے پاؤں سے کھینا شروع کیا۔ ہوا کی لہروں کی مدد سے چلتا رہا۔ کشتی ایک جزیرے کے قریب سمندر میں ڈوبی تھی، خدا کے حکم سے تقدیر نے مجھے ایک جزیرے پر پہنچا دیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو میرا آخری سانس آ جا رہا تھا، تکان، تکلیف اور بھوک پیاس کی وجہ سے میری حالت مردوں کی سی ہو رہی تھی، سمندر کے کنارے دیر تک پڑا رہا۔ یہاں تک کہ مجھ میں کچھ دم آیا اور میں اٹھ کر جزیرے میں پھرنے کے قابل ہوا۔ دیکھا تو وہ جزیرہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، درخت سرسبز چمکے لبریز، چٹیاں چھما رہی اور اس ذات کی پاکی بیان کر رہی ہیں جو زبردست ہے اور ہمیشہ رہنے والی۔ اس جزیرے میں بے حد درخت، میوے، اور طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ میں نے اتنے میوے کھائے کہ میرا پیٹ بھر گیا اور چشموں سے اتنا پانی پیا کہ سارے جسم میں تراوت آ گئی۔ اس پر خدا کی حمد و ثناء کی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو ستاون ویں رات

پانچ سو ستاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب سند باد بحری ڈوبنے سے بچ کر جزیرے میں پہنچا۔ میوے کھائے، چشموں کا پانی پیا اور خدا کی حمد و ثناء کی تو اس کا بیان ہے کہ میں اسی طرح جزیرے پر بیٹھا رہا یہاں تک کہ شام ہو چلی اور رات آ گئی۔ تنہائی اور خوف لیکن کیا کرتا نہ وہاں کوئی آواز سنائی دیتی تھی نہ کسی آدمی کا پتا تھا۔ اسی حالت میں مجھے نیند آ گئی۔ میں سو گیا۔ اور صبح تک سوتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو میں اٹھ کر ادھر ادھر پھرنے اور سیر کرنے لگا، دیکھا کہ ایک چشمے کے پاس ایک حوض ہے اور حوض کے کنارے ایک بوڑھا بیٹھا ہوا ہے جس کی پوشاک درختوں کے پتے ہیں۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا شاید اس بوڑھے کی بھی کشتی ٹوٹ گئی ہے، وہ ڈوبنے سے بچ کر اس جزیرے میں آ گیا ہو گا۔ میں نے اس کے پاس جا کر سلام کیا۔ اس نے اشارے سے سلام کا جواب دیا، منہ سے کچھ نہ بولا۔ میں نے کہا کہ بڑے میاں تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ اس نے سر ہلایا، افسوس کا اظہار کیا اور ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ مجھے اپنی پیٹھ پر بٹھا کر دوسرے حوض کے پاس لے چل۔ میں نے سوچا کہ اس کے ساتھ یہ بھلائی ضرور کرنی چاہیے۔ آؤ اسے وہاں پہنچا دوں جہاں وہ چاہتا ہے تاکہ مجھے اس کا ثواب ملے۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے اپنے کندھے پر بٹھا لیا اور جس جگہ اس نے اشارہ کیا تھا وہاں لے گیا اور کہا کہ جس جگہ تو پہنچنا چاہتا تھا۔ پہنچ گیا ہے، اب اتر۔ وہ میرے کندھے پر سے نہ اتر بلکہ اپنی ٹانگیں میری گردن میں لپیٹ لیں۔ میں نے دیکھا کہ اس کی ٹانگیں ایسی کالی اور کھردری ہیں جیسی کہ بھینس کی۔ میں ڈر گیا اور ارادہ کیا کہ اسے کندھے سے نیچے گرا دوں لیکن وہ میری گردن پر اپنے پاؤں جما کر بیٹھ گیا اور اس زور سے میرا گلا دبایا کہ میری آنکھوں کے آگے اندھیرا آنے لگا اور مجھے اپنے آپ کی خبر نہ رہی، میں غش

کھا کر مردے کی طرح گر پڑا۔ اس نے اپنی پنڈلیاں اٹھا کر میری پیٹھ اور پٹھے پر مارنی شروع کیں۔ اس سے مجھے اتنی تکلیف ہوئی کہ میں اس لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور وہ میرے کندھے پر سوار رہا۔ میں اسے لیے لیے تھک گیا۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ درختوں کے بیچ میں چل جہاں عمدہ عمدہ پھل ہیں۔ جب میں اس کا کہنا نہ مانتا تو وہ مجھے اپنی ٹانگوں سے اس زور سے مارتا کہ کوڑے کی مار بھی اس کے آگے مات تھی۔

الغرض وہ جہاں جانا چاہتا میری طرف ہاتھ سے اشارہ کرتا۔ میں اسے وہاں لے جاتا اور اگر میں ذرا بھی سستی کرتا تو وہ مجھے پیٹتا۔ میں اس کے ساتھ مثل قیدی کے تھا۔ اسی حالت میں ہم جزیرے کے بیچ میں پہنچے جہاں درخت تھے۔ وہ میرے کندھے پر ہی پیشاب کرتا اور پاخانہ پھرتا اور دن رات سوار رہتا اور اگر سونا چاہتا تو اپنے پاؤں میری گردن میں لپیٹ کر اپنی نیند بھر لیتا اور پھر جاگ کر مجھے مارنا شروع کر دیتا۔ میں جھٹ اٹھ کھڑا ہوتا۔ اس سے مجھے اتنی تکلیف پہنچتی کہ میں اس کی مخالفت بھی نہ کر سکتا۔ میں اس بات پر اپنے اوپر لعنت ملامت کرتا کہ میں نے اس پر مہربانی کی اور اسے اپنے اوپر بٹھایا۔ یہ میری حالت ایک مدت تک رہی اور میں نے بے حد تکلیف اٹھائی۔ اپنے دل میں کہتا کہ میں نے تو اس کے ساتھ بھلائی کی تھی لیکن وہ بھلائی برائی نکلی، خدا کی قسم اب میں عمر بھر کسی کے ساتھ بھلائی نہ کروں گا۔ اب میں خدا سے ہر وقت اور ہر گھڑی موت کی دعا مانگنے لگا کیونکہ میری تکلیف اور مصیبت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ بہت دنوں تک اسی حالت میں رہنے کے بعد ایک دن میں جزیرے میں ایک جگہ پہنچا۔ دیکھا وہاں بہت سے تو بنے پڑے ہوئے ہیں جن میں کچھ خشک بھی ہیں۔ میں نے ان میں سے ایک بڑا سوکھا ہوا تو بنا اٹھا لیا اور اس کا اوپر کا حصہ کاٹ کر اسے صاف کیا۔ انگور کی ایک تیل کے پاس جا کر اس میں انگور بھرے اور اس کا منہ بند کر کے اسے دھوپ میں رکھ دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد وہ خالص شراب ہو گئی۔ اور میں روز تھوڑی تھوڑی پینے لگا تا کہ اس مردود شیطان کی تکلیف سے ذرا آرام ملے کیونکہ

جب مجھے ذرا نشہ ہو جاتا تو میری ہمت بڑھ جاتی۔ ایک دن اس نے مجھے شراب پیتے دیکھ لیا۔ اشارے سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ بڑی اچھی چیز ہے، اس سے دل مضبوط ہوتا ہے اور پریشانی جاتی رہتی ہے۔

اب میں اسے لے کر درختوں کے بیچ میں نے ناچنے اور نشے میں تالیاں بجانے اور دل کھول کر گانے لگا۔ مجھے اس حالت میں دیکھ کر اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ میں اسے بھی تو بنی دوں وہ بھی تھوڑی سی پئے۔ مارے ڈر کے میں نے اسے تو بنی دے دی اس نے جو کچھ بچی کچی تھی پی لی اور تو بنی کو زمین پر پھینک دیا۔ اسے اتنا مزہ آیا کہ وہ میرے کندھے پر جھومنے لگا۔ اس کے بعد اسے اتنا نشہ ہو گیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ میرے کندھے پر سیدھا بیٹھ نہ سکا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ نشے میں ہے اور آپے سے باہر ہو گیا ہے تو میں نے ہاتھ بڑھا کر اپنی گردن سے اس کے پاؤں کھول دیئے اور جھک کر زمین پر بیٹھ گیا اور اسے گرا دیا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو اٹھاون ویں رات

پانچ سو اٹھاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب سند باد بحری نے اس خبیث کو اپنے کندھوں سے گرایا تو اس کا بیان ہے کہ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ میں آزاد ہو گیا ہوں اور مجھے اپنی مصیبت سے نجات مل گئی۔ اب مجھے ڈر لگا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ نشے میں اٹھ کر پھر مجھے ستانا نہ شروع کر دے۔ اس لیے میں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایک بہت بڑا پتھر اٹھایا اور وہ سو ہی رہا تھا کہ اس کے سر پر دے مارا۔ وہ خون سے لتھڑ ہو گیا اور اس کی جان نکل گئی۔ خدا اس پر رحم نہ کرے۔ اس کے بعد میں اطمینان کے ساتھ جزیرے میں گھومتے گھومتے سمندر کے کنارے اس جگہ پہنچا جہاں میں پہلے تھا۔ ایک زمانے تک میں جزیرے میں پھل کھاتا اور چشموں کا پانی پیتا اور اس بات کا انتظار کرتا رہا کہ کوئی کشتی میرے پاس سے گزرے۔ ایک دن اسی طرح بیٹھا ہوا میں سوچ رہا تھا کہ میری حالت کیا سے کیا ہو گئی ہے اور اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ دیکھا چاہے خدا مجھے صحیح و سلامت میرے وطن میں پہنچا کر مجھے اپنے گھر والوں اور یار دوستوں سے ملاتا ہے یا نہیں کہ مجھے متلاطم اور موج زن سمندر کے بیچ میں ایک کشتی آتی دکھائی دی۔ آتے آتے اس نے اسی جزیرے میں لنگر ڈال دیا اور لوگ اس میں سے اتر کر جزیرے میں آ گئے۔ یہ دیکھ کر میں ان کی طرف بڑھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ سب دوڑ کر میرے پاس پہنچے اور میرے ارد گرد جمع ہو گئے۔ میرا حال اور میرے اس جزیرے میں آنے کا سبب دریافت کیا۔ میں نے اپنا سارا حال اور جو کچھ مجھ پر گزری تھی سب کہہ سنایا۔ اس پر انہیں سخت تعجب ہوا اور وہ مجھ سے کہنے لگے کہ جو شخص تیرے کندھے پر سوار ہوا تھا اس کا نام شیخ البحر ہے اور سوا تیرے کوئی اور آدمی نہیں جس اس کے نیچے آ کر چھوٹ گیا ہو۔ شکر

ہے خدا کا کہ تو سلامت رہا۔ پھر انہوں نے مجھے کھانا دیا۔ میں نے پیٹ بھر کر کھایا، کپڑے دیئے اور میں نے انہیں پہن کر اپنی شرم گاہ ڈھانکی، بعد ازاں مجھے اپنے ساتھ کشتی میں لے گئے اور دن رات سفر کرتے کرتے ہم خوش قسمتی سے ایک شہر میں پہنچے جہاں اونچے اونچے مکان تھے اور سب کے سب سمندر کے کنارے۔ اسی شہر کا نام بندروں کا شہر تھا۔ جب رات ہوتی تو تمام ماشندے سمندر کی طرف والے دروازوں سے نکل کر کشتیوں اور ناؤں میں سوار ہو جاتے اور بندروں کے ڈر سے جو رات کے وقت پہاڑوں پر سے اتر کر آتے، ساری رات سمندر میں گزارتے۔ ادھر میں شہر میں سیر کرنے نکلا اور ادھر بغیر اس کے کہ مجھے خبر ہو کشتی چل دی۔ مجھے شہر میں آنے پر بڑی پشیمانی ہوئی۔ میں اپنے ساتھیوں کو یاد کرتا اور جو کچھ مجھے بندروں کے ساتھ دوبارہ پیش آ چکا تھا اسے سوچ کر روتا اور افسوس کرتا۔ یہ دیکھ کر شہر والوں میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا، ایسا معلوم ہوا ہے کہ تو اس شہر میں نیا نیا آیا ہے۔ میں نے جواب دیا ہاں میں پردیسی ہوں اور غریب، میں ایک کشتی میں تھا۔ جس نے اس شہر میں لنگر ڈالا تھا۔ میں شہر کی سیر کرنے اتر۔ جب لوٹا تو اسے نہ پایا۔ اس شخص نے کہا کہ اٹھ اور ہمارے ساتھ چل کر ایک ناؤ میں سوار ہو جا کیونکہ اگر تو رات کے وقت اس شہر میں رہا تو بندر تجھے مار ڈالیں گے۔ میں نے کہا سر آنکھوں پر اور فوراً اٹھ کر ان کے ساتھ ناؤ میں سوار ہو گیا۔ وہ اس ناؤ کو کھے کر کنارے سے ایک میل پر لے گئے اور میں نے اور انہوں نے وہاں رات گزاری۔ جب تڑکا ہوا تو وہ ناؤ کو شہر کے پاس لا کر اس میں سے اترے اور ہر شخص اپنے اپنے کام میں لگ گیا۔ یہی ہر رات ان کا دستور تھا۔ اور اگر کوئی رات کے وقت شہر میں نہ جاتا تو بندر آ کر اسے مار ڈالتے۔ دن کے وقت بندر شہر سے نکل کر باغوں میں پھل کھاتے اور شام تک پہاڑوں پر پڑے رہنے کے بعد پھر شہر میں آتے۔ یہ ملک سیاہ فاموں کا آخری ملک ہے۔ سب سے زیادہ عجیب بات جو مجھے اس شہر میں پیش آئی، یہ تھی کہ جن لوگوں کے ساتھ میں نے رات بسر کی تھی ان میں سے ایک شخص نے

مجھ سے کہا اے میرے آقا تو اس شہر میں پردیسی ہے، تجھے کوئی پیشہ بھی آتا ہے جسے تو کر سکے؟ میں نے کہا اے میرے بھائی، نہ میں کوئی پیشہ جانتا ہوں اور نہ مجھے کوئی چیز بتانی آتی ہے۔ میں تو محض ایک تاجر تھا میرے پاس بہت سا مال و اسباب تھا، میری ایک کشتی تھی جس میں بہت سا مال اور سامان تھا، وہ سمندر میں ٹوٹ گئی اور جو کچھ اس میں تھا سب ڈوب گیا مگر خدا کے حکم سے میری جان بچ گئی اور اس کی مہربانی سے ایک تختہ میرے ہاتھ لگ گیا، اس پر سوار ہو کر میں ڈوبنے سے بچا رہا۔

یہ سن کر وہ شخص اٹھا اور جا کر ایک کپڑے کا تھیلا لے آیا اور مجھ سے کہا اسے لے اور اس میں اس شہر سے کنکر پتھر بھر لے اور شہر والوں کے ساتھ باہر جا میں تجھے ان کے ساتھ کر دوں گا اور ان سے کہہ دوں گا کہ وہ تیرا خیال رکھیں تو وہی کام کیجیو، جو وہ کریں یقین ہے کہ اس کی وجہ سے تجھے سفر میں مدد ملے گی اور تو اپنے وطن پہنچ جائے۔ یہ کہہ کر وہ شخص مجھے شہر کے باہر لے گیا اور میں نے چھوٹے چھوٹے کنکر پتھر چن کر اس تھیلے میں بھر لیے۔ اتنے میں ایک ٹولی شہر سے باہر آئی۔ اس شخص نے مجھے ان کے سپرد کر دیا اور ان سے کہا کہ یہ پردیسی ہے اسے پھل جمع کرنا سکھا دو تا کہ وہ اپنی روزی کما سکے۔ تمہیں اس کا اجر و ثواب ملے گا۔ انہوں نے کہا سر آنکھوں پر اور مجھے مرجبا کہہ کر اپنے ساتھ لے چلے، ان میں سے ہر ایک کے پاس ویسا ہی ایک ایک تھیلا تھا جیسا کہ میرے پاس تھا اور اسی طرح ان میں بھی کنکر بھرے ہوئے تھے۔ چلتے چلتے ہم ایک لمبی گھاٹی میں پہنچے جہاں بہت سے اونچے اونچے درخت تھے کہ کوئی ان پر چڑھ نہ سکتا تھا اور بہت زیادہ تعداد بندروں کی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی بندر بھاگ کر ان درختوں پر چڑھ گئے۔ لوگ ان پر وہ کنکر پتھر پھینک کر مارنے لگے جو ان کے تھیلوں میں تھے اور بندروں نے درخت کے پھل توڑ توڑ کر انہیں مارنا شروع کیا۔ جب میں نے ان پھلوں کو غور سے دیکھا تو وہ ناریل تھے۔ میں نے یہ ترکیب دیکھی تو ایک بہت بڑے درخت کو تاڑ کر جس پر بہت سے بندر تھے۔

وہاں گیا اور ان بندوں پر پتھر پھینکنے لگا اور بندر ناریل توڑ توڑ کر میری طرف پھینکنے لگے میں نے بھی اوروں کی طرف انہیں جمع کرنا شروع کر دیا۔ ابھی میرے تھیلے کے کنکر پتھر ختم بھی نہ ہوئے پائے تھے کہ میں نے بہت سے ناریل جمع کر لیے۔

لوگ یہ کاروائی کر چکے تو جس سے جتنے اٹھ سکے اس نے اٹھا لیے اور ہم باقی دن گزارنے کے لیے شہر میں آ گئے۔ میں نے اپنے دوست کے پاس جا کر جس نے مجھے اس ٹولی کے ساتھ کر دیا تھا، تمام ناریل جو میں نے جمع کئے تھے اسے دیئے اور اس کی مرہبانی کا شکریہ ادا کیا۔ اس نے کہا انہیں اپنے پاس رکھ اور بیچ کر اس کے دام اپنے خرچ میں لا۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے اپنے مکان کی ایک کوٹھڑی کی کنجی دی اور کہا جو ناریل بیچ رہیں انہیں اس کوٹھڑی میں بند کر دیجو اور آج کی طرح ہر روز ان لوگوں کے ساتھ جایو اور جو ناریل لائے ان میں سے خراب خراب چھانٹ کر بیچو، ان کے دام خرچ کیجیو اور باقی کو اس کوٹھڑی میں جمع کرتا رہیو۔ یقین ہے کہ تیرے پاس اتنے دام جمع ہو جائیں گے کہ تو ان میں سے سفر میں فائدہ اٹھا سکے گا میں نے کہا خدا تجھے اس کا اجر دے۔ اس کے کہنے کے مطابق میں ہر روز تھیلے میں کنکر پتھر بھر کر لوگوں کے ساتھ جاتا اور جس طرح وہ کرتے میں بھی کرتا۔ وہ مجھے مشورہ دیتے اور مجھے ایسے درخت کے پاس بھیجتے جس میں بہت سے اچھے اچھے پھل ناریل کے ہوتے۔ ان میں سے میں نے بہت سے بیجے اور میرے پاس بہت سے دام جمع ہو گئے۔ ان داموں سے میں نے اپنی سمجھ کے مطابق بے شمار چیزیں خریدیں۔ اس کام میں مجھے لطف آنے لگا۔ میرا وقت اچھا گزرنے لگا، شہر کے تمام لوگ مجھ پر مرہبانی کرنے لگے اور میں نے اس حالت میں بہت دن گزارے۔

ایک بار جب میں سمندر کے کنارے کھڑا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ ایک کشتی اس شہر کے پاس آئی اور اس نے کنارے پر لنگر ڈالا۔ اس میں بہت سے تاجر تھے جن کے پاس مال و اسباب تھا۔ وہ اپنا مال بیچنے اور اس کے بدلے ناریل خریدنے لگے۔ میں نے اپنے دوست کے پاس جا کر اس کشتی کے آنے کی خبر دی اور اس سے کہا کہ میں

اپنے وطن جانا چاہتا ہوں۔ وہ بولا تیری مرضی۔ میں نے اس کی تمام مہربانیوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس سے رخصت ہو کر کشتی کے پاس آیا اور ناخدا سے مل کر کرایہ طے کیا اور جو کچھ ناریل وغیرہ میرے پاس تھے انہیں کشتی میں رکھا اور کشتی روانہ ہو گئی۔ اور شہر زاد کو صبح ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو انسٹھ ویں رات

پانچ سو انسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب سند باد بحری کشتی میں بیٹھ کر بندروں کے شہر سے روانہ ہوا تو اس کا بیان ہے کہ کشتی مسافروں کو لے کر جزیرے جزیرے اور سمندر سمندر گشت کرنے لگی۔ جس جزیرے میں ہم پہنچتے، میں ناریل بیچتا یا اس کے بدلے کوئی دوسری چیز خرید لیتا۔ خدا کے فضل سے میری پونجی ان سے چوگنی ہو گئی جو میں لے کر چلا تھا اور جسے بد قسمتی سے کھو بیٹھا تھا۔ چلتے چلتے ہم ایک جزیرے میں پہنچے جہاں لونگ اور کالی مرچیں پیدا ہوتی ہیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ کالی مرچ کے ہر گچھے پر ایک بڑا سا پتا ہوتا ہے جو اسے دھوپ سے اور جب مینہ برستا ہے تو پانی سے بچاتا ہے جب پانی برسا بند ہو جاتا ہے تو پتا گچھے پر سے الٹ کر ایک طرف ہو جاتا اس جزیرے میں ناریل کے بدلے میں نے بہت سی کالی مرچیں اور لونگیں خریدیں۔ وہاں سے ہم جزیرہ عسرات پہنچے جہاں قماری عود ہوتی ہے، پھر پانچ دن کی راہ طے کر کے ایک دوسرے جزیرے میں آئے جہاں چینی عود پیدا ہوتا ہے جو قماری عود سے بہتر ہے مگر اس جزیرے والوں کی مذہبی حالت قماری عود والے جزیرے سے زیادہ خراب ہے کیونکہ وہ شراب پی کر بہت زیادہ دنگا فساد کرتے ہیں۔ اذان اور نماز سے بے خبر ہیں۔ وہاں سے چل کر ہم اس جگہ پہنچے جہاں موتی نکلتے ہیں۔ میں نے غوطہ مارنے والوں کو کچھ ناریل دے کر کہا میری قسمت کا غوطہ لگاؤ۔ انہوں نے خدا کا نام لے کر غوطہ مارا اور بہت سے بڑے بڑے اور قیمتی موتی نکال لائے اور کہنے لگے اے میرے آقا، واللہ تیری قسمت اچھی ہے۔ میں نے تمام موتی لے کر کشتی میں رکھ لیے اور ہم خدا کا نام لے کر چل پڑے۔

چلتے چلتے ہم بھرے پہنچے وہاں اتر کر میں کچھ دنوں ٹھہرا، پھر بغداد روانہ ہو گیا اور اپنے محلے میں پہنچ کر گھر آیا۔ گھر والوں اور یار دوستوں کو سلام کیا، انہوں نے میرے

صحیح و سلامت آنے پر مبارک باد دی۔ میں نے اپنا سارا مال و اسباب گوداموں میں رکھا۔ قیہوں اور غریبوں کو کپڑے پہنائے، خیرات کی، اہل و عیال اور دوست و احباب کو ہدیے دیئے اور جو کچھ میرا وقت ضائع ہوا تھا خدا نے اس سے چوگنا مجھے دیا یہاں تک کہ اس کمائی اور فائدے کی وجہ سے ساری کی ساری تکلیفیں اور جو جو کچھ مجھ پر گزری تھی، بھول گیا اور پہلے کی طرح لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا شروع کر دیا۔ یہ ہی عجیب ترین باتیں جو میں نے پانچویں سفر میں دیکھیں۔ اچھا اب کھاؤ پیو۔ جب سب رات کا کھانا کھا چکے تو اس نے سند باد کو حمال کو سو مشقال سونا دینے کا حکم دیا اور وہ اسے لے کر اپنے گھر چلا گیا اور اپنے ہم نام کی سرگزشت پر تعجب کرتا ہوا اپنے گھر جا کر سو رہا۔ صبح ہوئی تو اٹھ کر فجر کی نماز پڑھی اور چل کھڑا ہوا۔ سند باد بحری کے گھر پہنچ کر اس کے پاس گیا اور صبح بخیر کہا۔ اس نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا اور وہ بیٹھ گیا اور دونوں باتیں چیتیں کرنے لگے۔ جب اس کے باقی دوست آ چکے تو انہوں نے پہلے تو آپس میں بات چیت کی، پھر دسترخوان بچھایا گیا۔ سب نے کھایا پیا، لطف اٹھایا خوش ہوئے اور سند باد بحری نے اپنا قصہ کہنا شروع کیا۔

○ چھٹا سفر

اے میرے بھائیو! دوستو اور عزیزو! جب میں پانچویں سفر سے لوٹا کھیل کود اور عیش و عشرت کی وجہ سے اس کی ساری تکلیفیں بھول گیا اور خوش خوش زندگی گزارنے لگا تو ایک مدت تک میری یہی حالت رہی یہاں تک کہ ایک روز جب میں خوش و خرم اور دل شاد بیٹھا ہوا تھا کہ چند تاجر میرے پاس آئے جو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سفر کے لیے تیار ہیں۔ انہیں دیکھ کر مجھے وہ زمانہ یاد آ گیا جب میں سفر سے لوٹا تھا اور اپنے وطن آ کر گھر والوں اور دوست احباب کو دیکھ کر خوش ہوا تھا، میرا دل چاہنے لگا کہ میں پھر سفر اور تجارت کروں۔ میں نے سفر کا پکا ارادہ کر کے سمندر کے سفر

کے لیے مناسب عمدہ عمدہ سامان خریدا اور انہیں کشتی پر لاد کر بغداد سے بھرے روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کا میں نے ایک بہت بڑی کشتی دیکھی جس میں تاجر اور بڑے لوگ اپنا اپنا مال و اسباب لیے بیٹھے تھے۔ میں نے بھی اپنا سامان اس میں رکھ دیا اور صحیح و سلامت ہم بھرے سے روانہ ہو گئے۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔



• پانچ سو ساٹھ ویں رات

پانچ سو ساٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب سند باد بحری کشتی میں اپنا سامان لاد کر بھرے سے روانہ ہو گیا تو اس کا بیان ہے کہ ہم جگہ جگہ اور شہر شہر خریدتے بیچتے اور سیر کرتے رہے، خوش قسمتی سے ہم نے اس سفر میں بڑی کمائی کی۔ ایک روز ہم سفر کر رہے تھے کہ ناخدا چلانے اور شور مچانے لگا۔ اس نے اپنی پگڑی پھینک دی۔ کبھی سر پکلتا اور کبھی داڑھی نوچتا، سر پیٹتے پیٹتے اور کپڑے پھاڑتے پھاڑتے گر پڑا۔ سارے تاجر اور مسافر اس کے گرد جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ اے ناخدا خیر ہے؟ ناخدا نے کہا کہ اے لوگو! بھولے سے ہماری کشتی اس سمندر سے جس میں ہم جا رہے تھے ایک ایسے سمندر میں جا پڑی ہے جس کے راستوں سے ہم واقف نہیں۔ اگر خدا نے ہمیں اپنے حکم سے کوئی ایسی چیز نہ بھیج دی جس کی وجہ سے ہم بچ جائیں تو ہم سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ خدا سے دعا مانگو کہ وہ ہمیں اس بلا سے نجات دے۔ یہ کہہ کر ناخدا مستول پر چڑھ گیا کہ بادبان کھول دیئے مگر ہوا کا اتنا سخت جھونکا آیا کہ وہ پیچھے کی طرف الٹ گئی اور اس کا پتوار ٹوٹ گیا۔ یہ واقعہ ایک اونچے پہاڑ کے قریب پیش آیا۔ ناخدا مستول سے اتر کر لاحول پڑھنے لگا اور کہا کہ قسمت سے کسی کو مفر نہیں۔ خدا کی قسم ہم بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہیں جس سے چھٹکارا ملنا ناممکن ہے۔ یہ سن کر سارے کشتی والے اپنی اپنی جانوں کو رونے اور ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے۔ کیونکہ ان کی زندگی ختم ہو چکی تھی اور بچنے کی امیدیں باقی نہ رہی تھیں۔ کشتی اس پہاڑ سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی۔ اس کے تختے الگ الگ ہوئے اور جو کچھ کشتی میں تھا سب ڈوب گیا۔ تاجر سمندر میں جا پڑے۔ بعض تو ڈوب گئے اور بعض پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے۔

میں بھی ان میں سے تھا جو پہاڑ پر چڑھ گئے تھے۔ غور کیا تو وہ ایک بہت بڑا جزیرہ ہے جس کے کنارے بہت سی ٹوٹی ہوئی کشتیاں پڑی ہیں۔ ان میں ان لوگوں کا بہت سا مال و اسباب ہے جو ڈوب گئے ہیں۔ ان چیزوں کو دیکھا جنہیں سمندر نے کنارے پر پھینک دیا تھا۔ عقل حیران ہو گئی میں جزیرے کے بالائی حصے پر چڑھ کر گھومنے لگا۔ دیکھا کہ اس کے بیچ میں ایک میٹھے پانی کا چشمہ ہے جو پہاڑ کے ایک طرف سے اتر کر دوسری طرف بہتا ہے۔ اب باقی ماندہ تمام کشتی والے اس پہاڑ پر چڑھ کر جزیرے میں پھیل گئے اور ان قیمتی چیزوں کو دیکھ کر جو جزیرے میں سمندر کے کنارے پڑی ہوئی تھیں ان کے ہوش اڑے جاتے تھے وہ پاگلوں کی طرح ہو گئے۔ دیکھتا کیا ہوں کہ اس چشمے کے بیچ میں بھی بے شمار ہیرے جواہرات اور معدنیات، یا قوت اور راج موتی ہیں اور وہ سنگ ریزوں کی طرح پانی کے بہاؤ اور خندقوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور اس چشمے کی تہ قیمتی پتھروں کی وجہ سے جگمگ جگمگ کر رہی ہے۔ اس جزیرے میں ہم نے اعلیٰ قسم کی قماری اور چینی عود دیکھی اور ایک چشمے سے کچا عنبر نکلتا ہوا دیکھا جو سورج کی گرمی سے اس چشمے کے کنارے موم کی طرح بہہ کر سمندر کے کنارے تک پھیل جاتا ہے۔ اس کے بعد سمندر کے جانور نکل کر اسے کھاتے ہیں اور پھر سمندر میں اتر جاتے ہیں۔ جب وہ ان کے پیٹ میں گرم ہوتا ہے تو وہ اسے سمندر میں اگل دیتے ہیں اور وہ پانی کے اوپر جم جاتا ہے۔ اس کی حالت اور اس کا رنگ بدل جاتا ہے پھر لہریں اسے سمندر کے کنارے پھینک دیتی ہیں۔ سیاح اور تاجر جو اسے پہچانتے ہیں، لے آتے ہیں اور بیچتے ہیں۔ یہ گلا ہوا خالص عنبر اس چشمے کے کنارے بہہ کر زمین پر جم جاتا ہے اور جب اس پر سورج چمکتا ہے تو وہ پگھل جاتا ہے اور اس میں اس وادی کی خوشبو آ جاتی ہے جو مشک کی طرح ہے۔ جب اس پر سے دھوپ اتر جاتی ہے تو وہ جم جاتا ہے۔

اس جگہ جہاں یہ کچا عنبر پیدا ہوتا ہے نہ کوئی گیا ہے اور نہ وہاں سے گزرا ہے کیونکہ اس جزیرے کے چاروں طرف اتنا اونچا پہاڑ ہے کہ کوئی اس پر چڑھ نہیں سکتا۔ ہم

برابر اس جزیرے کا گشت لگاتے اور خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی سیر کرتے رہے۔ ہم اپنی حالت اور ان جزیروں پر جو ہم نے دیکھی تھی حیران تھے۔ ساتھ ہی بہت خوفزدہ بھی۔ ہم نے جزیرے کے ایک کنارے کچھ کھانے پینے کی چیزیں جمع کر رکھی تھیں، انہیں حفاظت سے رکھ کر اس میں سے ہر روز یا دوسرے روز ایک نوالہ کھاتے کیونکہ ہمیں ڈر تھا کہ کہیں کھانا ختم نہ ہو جائے اور ہم بھوک کے مارے مر جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ہم میں سے لوگ مرنے لگے۔ جو ذرا سخت جان تھے۔ وہ بچے رہے مگر وہ بھی پیٹ کے درد کی وجہ سے جو سمندر کی ہوا سے پیدا ہوا تھا، کمزور ہو گئے۔ انہیں بھی موت چٹ کر گئی یہاں تک کہ ایک ایک کرتے میرے تمام ساتھی مر گئے، جو مر جاتا اسے ہم کپڑوں کا کفن پہناتے، جو سمندر نے جزیرے کے کنارے پھینک رکھے تھے اور دفن کر دیتے۔ اب میں اس جزیرے میں اکیلا رہ گیا۔ اور کھانے کے سامان میں بھی گھٹتے گھٹتے بہت کمی آ گئی۔ یہ دیکھ کر میں اپنی حالت پر رونے لگا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ کاش میں اپنے ساتھیوں سے پہلے مر چکا ہوتا اور وہ مجھے نہلا کر دفن کر چکے ہوتے! مگر کیا کیا جائے سوا خدا کے اور کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو اکٹھ ویں رات

پانچ سو اکٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب سند باد بحری اپنے تمام ساتھیوں کو دفن کر چکا اور جزیرے میں اکیلا رہ گیا تو اس کا بیان ہے کہ تھوڑے دنوں کے بعد میں نے اپنے لیے جزیرے کے کنارے ایک گہرا گڑھا کھودا اور دل میں سوچا کہ جب میں کمزور ہو جاؤں گا اور مجھے اپنی موت کا یقین ہو جائے گا تو اس گڑھے میں جا کر لیٹ رہوں گا اور وہیں مر جاؤں گا۔ ہوا مٹی اڑا کر لے آئے گی اور مجھے ڈھانک دے گی اور میں دفن ہو جاؤں گا۔ میں اپنے اوپر لعنت ملامت کرتا کہ میں کیسا کم عقل ہوں جو اپنے شہر اور وطن کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں کی سیر کرنے نکلا۔ حالانکہ میں پہلے دوسرے، تیسرے، چوتھے اور پانچویں سفر میں کیا کیا مصیبتیں جھل چکا تھا اور ہر سفر کی تکلیفیں اس کے پہلے سفر سے زیادہ کٹھن اور سخت تھیں۔ ہر بار اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا اور توبہ کی تھی کہ پھر لوٹ کر سمندر کے سفر کا نام نہ لوں گا۔ مال کی مجھے کیا ضرورت تھی۔ میرے پاس بہت کچھ ہے۔ اگر میں اسے عمر بھی خرچ کرتا رہا تو اس کا آدھا بھی نہ خرچ کر سکوں گا۔ اب ایک دن میں اپنے دل میں سوچنے لگا کہ آخر اس چشمے کی کہیں ابتدا اور انتہا تو ہونی چاہیے اور اس میں کوئی ایسی جگہ بھی ضرور ہو گی جہاں سے نکل کر آبادی تک رسائی ہو سکے۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں ایک چھوٹی سی ناؤ بناؤں جس میں فقط میں بیٹھ سکوں اور اس میں بیٹھ کر چل کھڑا ہوں۔ اگر خدا نے مجھے نجات دے دی تو میں بچ جاؤں گا ورنہ اس ندی میں ڈوب جانا اس جگہ مرنے سے بہتر ہے مگر اس طرح افسوس کرنے سے کیا ہوتا تھا آخر میں اٹھا اور ایک ناؤ بنا ڈالی۔ پھر اس جزیرے میں سے چینی اور قماری عود جمع کیا اور سمندر کے کنارے جا کر انہیں ان کشتیوں کی رسیوں سے باندھا جو ٹوٹی پڑی تھیں اور ان کشتیوں کے سیدھے تختے نکالے انہیں

اپنی ناؤ کی لکڑیوں کے بیچ میں رکھا۔ ناؤ کی چوڑائی میں نے ندی کی چوڑائی کے برابر بلکہ اس سے بھی کم رکھی اور اسے مضبوط جکڑا۔ اس میں اس جزیرے کے معدنیات، ہیرے جواہرات، مال و اسباب اور کنکروں کے برابر بڑے بڑے موتی وغیرہ، کچھ عمدہ قسم کا خالص کچا عنبر لے جا کر بھرا۔ ان کے علاوہ تمام چیزیں جو میں نے جزیرے میں جمع کر رکھی تھیں۔ لادیں اور تمام بچا کھچا کھانا لے کر ناؤ کو ندی میں ڈال دیا اور دو لکڑیاں لے کر انہیں چوڑوں کی طرح اس کے دونوں طرف لگایا اور چل کھڑا ہوا۔

میں اس ناؤ میں بیٹھا چلا جا رہا تھا اور یہ سوچتا جاتا تھا کہ دیکھنا چاہیے میرا حشر کیا ہوتا ہے۔ میں برابر اس طرف چلا جا رہا تھا جہاں ندی پہاڑ کے اندر جاتی تھی۔ جونہی ناؤ اس کے اندر پہنچی تو میرے چاروں طرف اندھیرا ہو گیا۔ ناؤ پانی کے بہاؤ کے ساتھ مجھے پہاڑ کے نیچے تنگ جگہ میں لے گئی۔ اس کے کنارے ندی کے کناروں سے ٹکرانے لگے اور میرا سر اس کی چھت سے اب میرے لیے واپس لوٹنے کی بھی جگہ نہ تھی۔

میں اپنی حرکت پر لعنت ملامت کر رہا تھا۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر ناؤ اس جگہ پھنس گئی تو لوٹنا تو درکنار اس میں سے نکلنا بھی دشوار ہو جائے گا اور میں ضرور اس جگہ مر کر رہ جاؤں گا۔ یہ سوچ کر میں ناؤ پر اوندھا لیٹ گیا۔ ناؤ چلتی رہی، اندھیرے کی وجہ سے مجھے نہ دن کا پتہ چلتا تھا نہ رات کا۔ اس کے علاوہ مجھے ڈر تھا کہ پہاڑ کے نیچے میں کہیں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ بہر حال میں چلا جا رہا تھا ندی کبھی چوڑی ہو جاتی کبھی تنگ، ادھر اندھیرا گھپ کمزوری اور تھکن۔ لیٹے لیٹے مجھے نیند آ گئی اور میں ناؤ میں اوندھا پڑا پڑا سو رہا۔ اس ناؤ چلتی رہی اور میں سوتا رہا۔ مجھے یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ وہ بہت چلی یا کم لیکن جب میری آنکھ کھلی تو میں اجالے میں تھا، میں نے دیکھا کہ میں ایک کھلی جگہ میں ہوں، میری ناؤ ایک جزیرے کے کنارے بندھی ہوئی ہے اور میرے آس پاس بہت سے ہندو اور حبشی کھڑے ہیں۔

جونہی انہوں نے مجھے اٹھتے ہوئے دیکھا، میرے قریب آ کر اپنی بولی میں کچھ کہنے لگے

مگر میری سمجھ میں کچھ نہ آیا اور تکلیف اور مصیبت کی وجہ سے میں یہی سمجھتا رہا کہ میں نیند میں ہوں اور خواب دیکھ رہا ہوں۔ جب انہوں نے مجھ سے کچھ کہا میری سمجھ میں ان کی زبان نہ آئی اور میں نے کچھ جواب نہ دیا تو ان میں سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر مجھ سے عربی میں کہا اے ہمارے بھائی، السلام علیکم، تو کون ہے اور کہاں

سے آیا ہے اور یہاں آنے کی وجہ کیا ہے کیونکہ اس ندی میں داخل ہوا وار اس پہاڑ کے پیچھے کون سا ملک ہے؟ وہ بولا اے میرے بھائی، ہم لوگ کسان ہیں، کھیتی کرنے والے ہم اپنے کھیتوں کو سینچنے کے لیے آئے تھے، ہم نے دیکھا کہ تو اس ناؤ میں پڑا سو رہا ہے۔ ہم نے ناؤ کو روک کر باندھ دیا اور تیرے جاگنے کا انتظار کرنے لگے۔ اب تو بتا کہ تو یہاں کیسے آیا ہے؟ میں نے کہا اے میرے آقا، خدا کے لیے پہلے مجھے کچھ کھانا دے کیونکہ میں بھوکا ہوں، اس کے بعد جو تیرا دل چاہے پوچھیو۔ وہ شخص دوڑ کر کھانا لے آیا اور میں نے اتنا کھایا کہ میرا پیٹ بھر گیا۔ مجھے سکون ہوا، میرا ڈر جاتا رہا، پیٹ بھرنے سے میری جان میں جان آئی تو خدا کا شکر ادا کیا۔ مجھے اس پر خوشی ہوئی کہ میں اس ندی سے نکل کر ان کے پاس پہنچا اور میں نے شروع سے لے کر آخر تک اپنی داستان اور جو کچھ میں نے ندی میں دیکھا تھا اور اس کی تنگی بیان کر دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو باسٹھ ویں رات

پانچ سو باسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب سند باد بحری ناؤ سے اترا تو انہوں نے آپس میں کہا کہ ہم اسے اپنے بادشاہ کے پاس لے جائیں گے تاکہ وہ اپنا ماجرا اسے سنائے۔ اس کا بیان ہے کہ وہ مجھے اور ناؤ کو مع تمام مال و اسباب، جوہرات، معدنیات اور زیور کے جو اس میں تھا لے کر اپنے بادشاہ کے پاس گئے اور اس سے ساری باتیں کہیں۔ اس نے مجھے سلام کیا اور مرحبا کہا میرا حال اور سارا ماجرا پوچھا۔ میں نے اپنی ساری کہانی اور جو کچھ دیکھا تھا اول سے آخر تک کہہ سنایا۔ بادشاہ سن کر اچنبھے میں پڑ گیا اور اس نے میری سلامتی پر مجھے مبارک باد دی۔ میں جا کر ناؤ میں سے بہت سے ہیرے، جوہرات، عود اور کچا عنبر لے آیا اور انہیں بادشاہ کو ہدیے کے طور پر دیا۔ اس نے قبول کیا۔ میری بڑی عزت کی اور مجھے اپنے قریب ایک مکان میں ٹھہرایا۔ میں وہاں کے بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگا اور وہ سب میری بڑی عزت کرنے لگے۔ میں ہمیشہ بادشاہ کے محل میں رہتا جو کوئی باہر سے اس جزیرے میں آتا وہ میرے ملک کے حالات دریافت کرتا اور میں ان سے بیان کرتا۔ اسی طرح ان سے ان کے ملک کے حالات پوچھتا اور وہ بیان کرتے۔ ایک دن ان کے بادشاہ نے میرے وطن کے حالات اور بغداد کے خلیفہ کی حکومت کے متعلق مجھے سے دریافت کیا، میں نے خلیفہ کی انصاف پسندی کا ذکر کیا۔ اس پر اسے تعجب ہوا اور وہ مجھ سے کہنے لگا کہ واللہ خلیفہ کے کام عقل کے مطابق ہیں اور اس کی حالت دل خوش کن ہے۔ تو نے میرے دل میں اس کی محبت ڈال دی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تجھے اس کے لیے تحفے دے کر اس کے پاس روانہ کروں۔ میں نے کہا کہ اے میرے مولیٰ! سر آنکھوں پر۔ میں انہیں اس کے پاس پہنچا دوں گا اور اس سے کہوں گا کہ تو سچا دوست ہے۔

ایک مدت تک میں نہایت عیش و احترام عیش و عشرت کے ساتھ بادشاہ کے پاس رہا یہاں تک کہ ایک دن جب میں بادشاہ کے محل میں بیٹھا ہوا تھا میں نے سنا کہ اس شہر کے چند لوگوں نے ایک کشتی تیار کرائی ہے اور بھرے کی طرف جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ ان لوگوں کے ساتھ جانے سے اور کون سا سفر بہتر ہو سکتا ہے! اور میں نے فوراً اٹھ کر بادشاہ کے ہاتھ چومے اور اس سے کہا میں چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر جاؤں جو انہوں نے تیار کی ہے کیونکہ اپنے بچوں اور اہل عیال کے دیکھنے کو میرا بہت جی چاہتا ہے۔ بادشاہ نے کہا جیسی تیری مرضی اور اگر تو ہمارے یہاں ٹھہرنا چاہے تو یہاں ٹھہر۔ ہم سب کو تجھ سے انس ہو گیا ہے۔ میں نے کہا اے میرے آقا! واللہ تو نے اپنی نیکیوں اور احسان سے مجھے اپنا گرویدہ کر لیا ہے لیکن مجھے اپنے اہل و عیال اور وطن کو دیکھنے کا شوق ہے۔ یہ سن کر اس نے ان تاجروں کو بلوایا جنہوں نے کشتی تیار کرائی تھی۔ مجھے ان کے سپرد کیا اور مجھے اپنے پاس سے بہت سی چیزیں دیں۔ میری طرف سے کشتی کا کرایہ دیا اور میرے ساتھ خلیفہ ہارون الرشید کے لیے ایک شاندار ہدیہ بغداد بھیجا۔ اس کے بعد میں بادشاہ اور اپنے تمام دوستوں سے جن کے پاس میں آیا جایا کرتا تھا، رخصت ہو کر تاجروں کے ساتھ اس کشتی میں بیٹھ گیا اور کشتی چل دی۔ ہوا موافق تھی، سفر دلچسپ اور ہمارا بھروسہ خدا پر تھا۔ ہم سمندر اور جزیرے سفر کرتے ہوئے خدا کے حکم سے صحیح و سلامت بھرے پہنچ گیا۔

بھرے پہنچ کر میں کشتی سے اترا، وہاں کچھ دنوں ٹھہرا کر آگے کی تیاری کی اور سلمان لاد کر دارالسلام بغداد پہنچا اور ہارون الرشید کے پاس جا کر ہدیے پیش کئے۔ اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور اپنا سارا مال و اسباب کو ٹھڑیوں میں بند کر کے اپنے محلے میں گیا۔ اہل و عیال اور دوست و احباب میرے پاس آئے۔ تمام گھر والوں کو میں نے تحفے دیئے خیراتیں کیں اور بھوکوں کو کھانا کھلایا۔ ایک زمانے کے بعد خلیفہ ہارون الرشید نے مجھے بلوا کر مجھے ہدیے کا سبب پوچھا اور یہ کہ وہ کس نے دیا ہے۔ میں نے کہا

اے امیر المومنین! جس شہر سے میں اسے لایا ہوں اس کا نہ مجھے نام معلوم ہے نہ راستہ لیکن جب میری کشتی ڈوب گئی تو میں ایک جزیرے میں پہنچا اور ایک ناؤ بنا کر اس دیا میں چل دیا جو جزیرے کے بیچ میں بہتا تھا۔ اس سفر میں جو کچھ میرے اوپر گزری تھی۔ سارا قصہ بیان کیا میں اس دیا سے نجات پا کر اس شہر میں کس طرح پہنچا وہاں میرے ساتھ کیا کیا پیش آیا اور میں کس طرح ہدیہ لے کر آیا۔ خلیفہ کو یہ سن کر بڑا اچنبھا ہوا اور اس نے واقعہ نگاروں کو حکم دیا کہ وہ میری کہانی لکھ کر خزانے میں رکھ دیں تاکہ ہر ایک کو اسے دیکھ کر عبرت ہو۔ اس کے بعد اس نے میری بہت زیادہ عزت کی۔ میں پہلے کی طرح بغداد میں رہنے لگا۔ اور جو کچھ میرے ساتھ شروع سے لے کر گزری تھی، سب بھول گیا۔ نہایت عیش و عشرت اور کھیل کود میں زندگی بسر کرنے لگا۔ اے میرے بھائیو! یہ ہے میری کہانی چھٹے سفر کی، اگر خدا نے چاہا تو میں کل ساتویں سفر کی کہانی سناؤں گا، وہ ان تمام سفروں سے زیادہ عجیب و غریب ہے، اس کے بعد اس نے دسترخوان بچھوایا اور سب نے اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ سند باد حمال کو سو مشقال سونا دیا اور وہ لے کر چلتا ہوا اور دوسرے لوگ بھی تعجب کرتے ہوئے چلے گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کے اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو تریسٹھ ویں رات

پانچ سو تریسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا، اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب سند بادہ بحری اپنے چھٹے سفر کی داستان سنا چکا تو سب نے اپنی اپنی راہ لی۔ سند بادہ بحری بھی اپنے گھر جا کر سو رہا۔ پھر اٹھ کر اس نے فجر کی نماز پڑھی۔ سند بادہ بحری کے گھر گیا۔ لوگ آنا شروع ہوئے۔ جب وہ سب آ گئے تو اس نے کہنا شروع کیا۔

○ ساتویں سفر کی کہانی

اے لوگو! سنو! جب میں چھٹے سفر سے لوٹا اور پہلے کی طرح عیش و عشرت اور کھیل کود میں لگ گیا۔ ایک مدت تک میں نے اسی حالت میں زندگی بسر کی۔ دن رات خوش و خرم رہتا کیونکہ میں نے بڑی کمائی کی تھی اور بہت فائدہ حاصل کیا تھا۔ لیکن پھر میرے دل میں یہ لو لگی کہ ملکوں کی سیر اور سمندر کا سفر کروں تاجروں کی صحبت اختیار کروں اور خبریں سنوں۔ اس کا پکا ارادہ کر کے میں نے عمدہ عمدہ بحری سفر کا سامان باندھا اور اسے لاد کر بغداد سے بصرے پہنچا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک کشتی سفر کے لیے تیار کھڑی ہے اور اس میں بڑے بڑے تاجر بیٹھے ہیں۔ میں بھی انہی کے ساتھ سوار ہو گیا اور اس سے جان پہچان ہو گئی اور ہم صحیح و سلامت سفر کے لیے چل دیئے۔ ہوا موافق تھی۔ چلتے چلتے ہم ایک شہر میں پہنچے جس کا نام چین تھا۔ ہم سب بہت خوش تھے۔ سفر اور تجارت کی باتیں کر رہے تھے۔ کشتی کے سامنے ایک آندھی اٹھی اور اتنی سخت بارش ہونے لگی کہ ہم بھی بھیگ گئے اور ہمارا سامان بھی۔ ہم نے اپنے اسباب کو نمودوں اور بوریوں سے ڈھانک دیا کہ کہیں وہ مینہ سے ضائع نہ ہو جائے۔

خدا سے دعا مانگنے اور اس کے آگے گزر گزرنے لگے کہ وہ ہماری مصیبت کو دور کرے۔
اب ہم کیا دیکھتے ہیں کہ ناخدا نے اپنی کمر کسی پانچے چڑھائے اور مستول پر چڑھ کر
دائیں بائیں دیکھا پھر کشتی والوں کی طرف دیکھا کر اپنا سر پٹنے اور داڑھی نوپنے لگا۔
ہم نے کہا اے ناخدا خیر تو ہے؟ اس نے جواب دیا خدا سے نجات کی دعا مانگو اور
اپنی جانوں کی خیر مناؤ۔ ایک دوسرے سے رخصت ہو کیونکہ آندھی ہمارے اوپر غالب
آگئی ہے اور ہمیں دنیا کے آخری سمندر میں لا پھینکا ہے۔ یہ کہہ کر مستول پر سے
اترا اور اپنا ایک صندوق کھول کر اس نے اس میں سے کپڑے کی ایک تھیلی نکالی اور
اس میں سے راکھ کی صورت میں کوئی چیز نکال کر اسے پانی سے بھگویا تھوڑی دیر
ٹھہر کر اسے سونگھا اس کے بعد اس نے اسی صندوق میں سے ایک کتاب نکال کر کچھ
پڑھا اور کہنے لگا اے کشتی والو میں اس کتاب میں ایک عجیب بات پاتا ہوں۔ وہ یہ
ہے کہ جو اس ملک میں پہنچا وہ بچ کر نہ نکلا ہلاک ہو گیا۔ اس ملک کا نام اقلیم
الملوک ہے جہاں حضرت سلیمان بن داؤد کی قبر ہے۔ یہاں بڑے ڈیل ڈول والے اور
بھیانک شکل کے سانپ ہوتے ہیں جو کشتی اس اقلیم میں پہنچی ہے اسے سمندر سے ایک
مچھلی نکل کر نکل جاتی ہے۔ ناخدا سے یہ قصہ سن کر ہم کو بڑا اچنبھا ہوا۔ ناخدا اپنی
بات بھی ختم نہ کر پایا تھا کہ ہماری کشتی اچھلنے لگی اور ہمیں بجلی کی کڑک سنائی
دی۔ ہم مارے ڈر کے مردوں کی طرح ہو گئے اور ہمیں موت کا یقین ہو گیا۔
اتنے میں اونچے پہاڑ کی طرح ایک مچھلی کشتی کے سامنے آ پہنچی۔ ہم اسے دیکھ کر ڈرنے
لگے اور اپنی موت کی تیاری کر لی۔ ہم اس مچھلی کو دیکھ کر اس کی ڈراؤنی شکل پر
تجب کر رہے تھے کہ ایک دوسری مچھلی آ پہنچی۔ جس سے زیادہ ڈیل ڈول والی اور
بڑی ہماری نظر سے نہ گزری تھی۔ اسے دیکھ کر تو ہمارے اوسان جاتے رہے اور سر
پیٹنا شروع کر دیا۔ اتنے میں تیسری مچھلی نکل پڑی جو ان دونوں سے بھی بڑی تھی۔
اب تو ہمیں موت نظر آنے لگی۔ خوف کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ یہ تینوں مچھلیاں ہماری

کشتی کے گرد چکر لگانے لگیں۔ تیسری مچھلی چاہتی تھی کہ کشتی کو تمام آدمی اور اسباب سمٹ نکل جائے۔ ہوا کا ایک سخت جھونکا آیا۔ کشتی اچھل کر ایک بہت بڑی چٹان سے ٹکرائی اور پاش پاش ہو گئی۔ تمام تختے الگ الگ جا پڑے، اسباب تاجر اور دوسرے کشتی والے سب کے سب سمندر میں ڈوب گئے۔ میں نے نیچے کے کپڑے چھوڑ کر باقی سب کپڑے اتار پھینکے اور تھوڑی دور تیر کر کشتی کا ایک تختہ پکڑ لیا اور لٹکتے لٹکتے اس پر سوار ہو گیا۔ لہریں اور ہوا میرے ساتھ پانی کے اوپر کھیلنے لگیں مگر میں تختے کو مضبوط پکڑے رہا۔ موجیں مجھے اوپر نیچے پھینکتیں، مجھ پر سخت تعجب، ڈر اور بھوک پیاس طاری تھی اور اپنے کیے پر ملامت کرتا کہ آرام کے بعد میں نے خود اپنے پاؤں میں کلہاڑی ماری اور اپنے دل میں کہا کہ اے سند باد بحری تو توبہ نہیں کرتا حالانکہ ہر بار تجھے مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلنی پڑتی ہیں اور سمندر کے سفر سے باز نہیں آتا۔ اگر تو توبہ کرے بھی تو تیری توبہ جھوٹی ہے۔ اس لیے جو تجھ پر گزرے اسے جھیل، جو مصیبت تجھ پر گزرے تو اس کا سزا وار ہے۔

اور شر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو چونٹھ ویں رات

پانچ سو چونٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- سند باد بحری نے کہا کہ جو بلا مجھ پر آئے میں اس کا سزاوار ہوں۔ یہ سب کچھ خدا نے اس لیے میری قسمت میں لکھا ہے کہ میں لالچ سے باز آ جاؤں۔ لالچ ہی کی وجہ سے میں سارے عذاب اٹھا رہا ہوں کیونکہ مال کی تو میرے پاس کمی نہیں لیکن اب میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اس بارے میں میری توبہ پکی توبہ ہے میں پھر کبھی سفر نہ کروں گا نہ عمر بھر کبھی سفر کا نام زبان لاؤں گا نہ دل میں۔ اس طرح سے میں خدا کے آگے برابر گڑ گڑاتا اور روتا اور اپنے عیش و عشرت اور خوشی و خرمی کے دنوں کو یاد کرتا۔ میری یہ حالت پورے ایک دن تک رہی پھر دوسرے دن میں اسی طرح گڑ گڑاتا رہا یہاں تک کہ میں ایک بڑے جزیرے کے کنارے جا لگا۔ جہاں بہت سے درخت اور چشمے تھے۔ میں نے درختوں میں سے اتنے پھل کھائے اور چشموں کا اتنا پانی پیا کہ مجھے تسکین ہوئی، جان آئی، ہمت بڑھی، دل خوش ہوا اور میں جزیرے میں چلنے پھرنے لگا۔ پھرتے پھرتے میں نے دیکھا کہ اس کے دوسری طرف ایک بڑا دیا بیٹھے پانی کا بہہ رہا ہے لیکن اس دیا کا بہاؤ بہت تیز ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے اس ناؤ کا قصہ یاد آ گیا جس میں، میں کچھلی مرتبہ بیٹھا تھا۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں ضرور ویسی ہی ایک ناؤ بناؤں گا، ممکن ہے کہ میں اس حالت سے نجات پاؤں اگر میں بچ گیا تو مراد بر آئی ور پھر میں خدا کے آگے سفر سے ضرور توبہ کروں گا اور اگر میں ہلاک ہو گیا تو بھی اچھا ہے۔ محنت اور مصیبت سے نجات مل جائے گی۔ یہ کہہ کر میں اٹھا اور وہاں کے صندل کے اونچے اونچے درختوں کی لکڑیاں جمع کیں، مگر مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ کیا چیز ہے۔ جب میں وہ لکڑیاں اکٹھی کر چکا تو میں نے نرم نرم شاخیں اور گھاس لے کر انہیں رسی کی طرح بٹا۔ ان سے ناؤ کو مضبوط باندھا اور

اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر میں بچ گیا تو یہ صرف خدا کی طرف سے ہو گا۔
اب میں نے وہ ناؤ دیا میں ڈال دی اور اس پر بیٹھ کر جزیرے کے آخر تک پہنچ گیا۔
پھر اس سے اور آگے روانہ ہوا۔ جزیرہ چھوڑنے کے بعد اسی طرح چلتا رہا یہاں تک
کہ ایک دن دوسرا دن اور پھر تیسرا دن گزر گیا۔ اس عرصے میں پڑا رہا۔ کچھ کھایا
نہیں جب پیاس لگتی تو دیا کا پانی پی لیتا۔ تکلیف اور بھوک اور ڈر کی وجہ سے میں
اس چڑیا کے بچے کی طرح ہو گیا تھا جسے چکر آ رہے ہوں۔ اسی صورت سے ناؤ پھلے
دیا کی تنگی یاد آ گئی۔ میں سہم گیا اور میں نے چاہا کہ ناؤ کو روک کر پہاڑ کی کنارے
اتر پڑوں لیکن پانی کا بہاؤ تیز تھا، اتر نہ سکا۔ ناؤ تیر کی طرح چلی جاتی تھی۔ پہاڑ نے
کے نیچے پہنچ کر مجھے اپنے مرنے کا یقین ہو گیا اور میں لاجول پڑھنے لا۔ تھوڑی دور
چلنے کے بعد ناؤ ایک کھلی جگہ میں پہنچی جو ایک بہت بڑی وادی تھی۔ دیا وہاں اوپر
سے نیچے گرتا تھا اس میں سے بجلی کی سی آوازیں نکلتی تھی اور وہ ہوا کی طرح بہتا
تھا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے ناؤ کو پکڑ لیا اور میں ڈرا کہ اب میں اوپر سے گروں
گا اور لہریں مجھے اس جگہ ادھر سے ادھر نہچاتی پھریں گی۔ آخر ناؤ اس وادی میں بہتے
ہوئے پانی کے ساتھ زور سے گری۔ نہ میں اسے روک سکا اور نہ اسے خشکی کی طرف
گھما سکا۔ سامنے بستی نظر آ رہی تھی اور میں مجبور۔ یہ بستی ایک عظیم الشان شہر تھا۔
اس کی عمارتیں نہایت خوبصورت تھیں اور آبادی بہت زیادہ۔ شہر والوں نے ناؤ کے ساتھ
مجھے دیا کی موجوں کے اندر گرتے دیکھا تو انہوں نے ناؤ پر جال اور رسیاں پھینکیں اور
اسے دیا سے نکال کر خشکی پر لے آئے۔ میں ان کے درمیان آ کر گر پڑا یوں کہ
میں مارے بھوک اور جاگنے اور ڈر کے مردہ سا ہو رہا تھا۔
ان لوگوں میں سے ایک شاندار بوڑھا میری طرف بڑھا اور مرحبا کہہ کر میرے اوپر بہت
عمدہ کپڑے ڈال دیئے۔ میں نے اپنی عمدہ شرمگاہ ڈھانکی اس کے بعد وہ مجھے لے
کر حمام گیا۔ میرے لیے مفرح شربت اور عمدہ خوشبوئیں لایا۔ حمام سے وہ مجھے اپنے
گھر لے گیا۔ گھر والے مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اس نے مجھے ایک خوبصورت

کمرے میں جا بٹھایا، میرے لیے نہایت نفیس کھانے تیار کرائے اور میں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا اور اپنی سلامتی پر خدا کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد اس کے غلام گرم پانی لائے، میں نے ہاتھ دھوئے اور اس کی لونٹیاں ریشمی رومال لائیں میں نے ہاتھ منہ پونچھا۔ پھر بوڑھے نے فوراً اٹھ کر اپنے مکان کے پہلو میں ایک گھر میں رہنے کے لیے خالی کرایا، اپنے غلاموں اور کنیزوں کو میرے ساتھ کر دیا کہ وہ میری خدمت کریں۔ میری تمام ضروریات اور حاجتیں پوری کریں اور وہ میری خبر گیری کرنے لگے۔ اسی طرح تین دن تک میں نے اس کی دعوتیں کھائیں۔ اچھا کھایا، اچھا پیا اور اچھی خوشبوئیں لگائیں۔ یہاں تک کہ میری جان میں جان آئی۔ ڈر جاتا رہا اور دل کو اطمینان ہوا۔ جب چوتھا دن ہوا تو وہ بوڑھا میرے پاس آ کر کہنے لگا کہ بیٹا، تجھ سے مل کر ہم بہت خوش ہوئے، شکر ہے خدا کا کہ تو سلامت رہا۔ تیرا جی چاہے تو سمندر کے کنارے چل۔ بازاروں میں پھر کر اپنا مال بیچ، اس کے داموں سے کوئی ایسی چیز خرید جس سے تو تجارت کر سکے۔ یہ سن کر میں تھوڑی دیر تک چپ رہا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ میرے پاس پونجی ہی کیا ہے کہ وہ ایسی باتیں کر رہا ہے۔ بوڑھے نے کہا بیٹا فکر مت کر، میرے ساتھ بازار چل، اگر ہم دیکھیں گے کہ کوئی تیرے مال کی قیمت تیری مرضی کے موافق دیتا ہے تو تو اسے لے لیجیو اور اگر تیری مرضی کے موافق نہ ہو تو اسے میرے مودی خانے میں رکھ دیجیو اور جب خرید و فروخت کا مناسب وقت آ جائے بیچ ڈالیو۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس کا کہنا مان لے، دیکھوں تو سہی کہ وہ کون سا مال ہے چنانچہ میں نے اس سے کہا کہ اے میرے بوڑھے چچا تیرا حکم بجا ہے جو کچھ تو کرے گا اس میں برکت ہو گی۔ میں کسی بات میں تیری مخالفت نہیں کر سکتا اور میں اس کے ساتھ بازار گیا میں نے دیکھا کہ اس نے وہ ناؤ کھول ڈالی جس میں آیا تھا کیونکہ وہ صندوق کی لکڑی کی تھی اور دلالوں کو اس پر لگا دیا۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو پینٹھ ویں رات

پانچ سو پینٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہ اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب سند باد بحری نے بوڑھے کے ساتھ سمندر کے کنارے جا کر دیکھا کہ جس ناؤ میں وہ آیا تھا اور جو صندل کی لکڑی کی تھی، کھلی پڑی ہے، دلال اس کے گرد ہیں، تاجر آ آ کر بولی لگا رہے ہیں، اس کے دام ایک ہزار دینار تک پہنچ گئے ہیں اور اب کوئی اس سے بڑھ کر بولی نہیں بولتا تو اس کا بیان ہے کہ بوڑھے نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ بیٹا سن! آج کل تیرے مال کے یہی دام ہیں، اگر تیری مرضی ہو تو بیچ ڈال ورنہ میں اسے اپنے مودی خانے میں اٹھا کر رکھ دوں گا اور تو اس کے دام چڑھنے تک ٹھہر جا۔ میں نے کہا اے میرے آقا، تیرا حکم سر آنکھوں پر ہے جو تیرا جی چاہے کر۔ وہ بولا بیٹا کیا تو چاہتا ہے کہ اس لکڑی کو میرے ہاتھ بیچ ڈالے اور میں اس قیمت سے جو اور تاجر تجھے دیتے ہیں سو دینار دوں؟ میں نے کہا میں بیچتا ہوں اور میں نے دام لے لیے۔ اب اس نے اپنے غلاموں سے کہا کہ ان لکڑیوں کو اس کے مودی خانے میں لے جائیں اور میں اس کے ساتھ اس کے گھر گیا۔ جب ہم بیٹھے تو اس نے کل دام گئے، تھیلیاں منگوا کر ان کے اندر رکھے اور ان میں لوہے کا قفل ڈال ڈال کر چابیاں مجھے دے دیں۔

تھوڑے دنوں کے بعد بوڑھے نے مجھ سے کہا بیٹا میں تیرے سامنے ایک تجویز پیش کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تو اسے مان لے۔ میں نے پوچھا وہ کیا حکم ہے؟ اس نے جواب دیا کہ سن میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرے کوئی بیٹا نہیں، صرف ایک کم سن بیٹی ہے جو نہایت حسین اور بڑی مالدار ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا بیاہ تیرے ساتھ کر دوں اور تو اس کے ساتھ ہمارے ملک میں رہ جائے۔ میں اپنی تمام دولت تیرے حوالے کر دوں گا کیونکہ میرا بڑھاپا آ گیا ہے تو میرا جانشین ہو گا۔ میں یہ سن کر چپ ہو

گیا اور کچھ نہ کہا۔ اس نے کہا بیٹا! میرا کہا مان لے میں تیری بھلائی چاہتا ہوں۔ اگر تو میری بات مانتا ہے تو میں اپنی بیٹی کو تیرے ساتھ بیاہے دیتا ہوں، تو میرا بیٹا بن کر رہے گا اور میرا مال اور جو کچھ میرے پاس ہے تیرا ہو جائے گا۔ پھر اگر تو تجارت کرنا اور اپنا وطن جانا چاہے گا تو تجھے کوئی روکنے والا نہیں، تو میرے مال کا مالک ہو گا۔ اب جیسی تیری مرضی ہو اور جو تیرا جی چاہے کر۔ میں نے کہا اے میرے بوڑھے چچا تو میرے باپ کی جگہ ہے۔ میں نے اتنی تکلیفیں اٹھائی ہیں کہ مجھ میں بالکل سمجھ اور عقل باقی نہیں رہی، اس لیے ہر بات میں، میں تیرے حکم کے تابع ہوں۔ یہ سن کر بوڑھے نے اپنے غلاموں سے کہا کہ قاضی اور گواہوں کو بلا لاؤ، وہ بلا لائے۔ اور اس نے اپنی بیٹی کا نکاح میرے ساتھ پڑھوا دیا اور شاندار ولیمہ دیا، بڑا جشن منایا۔ میں نے دیکھا کہ وہ انتہا درجے کی حسین و جمیل، خوش قد اور سڈول بدن کی ہے اور اتنے جواہرات اور پوشاکیں، معدنیات اور زیور، ہار اور قیمتی ہیرے پہنے ہوئے ہے جن کی قیمت لکھو کھا اشرفیاں ہوں گی، اتنی دولت کسی کے پاس بھی نہ ہو گی۔ میں اسے بہت چاہنے لگا، اس کی محبت میرے دل میں بیٹھ گئی۔ اور میں اس کے ساتھ نہایت پیار اور خوشی کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اتنے میں اس کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ خدا اس پر رحم کرے! ہم نے اس کی تجہیز و تکفین کر کے اسے دفن کر دیا۔ اس کا سارا مال و متاع اپنے قبضے میں کیا۔ اس کے غلام میرے غلام ہو گئے اور میری ملکیت۔ اس کا عمدہ تاجروں نے میرے سپرد کیا وہ ان کا چودھری تھا اور بغیر اس کی اجازت اور علم کے ان میں سے کوئی شخص کچھ لے دے نہ سکتا تھا۔ اس کی سرداری سب مانتے تھے۔ اب میں اس کا جانشین ہوا۔

جب میں شہر والوں سے ملنے جلنے لگا تو میں نے دیکھا کہ ہر چاند رات کو ان کی حالت بدل جاتی ہے۔ ان کے پر نکل آتے ہیں۔ وہ آسمان کی طرف اڑ جاتے ہیں۔ بچوں اور عورتوں کے سوا اور کوئی شہر میں باقی نہیں رہتا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ جب مہینہ شروع ہو گا تو میں بھی ان میں سے کسی سے درخواست کروں گا، ممکن ہے کہ

وہ جہاں جاتے ہوں مجھے بھی اپنے ساتھ لیتے جائیں۔ جب نیا چاند نکلا تو ان کی حالت متغیر ہو گئی۔ صورتیں بدل گئیں۔ میں نے ان میں سے ایک شخص کے پاس جا کر کہا کہ خدا کے لیے مجھے بھی اپنے ساتھ اڑا لے چل تا کہ میں بھی سیر کروں اور تم لوگوں کے ساتھ واپس آ جاؤں۔ اس نے کہا یہ ممکن نہیں مگر میں اصرار کرتا رہا۔ آخر اس نے میری درخواست منظور کر لی اور میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ اور وہ مجھے لے کر ہوا میں اڑ گیا۔ اس کی خبر نہ میرے گھر والوں کو تھی نہ غلاموں کو نہ دوستوں کو۔ وہ شخص مجھے اپنے کندھوں پر بٹھائے اڑا لیے چلا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ میں آسمان کے قریب پہنچ گیا اور مجھے آسمان کے گنبد میں فرشتوں کی تسبیح سنائی دینے لگی۔ یہ سن کر مجھے بڑا اچنبھا ہوا اور میں کہنے لگا کہ پاک ہے اللہ اور ساری تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔ میں ابھی یہ تسبیح ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ آسمان سے ایک آگ نکلی اور قریب تھا کہ وہ سب جل کر بھسم ہو جائیں اس لیے وہ سب اتر پڑے، مجھے ایک اونچے پہاڑ پر اتار دیا۔ مجھ پر سخت ناراض ہوئے اور مجھے اکیلا چھوڑ کر چل دیئے۔ جب میں اکیلا رہ گیا واپس اپنے اوپر لعنت ملامت کرنے لگا اور لاجول پڑھ کر کہا کہ جب کبھی تار سے چھوٹا ہوں تو کڑھائی میں جا پڑتا ہوں۔

میں برابر اس پہاڑ پر پڑا رہتا اور میری یہ سمجھ میں نہ آتا کہ کہاں جاؤں اتنے میں نے دو لڑکے آتے ہوئے دیکھے جو چاند کی طرح خوبصورت تھے اور جن سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک سونے کی چھڑی تھی جس کے سارے وہ چلتے پھرتے۔ میں نے ان کے پاس جا کر سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا خدا کے لیے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور تمہارا قصہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم خدا کے بندے ہیں اور یہ کہہ کر انہوں نے مجھے اپنے پاس سے سرخ سونے کی ایک چھڑی دی اور مجھے چھوڑ کر چلتے ہوئے۔ میں اس چھڑی کی ٹیک لگا کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ اور دونوں لڑکوں کے بارے میں سوچنے لگا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ پہاڑ کے نیچے سے ایک سانپ

نکلا جس کے منہ میں ایک شخص تھا۔ جسے وہ ناف سے نیچے تک نگل چکا تھا۔ اور وہ شخص چلا چلا کر کہہ رہا تھا کہ جو مجھے چھڑائے گا خدا اسے ہر مصیبت سے نجات دے گا۔ یہ سن کر میں آگے بڑھا، سونے کی چھڑی سانپ کے سر پر ماری اور اس نے شخص کو اگل دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• پانچ سو چھیاسٹھ ویں رات

پانچ سو چھیاسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب سند باد بحری نے سانپ کو سونے کی چھڑی سے مارا اور اس نے اس شخص کو اپنے منہ سے اگل دیا تو اس کا بیان ہے کہ وہ شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ چونکہ تیرے ہاتھ سے مجھے اس سانپ سے چھٹکارا ملا ہے میں کبھی تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ تو اس پہاڑ پر میرا دوست ہو گا۔ میں نے کہا مرحبا اور ہم دونوں اس پہاڑ پر چلنے پھرنے لگے۔ تھوڑی دیر نہ ہوئی تھی کہ بہت سے لوگ ہماری طرف آتے دکھائی دیئے، غور سے دیکھنے پر مجھے ان میں وہ شخص بھی دکھائی دیا جو مجھے اپنے کندھے پر اٹھا کر اڑا لے گیا تھا۔ میں نے اس کے پاس جا کر معافی مانگی اور میٹھی زبان سے کہنے لگا اے میرے دوست، دوست، دوست سے ایسا برتاؤ نہیں کرتے۔ اس نے جواب دیا تو نے میری پیٹھ پر تسبیح پڑھ کر مجھے ہلاک کر دیا۔ میں بولا اس کا برا نہ مان مجھے اس کا علم نہ تھا۔ اب میں آئندہ کبھی ایسا نہ کروں گا۔ یہ سن کر وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے تیار ہو گیا لیکن شرط کرا لی کہ میں اس کی پیٹھ پر تسبیح نہ پڑھوں گا وہ مجھے اپنے اوپر بٹھا کر پہلے کی طرح اڑ گیا اور مجھے میرے گھر پہنچا دیا۔ میری بیوی نے مجھے دیکھ کر سلام کیا، میری سلامتی پر مبارک باد دی اور کہنے لگی کہ خبردار! اب پھر کبھی ان لوگوں کے ساتھ باہر نہ جانیو نہ ان کے ساتھ اپنا اٹھنا بیٹھنا رکھیو کیونکہ وہ شیطان کے بچے ہیں اور خدا کی یاد سے بے خبر ہیں۔ میں نے پوچھا تیرے باپ کی ان کے ساتھ کیسے گزرتی تھی؟ اس نے جواب دیا کہ میرا باپ ان کے گروہ کا نہ تھا، نہ ان کی سی حرکتیں کیا کرتا تھا۔ خیر اب جبکہ میرا باپ مر چکا ہے تو میری رائے یہ ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے تو اسے بیچ کر تجارتی سامان خرید اور مجھ کو ساتھ لے کر اپنے

اہل و عیال کے پاس وطن روانہ ہو جا۔ ماں باپ کے مر جانے کے بعد مجھے بھی اس شہر میں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ میں نے بوڑھے کی سب چیزیں ایک ایک کر کے بیچنی شروع کر دیں اور اس انتظار میں رہا کہ کوئی شخص اس شہر سے سفر کرے تو میں بھی اس کے ساتھ روانہ ہو جاؤں۔ اس عرصے میں شہر کی ایک جماعت نے سفر کا ارادہ کیا لیکن انہیں کوئی کشتی نہ ملی۔ انہوں نے لکڑی خرید کر ایک بڑی کشتی بنائی۔ میں نے بھی کرایہ دے کر اپنی بیوی کو اس میں بٹھایا، اپنا مال و اسباب اس میں رکھا باقی جائیداد چھوڑی اور ہم روانہ ہو گئے۔ ہوا موافق تھی۔ ہم سمندر سمندر اور جزیرے جزیرے سفر کرتے صحیح و سلامت بھرے پہنچ گئے اور بغیر وہاں قیام کیے ایک دوسری کشتی میں کرایہ دے کر بیٹھ گئے اور اپنا سارا سامان اس میں رکھ کر بغداد پہنچے۔ میں اپنے گھر میں داخل ہوا، گھر والوں اور یار دوستوں سے ملاقات کی، اپنا سارا مال و اسباب گوداموں میں رکھا۔ جب میرے گھر والوں نے حساب کیا کہ میں اس ساتویں سفر میں کتنی مدت غائب رہا تو ستائیس سال نکلے۔ اس مرتبہ وہ مجھ سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے جب میں لوٹا اور میں نے اپنی ساری کہانی اور جو جو کچھ میرے اوپر گزرا تھا بیان کیا تو انہیں اس پر بڑا اچنبھا ہوا اور انہوں نے میری سلامتی پر مجھے مبارکباد دی۔ اور میں نے خدا کے آگے توبہ کی کہ اس ساتویں سفر کے بعد اب میں نہ سمندر کا سفر کروں گا نہ خشکی کا بس یہی سفر میرا آخری سفر تھا۔ پھر کبھی نہ مجھے کمانے کی ہوس ہو گی نہ سیر کا لالچ۔ اس کے بعد میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور اس کی حمد و ثناء کی کہ وہ مجھے میرے گھر واپس لے آیا۔

دیکھ اے سند باد بری! میرے اوپر کیا کیا گزری اور کیا کیا پیش آیا اور میری کیا کیا گت بنی۔ سند باد بری نے سند باد بحری سے کہا خدا کے لیے جو گستاخی مجھ سے تیرے حق میں ہوئی ہے، اسے معاف کر دے۔ اس کے بعد وہ عیش و عشرت اور ہنسی خوشی سے زندگی بسر کرنے لگے یہاں تک کہ لذتوں کو کرکری، صحبتوں کو تتر بتر، محلوں کو

دیران اور قبروں کو آبار کرنے والی چیز آ پہنچی اور وہ موت ہے، پاک ہے وہ ذات جو مرقی نہیں۔

○ ان لئیوں کی کہانی جن میں سلیمان علیہ السلام دیوؤں کو بند کیا کرتے تھے

میں نے سنا ہے کہ پرانے زمانے میں ایک خلیفہ عبدالملک بن مروان نامی تھا۔ ایک روز وہ اپنے ملک کے سرداروں اور حاکموں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ گزشتہ قوموں کی بحث چھڑ گئی اور اس بات کا ذکر چلا کہ خدا نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کو انسانوں، جنوں، پرندوں، چرندوں، درندوں، وغیرہ پر حکومت دی تھی۔ بعض لوگ کہنے لگے کہ ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ خدا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی سی حکومت کسی کو نہیں دی۔ انہوں نے وہ کام کئے جو کسی اور سے نہ ہوئے حتیٰ کہ انہوں نے جنوں، دیوؤں اور شیطانوں کو پیتل کی لئیوں میں بند کیا اور ان پر سیسہ پگھلا کر اپنی مہر لگا دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو سڑٹھ دیں رات

پانچ سو سڑٹھ دیں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- انہوں نے کہا کہ وہ دیوؤں اور شیطانوں کو پیتل کی لٹیوں میں بند کرتے اور ان پر سیسہ پگھلا کر اپنی مہر لگا دیتے۔ طالب بن سہل نے بیان کیا کہ ایک شخص کچھ لوگوں کے ساتھ ایک کشتی میں سوار ہو کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ وہ چلے ہی جا رہے تھے کہ ایک ایسی آندھی آئی کہ اس نے انہیں لے جا کر خدا کے ملکوں میں سے کسی نئے ملک میں پہنچا دیا۔ یہ رات کا وقت تھا جب دن نکلا تو غاروں میں سے کالے بھنگ لوگ نکلے جو جانوروں کی طرح ننگے تھے اور کوئی بولی نہ سمجھتے تھے انہی میں ان کا بادشاہ بھی تھا اور سوائے اس کے دوسرا کوئی عربی نہ سمجھتا نہ بول سکتا تھا جب کشتی اور کشتی والوں پر ان کی نظر پڑی تو بادشاہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ہمارے پاس آیا، سلام کیا اور مذہب دریافت کیا۔ ہم نے ڈرتے ڈرتے اپنا دین بتایا تو اس نے کہا تم ڈرو نہیں۔ اس کے بعد جب میں نے ان کا مذہب پوچھا تو ان میں ہر ایک کو کسی نہ کسی ایسے دین پر پایا جو اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے کا تھا۔ اس پر کشتی والوں نے کہا کہ تیری باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ تیرے دین و مذہب کی ہمیں بالکل خبر نہیں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ تم سے پہلے کوئی بشر ہمارے ملک میں نہیں آیا۔ اب اس نے ہمیں چڑیوں، جانوروں اور مچھلی کا گوشت کھلایا کیونکہ ان کے سوا وہ لوگ اور کوئی چیز کھاتے نہ تھے۔

اس کے بعد کشتی والے شہر میں سیر کرنے لگے اور انہوں نے دیکھا کہ ایک ماہی گیر نے سمندر میں جال پھینکا کہ مچھلیاں پکڑے۔ جال کھینچا تو اس میں پیتل کی ایک لٹیا نکلی جس پر سیسہ پگھلا ہوا تھا اور سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی مہر لگی ہوئی تھی۔ ماہی

گیر نے اسے نکال کر توڑا اس میں سے ایک نیلا دھواں نکل کر آسمان سے جا ملا اور ہم نے ایک بھیانک آواز کو کہتے سنا کہ اے نبی اللہ! توبہ! توبہ! ----- پھر اس دھوئیں میں سے ایک خوفناک شکل اور ڈراؤنی صورت کا شخص نکلا جس کا سر پہاڑ کے اوپر تھا اور فوراً غائب ہو گیا یہ دیکھ کر کشتی والوں کے دل کانپ اٹھے مگر وہاں کے لوگوں نے اس کا کوئی خیال نہ کیا۔ ایک شخص نے بادشاہ سے جا کر اس کا سبب پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ یہ ان دیوؤں میں سے ہے جنہیں حضرت سلیمان علیہ السلام ناراض ہو کر ان لٹیوں میں بند کر دیتے اور ان پر سیسہ پگھلا کر انہیں سمندر میں پھینک دیتے تھے۔ اکثر یہ ہوا کہ جب ماہی گیروں نے جال ڈالا تو ان میں سے کوئی نہ کوئی لٹیا نکل آتی ہے اور اس کی مہر توڑی ہے تو اس میں سے دیو نکلا ہے اور اس خیال سے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ابھی زندہ ہوں گے وہ توبہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے نبی اللہ! توبہ!

امیر المومنین عبدالملک بن مروان یہ سن کر اچنبھے میں پڑ گیا۔ اور کہنے لگا کہ پاک ہے خدا۔ اس نے سلیمان کو واقعی ایک عظیم الشان حکومت دی تھی او اسے یہ باتیں پسند آئیں۔ وہ بولا خدا کی قسم میں بھی اس قسم کی لٹیاں دیکھنا چاہتا ہوں۔ طالب بن سہل نے کہا کہ تو یہیں بیٹھے بیٹھے دیکھ سکتا ہے۔ اپنے بھائی عبدالعزیز بن مروان کو لکھ کہ وہ تجھے یہ لٹیاں مراکش سے منگوا کر بھیج دے۔ اس طرح کہ وہ موسیٰ بن نصیر کو لکھے کہ وہ مراکش سے سوار ہو کر اس پہاڑ کے پاس جائے جس کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے اور جتنی لٹیاں چاہے لے آئے کیونکہ اس کے ملک کی سرحد اس پہاڑ سے ملتی ہے۔ امیر المومنین کو اس کی رائے پسند آئی۔ اس نے کہا اے طالب تو سچ کہتا ہے میں چاہتا ہوں کہ تو ہی میرا ایلچی بن کر اس کام کے لیے موسیٰ بن نصیر کے پاس جا۔ میں تجھے سفید جھنڈا دیتا ہوں، اس کے علاوہ جتنا مال او نوکر چاہے وغیرہ تو چاہے اور تیرے پیچھے تیرے گھر والوں کی میں خبر گیری کروں گا۔ اس نے کہا اے

امیر المومنین سر آنکھوں سے۔ خلیفہ نے کہا اچھا روانہ ہو جا' خدا تجھے برکت دے اور تیری مدد کرے۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ اس کے بھائی کے نام جو مصر میں ان کا نائب ہے' ایک خط لکھا جائے اور دوسرا خط موسیٰ کے نام جو مراکش میں اس کا نائب ہے کہ وہ خود سلیمانی لٹیوں کی تلاش میں جائے اور ملک کا انتظام اپنے بیٹے کے ہاتھ میں چھوڑ جائے۔ اپنے ساتھ رہبروں کو لے جائے۔ مال خرچ کرے اور بہت لوگ اس کے ساتھ ہوں۔ اس میں کمی نہ ہونی چاہیے اور نہ سوچ بچار کی ضرورت ہے۔ یہ لکھ کر اس نے خط پر مہر لگا دی اور طالب بن سہل کو دے کر کہا کہ جلدی کر اور اس کے ساتھ جھنڈے بہت سا مال اور سوار اور پیادے دیئے تاکہ اسے ان سے راہ میں مدد ملے اور اس کے گھر والوں کے لیے کھانے پینے کا انتظام بھی کر دیا۔ اور طالب مصر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو اڑٹھ ویں رات

پانچ سو اڑٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- طالب بن سہل اور اس کے ساتھی روانہ ہو گئے اور شام کا ملک طے کرتے ہوئے مصر پہنچے۔ مصر کے امیر نے اس کا خیر مقدم کیا۔ اسے اپنے پاس اتارا اور جب تک وہ رہا اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ پھر اس کے ساتھ ایک رہبر کر دیا جو اسے بالائی مصر لے جا کر امیر موسیٰ بن نصیر کے پاس پہنچا آیا۔ جب امیر کو اس کے آنے کی خبر لگی تو وہ اس کے خیر مقدم کے لیے نکلا اور اس سے مل کر بہت خوش ہوا۔ طالب نے اسے خط دیا ' اس نے لے کر پڑھا' اس کا مطلب سمجھا اور اسے اپنے سر پر رکھ کر کہا کہ امیر المومنین کا حکم سر آنکھوں پر' اس کے بعد اس نے مناسب خیال کیا کہ وہ اپنے مصاحبوں کو بلائے۔ وہ حاضر ہوئے تو اس نے خط کے مضمون کے متعلق ان سے مشورہ کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر تجھے ایسے شخص کی ضرورت ہو جو تجھے وہاں پہنچا دے تو شیخ عبد الصمد بن عبد القدوس صمودی کو ساتھ لے جا کیونکہ اس نے بہت سفر کیا ہے اور وہ جنگلوں، بیانون، سمندروں، ملکوں، ان کے اطراف و جوانب اور عجائبات سے بخوبی واقف ہے۔ بس اسی کو تو اپنے ساتھ لے اور وہ تجھے جہاں تو جانا چاہتا ہے پہنچا دے گا۔ امیر نے اسے بلوایا۔ جب وہ آیا تو دیکھا کہ وہ بہت بوڑھا ہے۔ بہت سی گرمیاں سردیاں اس کے اوپر گزر چکی ہیں۔ امیر موسیٰ نے اسے سلام کیا اور کہا اے شیخ عبد الصمد ہمارے مولیٰ امیر المومنین عبد الملک بن مروان نے ہمیں فلاں حکم دیا ہے۔ مجھے اس ملک سے زیادہ واقفیت نہیں لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ تو ان ملکوں اور راستوں سے بخوبی واقف ہے۔ کیا تو' امیر المومنین کی خواہش پوری کر دے گا؟ شیخ بولا اے امیر' وہاں کا راستہ مشکل اور لمبا ہے' سڑکیں بہت کم ہیں۔ امیر نے کہا کتنا فاصلہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ دو سال اور کچھ مہینے جانے کے اور اتنے ہی لوٹنے کے سمجھو اور

اس میں 'تکلیفوں' خطروں اور عجائبات کا سامنا ہے۔ تو جنگ جو آدمی ہے اور ہمارا ملک دشمنوں کے پڑوس میں ہے۔ ممکن ہے کہ تیرے پیچھے عیسائی ہم پر چڑھائی کر دیں اس لیے تجھے چاہیے کہ کہ ملک میں کسی ایسے شخص کو اپنا جانشین بنا جو اسے سنبھال سکے۔ امیر نے کہا ٹھیک ہے اور ملک کے انتظام کے لیے اس نے اپنے بیٹے ہاروں کو اپنا جانشین بنا دیا۔ لوگوں سے اس کی بیعت لی اور لشکر کو حکم دیا کہ وہ اس کی مخالفت نہ کریں بلکہ ہر بات میں اس کا کہنا مانیں۔ انہوں نے اس کی باتیں کان لگا کر سنیں اور کہا کہ ہم تیرا حکم مانیں گے۔ اس کا بیٹا ہاروں بڑا طاقتور اور بہادر سورما تھا۔

اب شیخ عبدالصمد نے بیان کیا کہ اس جگہ کا فاصلہ جہاں امیر المومنین بھیجنا چاہتا ہے سمندر کے کنارے کنارے چار مہینے کا ہے لیکن راہ میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سرائیں ہیں، سبزہ زار چشمتے بھی اور اے امیر المومنین کے نائب تیری برکت سے خدا ہمارے لیے آسانی پیدا کر دے گا۔ امیر موسیٰ نے پوچھا کہ ہم سے پہلے بھی کسی بادشاہ نے اس سر زمین کا سفر کیا ہے؟ اس نے جواب دیا اے مسلمانوں کے سردار کیا ہے۔ یہ ملک اسکندریہ کے بادشاہ داران رومی کے ماتحت رہا ہے۔ پھر وہ روانہ ہو گئے اور چلتے چلتے ایک محل کے پاس پہنچے۔ شیخ نے کہا میرے ساتھ اس محل میں چل کیونکہ وہ ایک عبرت کی جگہ ہے، ان لوگوں کے لیے جو عبرت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر امیر موسیٰ شیخ عبدالصمد اور اپنے خاص خاص ساتھیوں کو لے کر محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب وہ اس کے دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ کھلا ہوا ہے۔ اس کے بڑے اونچے اونچے کھمبے اور بہت سے زینے، منجملہ ان کے دو لمبے زینے جو رنگ بہ رنگ مرمر کے ہیں اور جن کا جواب اس کی نظر سے کبھی نہ گزرا تھا۔

چھتوں اور دیواروں پر سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کے نقش و نگار ہیں اور دروازے پر ایک تختی لگی ہوئی ہے جس پر یونانی زبان میں کچھ لکھا ہوا ہے۔ شیخ نے اسے پڑھ کر سنایا۔ اس میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر تھا۔ امیر موسیٰ سن کر رونے لگا یہاں تک

کہ اسے غش آ گیا اور کہنے لگا کہ کوئی معبود نہیں سوا اللہ کے جو زندہ رہنے والا اور باقی ہے اور جسے کبھی زوال نہیں آنے کا۔

اس کے بعد وہ محل کے اندر داخل ہوا۔ اس کی تعمیر کی خوبصورتی پر اچنبھا کرنے لگا اور دیکھا کہ اس میں بہت سی تصویریں اور نقش و نگار ہیں اور دوسرے دروازے پر کچھ لکھا ہوا ہے۔ امیر موسیٰ نے کہا اے شیخ آگے بڑھ کر اسے پڑھ۔ شیخ نے آگے بڑھ کر پڑھا۔ اس میں بھی دنیا کی بے ثباتی کا ذکر تھا۔ امیر موسیٰ کے بے اختیار آنسو نکل پڑے، دنیا اس کی آنکھوں کے آگے اندھیری ہو گئی۔ وہ کہنے لگا کہ ہم واقعی آخرت کے بڑے کام کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اب لوگ محل کی سیر کرنے لگے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہاں کوئی رہنے والا باقی نہیں، سب مرے ہیں، صحن کاٹنے کو دوڑتا ہے، ہر طرف ہوا کا میدان ہے۔ میدان میں ایک بڑا اور شاندار گنبد ہے، اس کے ارد گرد چار سو قبریں ہیں۔ امیر موسیٰ ان قبروں کے بیچ میں گیا اور اس کی نظر ایک قبر پر پڑی جس پر دنیا کی بے ثباتی کے اشعار کندہ تھے۔ انہیں پڑھ کر امیر موسیٰ اور اس کے ساتھیوں پر رقت طاری ہو گئی۔ پھر وہ گنبد کے پاس گیا دیکھا کہ اس کے آٹھ دروازے اور سب صندل کی لکڑی کے ہیں جن میں سونے چاندی کی میخیں لگی ہوئی اور طرح طرح کے ہیرے جواہرات کے ستارے جڑے ہوئے ہیں۔ پہلے دروازے پر مسرت آمیز اشعار کندہ ہیں۔ ان اشعار کو سن کر امیر موسیٰ اتنا رویا کہ غشی کی نوبت پہنچ گئی۔ ہوش آیا تو وہ گنبد کے اندر گیا اور اس کی نظر ایک لمبی اور ڈروانی قبر پر پڑی جس پر چینی لوہے کی ایک تختی لگی ہوئی تھی۔ شیخ عبدالصمد نے اس کے قریب جا کر دیکھا تو اس پر لکھا ہوا تھا:

”میں اللہ کا نام لیتا ہوں جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔ میں اللہ کا نام لیتا ہوں جس نے کسی کو جنا نہ جنایا ہے اور جس کا کوئی ہمسر نہیں۔ میں اللہ کا نام لیتا ہوں جو بڑی قوت اور دبے والا ہے۔ میں اللہ کا نام لیتا ہوں جو زندہ ہے اور مرتا نہیں۔“

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• پانچ سو انترویں راتے

پانچ سو انترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- جب شیخ عبدالصمد وہ پڑھ چکا جو میں کل رات بیان کر چکی ہوں تو اس نے دیکھا کہ اس کے بعد یہ لکھا ہوا ہے:

”اے یہاں کے آنے والے‘ زمانے کے جو حوادث اور تغیرات تو یہاں دیکھ رہا ہے۔ ان سے عبرت پکڑ! دنیا کی زیب و زینت‘ دغا بازی‘ بہتان‘ غرور اور خرافات کے دھوکے میں نہ آ کیونکہ وہ خوشامدی‘ مکار اور دغا باز ہے۔ اس کی تمام چیزیں ادھار کی ہیں جنہیں وہ ان سے لے لے گی۔ وہ محض ایک خواب ہے جو سونے والا دیکھتا ہے اور ریگستان کا سراب ہے جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے۔ انسان کے مرنے تک شیطان اسے دنیا کا سبز باغ دکھاتا ہے۔ یہ ہے تعریف دنیا کی۔ اس پر نہ بھروسا کر نہ اس کی طرف جھک۔ جو کوئی اس پر بھروسا کرتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیتا ہے۔ وہ اس سے دغا بازی کرتی ہے۔ اس کے جال میں نہ پھنس‘ اس کا دامن نہ پکڑ۔ مجھے دیکھ کہ میرے پاس چار ہزار کمیت گھوڑے تھے‘ بہت سے محل‘ میں نے ایک ہزار شہزادیوں سے شادیاں کی تھیں جو ہر ایک باکرہ تھی۔ جن کے سینے ابھرے ہوئے تھے‘ جن کے منہ چاند کے ٹکڑے تھے۔ خدا نے مجھے ایک ہزار بیٹے عطا کیے تھے جو شیر کی طرح بہادر تھے۔ میری عمر ایک ہزار سال ہوئی۔ میں نے دلی اطمینان اور قلبی سکون کے ساتھ زندگی گزاری۔ تمام ملکوں کے بادشاہوں سے زیادہ مال جمع کیا۔ میں اس دھوکے میں رہا کہ یہ نعمتیں ہمیشہ رہیں گے اور انہیں کبھی زوال نہ ہو گا لیکن مجھے معلوم بھی نہ ہوا کہ ایک بہ یک مزدوں کو کرکری اور صحبتوں کو تتر بتر‘ گھروں کو ویران‘ بستیوں کو اجاڑ‘ بڑوں‘ چھوٹوں‘ لڑکیوں اور ماؤں کو فنا کرنے والی موت آ پہنچی۔ ہم محل میں اطمینان سے بیٹھے ہوئے تھے کہ دنیاؤں‘ آسمانوں اور زمینوں کے پروردگار کا حکم ہم پر نازل ہوا

اور خدا کے عذاب نے ہمیں آگھیرا ہم میں سے ہر روز دو دو شخص مرنے لگے۔ یہاں تک کہ بہتوں پر خاک پڑ گئی۔ جب میں نے دیکھا کہ موت ہمارے گھر میں آ کر ہمارے سر پر ٹوٹ پڑی ہے اور ہمیں تباہی کے سمندر میں ڈبو رہی ہے تو میں نے ایک کاتب کو بلا کر حکم دیا کہ وہ یہ اشعار اور یہ نصیحتیں لکھے۔ پھر میں نے انہیں ان دروازوں، تختیوں اور قبروں پر کندہ کرا دیا۔

میری فوج میں دس لاکھ سوار تھے جو بڑے بہادر تھے جن کے پاس زہ بکتر تیز تلواریں اور نیزے تھے۔ جن کی کلائیوں بہت مضبوط تھیں۔ میں نے انہیں حکم دیا کہ وہ زہ بکتر پہنیں، تیر تلواریں لگائیں، خوفناک بھالوں کو رکاب پر رکھیں اور اسیل گھوڑوں پر سوار ہوں۔ اس کے بعد جب دنیاؤں اور زمین و آسمان کے پروردگار کا حکم مجھ پر اترا تو میں نے اس نے کہا کہ کیا تم زبردست خدا کے اس حکم کو روک سکتے ہو لیکن لشکروں اور فوجوں نے اپنی عاجزی کا اظہار کیا اور کہنے لگے کہ ہم اس طاقت سے کس طرح لڑ سکتے ہیں جسے کوئی دربان روک نہیں سکتا اور جو ایسے دروازے کا مالک ہے جہاں کوئی دربان نہیں! میں نے کہا کہ میرا سارا خزانہ لاؤ۔ یہ خزانہ ایک ہزار تہ خانوں میں تھا ہر تہ خانے میں سرخ سونے کے ایک ہزار ڈھیر تھے، طرح طرح کے موتی، جواہرات اور اس قدر سفید چاندی اور علاوہ ان کے اس قدر ذخیرے جو کسی بادشاہ کے پاس نہ ہوں گے۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب سارا مال میرے سامنے آیا تو میں نے ان سے پوچھا کہ تم یہ سارا مال دے کر میرے لیے ایک دن کی زندگی خرید سکتے ہو؟ لیکن وہ یہ بھی نہ کر سکے اور تقدیر کے قائل ہو گئے اور میں صبر کے ساتھ خدا کے مقدور اور امتحان کی راہ دیکھنے لگا۔ یہاں تک کہ اس نے میری روح قبض کر کے مجھے قبر میں لٹا دیا۔ اگر تو میرا نام جاننا چاہتا ہے تو جان لے کہ میں کوش بن شداد بن عاد اکبر ہوں۔" قوموں کی تباہی کا یہ حال دیکھ کر امیر موسیٰ اتنا رویا کہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔

وہ لوگ محل میں ادھر ادھر گھوم رہے! اس کے مجلس کدوں اور تفریح گاہوں کی سیر کر رہے تھے کہ ان کی نظیر ایک کھانے کی میز پر پڑی۔ جس کے چاروں پائے مر مر کے تھے اور جس پر یہ لکھا ہوا تھا کہ اس میز پر ہزار بادشاہوں نے کھانا کھایا ہے جو کلنے لگے۔ اور ہزار نے جن کی دونوں آنکھیں سلامت تھیں۔ وہ سب کے سب دنیا سے چل بے اور قبروں میں جا کر رہنے لگے۔“

امیر موسیٰ نے سارے کتبے لکھ لیے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا۔ سوا اس میز کے اپنے ساتھ کوئی چیز نہ لی اور محل سے باہر نکل آیا۔ لشکر روانہ ہوا۔ شیخ عبدالصمد آگے آگے انہیں راستہ بتاتا جاتا تھا۔ ایک دن گزرا، پھر دوسرا اس کے بعد تیسرا، چوتھے روز وہ ایک اونچے ٹیلے پر پہنچے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس کے اوپر پیتل کا ایک سوار ہے، اس کے بھالے کا پھل اتنا بڑا اور چمکدار ہے کہ اس سے آنکھوں میں چکا چوندھ سی ہوئی جاتی ہے اور اس پر یہ لکھا ہوا ہے کہ اے میرے پاس پہنچنے والے، اگر تجھے پیتل کے شہر کا راستہ معلوم نہ ہو تو اس سوار کی ہتھیلی کو رگڑ وہ گھوم کر رک جائے گا۔ جس طرح وہ رکے اسی طرف چل دیئے اور ڈر نہیں کیونکہ وہ راستہ تجھے پیتل کے شہر تک پہنچا دے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو ستر دین رات

پانچ سو ستر دین رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ----- امیر موسیٰ نے سوار کی ہتھیلی رگڑی تو وہ بجلی کی طرح پھر کر ایک طرف ہو گیا۔ لوگ اسی جانب چل کھڑے ہوئے واقعی یہی ٹھیک راستہ تھا۔ چلتے چلتے بہت بڑی مسافت طے کر چکے تو ایک دن جب کہ وہ چلے جا رہے تھے انہیں کالے پتھر کا ایک کھمبا دکھائی دیا جس کے اندر ایک شخص بغلوں تک پھنسا ہوا تھا۔ اس شخص کے دو بڑے بڑے بازو اور چار ہاتھ تھے۔ دو ہاتھ تو انسان جیسے اور دو شیر کی طرح جن میں پنچے تھے۔ سر کے بال ایسے جیسے گھوڑے کی دم، آنکھیں ایسی جیسے دو انگارے۔ معمولی دو آنکھوں کے سوا ایک تیسری آنکھ بھی تھی۔ ماتھے کے بیچ میں تیندوے کی سی جس میں سے آگ کی چنگاریں اڑ رہی تھیں۔ وہ شخص لمبا تڑنگا، کالا بجنگ تھا اور زور زور سے یہ کہہ رہا تھا کہ پاک ہے میرا پروردگار جس کا حکم ہے کہ میں قیامت تک اس بڑی بلا اور درد ناک عذاب میں مبتلا رہوں۔ اسے اس طرح دیکھ کر لوگوں کے حواس جاتے رہے اور سم کر بھاگے۔ امیر موسیٰ نے شیخ عبدالصمد سے پوچھا کہ یہ کیا بلا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ کون ہے؟ امیر نے کہا اس کے پاس جا کر اس کا حال دریافت کر، ممکن ہے کہ وہ اپنا حال بتا دے اور تجھے اس کا علم ہو جائے۔ شیخ عبدالصمد نے کہا کہ خدا امیر کا بھلا کرے! ہمیں اس سے ڈر لگتا ہے۔ امیر نے کہا کہ ڈر نہیں۔ وہ تو اس حالت میں ہے کہ نہ تمہارا بگاڑ سکتا ہے نہ کسی اور کا۔ اب شیخ عبدالصمد نے اس کے پاس جا کر کہا اے شخص تیرا نام کیا ہے اور تیری یہ کیا حالت ہے۔ کس نے تجھے یہاں لا کر اس طرح رکھا ہے؟ وہ بولا میں دیو ہوں۔ جنات میں سے۔ میرا نام داہش بن اعمش ہے۔ قسمت نے مجھے لا کر یہاں باندھا اور قید کیا ہے اور جب تک خدا چاہے

گا مجھے اس عذاب میں مبتلا رکھے گا۔ امیر موسیٰ نے کہا، اے شیخ عبدالصمد اس سے یہ پوچھ کہ وہ اس کھبے میں کیوں قید کیا گیا ہے۔ اس نے پوچھا، دیو نے جواب دیا کہ میری کہانی عجیب ہے اور وہ یہ ہے:

○ دیو داہش کی کہانی

ابلیس کی اولاد میں سے کسی کا ایک بت تھا۔ سرخ عقیق کا بنا ہوا اور وہ میری سپردگی میں تھا۔ جزیروں کا ایک بڑا زبردست بادشاہ اس کی پوجا کیا کرتا۔ اس کے ماتحت جنوں کی دس لاکھ فوج تھی جو اس کے لیے تلواروں سے لڑتی اور مشکل وقت اس کے آڑے آتی۔ یہ جنات جو اس کی اطاعت کرتے میرے ماتحت تھے۔ جو کچھ میں انہیں حکم دیتا وہی کرتے اور یہ وہی تھے جو حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی فرمانبرداری سے باہر تھے۔ میں اس بت کے اندر جا کر ان کے لیے احکام صادر کرتا۔ بادشاہ کی بیٹی کو اس بت سے بڑی محبت تھی۔ وہ اس کے آگے اکثر سجدے کیا کرتی اور اس کی پوجا میں لگی رہتی۔ حسن و جمال میں وہ دنیا بھر میں لاجواب تھی۔ جب اس کی تعریف حضرت سلیمان علیہ السلام کے آگے کی گئی تو انہوں نے اس کے باپ کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنی لڑکی کا بیاہ میرے ساتھ کر دے۔ اپنے عقیق کے بت کو توڑ ڈال اور اس بات کا اقرار کر کہ سوا خدا کے کوئی معبود نہیں اور سلیمان خدا کا بنی ہے۔ اگر تو نے یہ کیا تو ہمارا فائدہ تیرا فائدہ ہے اور ہمارا نقصان تیرا نقصان ہے اور اگر تو نے نہ مانا تو میں ایسا لشکر لے کر تجھ پر چڑھائی کروں گا جس کا تو مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لہذا یا تو میرے سوال کا مناسب جواب دے ورنہ موت کا کفن پہن کر تیار ہو جا کیونکہ میں ایسا لشکر لے کر آؤں گا جس سے زمین و آسمان بھر جائے گا اور تو فنا ہو جائے گا۔ جب سلیمان علیہ السلام کا اپنی اس کے پاس پہنچا تو اس نے بہت برا مانا۔ مارے گھمنڈ کے اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھنے لگا اور اپنے وزیروں سے کہا سلیمان بن داؤد کے بارے

میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے مجھے پیغام بھیجا ہے کہ میں اپنی بیٹی اسے دوں، اپنا عقیق کا بت توڑ ڈالوں اور اس کا مذہب اختیار کروں۔ وہ بولے کہ اے عظیم الشان بادشاہ، تو تو اس بڑے سمندر کے اندر ہے سلیمان تیرا کیا کر سکتا ہے؟ اگر وہ تجھ تک پہنچ بھی گیا تو بھی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کیونکہ جنات تیرے ساتھ ہو کر لڑیں گے اور بت جس کی تو پوجا کرتا ہے تیری مدد کرے گا۔ بشرطیکہ تو اس کی مدد مانگے۔ بہتر یہ ہے کہ تو اس بارے میں اپنے رب سے مشورہ کرے، رب سے مطلب ان کا وہی سرخ عقیق کا بت تھا اور اس کی صلاح پر عمل کرے۔ اگر وہ لڑنے کا مشورہ دے تو لڑ ورنہ صلح کر لے۔

یہ سن کر وہ بادشاہ فوراً اپنے بت کے پاس گیا اور جانور ذبح کر کے قربانی چڑھائی، سجدے میں گر گیا اور رو کر کہنے لگا اے میرے پروردگار، میں تیری عزت اور احترام کرتا ہوں مگر دیکھ سلیمان تجھے توڑنے کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہے۔ اے میرے پروردگار میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں۔ جو تو حکم دے گا میں وہ کروں گا۔ اس کے بعد اس دیو نے جو آدھا کھبے کے اندر تھا۔ شیخ عبدالصمد سے کہا۔ اس کے ساتھی دیو کی باتیں سن رہے تھے۔ کہ میں بت کے اندر گیا اور چونکہ میں اپنی جہالت اور نا سمجھی کی وجہ سے سلیمان کی تیاری سے بے خبر تھا۔ میں نے یہ جواب دیا کہ میں تو اس سے نہیں ڈرتا کیونکہ میں ہر بات جانتا ہوں۔ اگر وہ مجھے سے لڑنا چاہتا ہے تو میں اس سے لڑنے کے لیے تیار ہوں اور اس کی روح نکال کر چھوڑوں گا۔ جب بادشاہ نے میرا جواب سنا تو اس کا دل مضبوط ہو گیا۔ اس نے خدا کے بنی سلیمان علیہ السلام سے لڑنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ اس نے اپیلچی کو خوب مارا، سخت جواب دیا اور اپیلچی کے ہاتھ انہیں کہا بھیجا کہ تو نے اپنے آپ کو سمجھا کیا ہے۔ تو مجھے محض گیدڑ بھکیاں دیتا ہے۔ اب اگر تو نے میرے اوپر چڑھائی نہ کی تو میں تیرے اوپر دھاوا بول دوں گا۔ اپیلچی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جا کر سارا ماجرا اور جو کچھ اس کی گت بنی تھی، سب کہہ سنایا۔ یہ سن کر خدا کے بنی سلیمان علیہ السلام نے قیامت برپا کر دی اور بڑی مستعدی کے

ساتھ انسانوں، جنوں، جانوروں، پرندوں اور کیڑوں کا لشکر تیار کیا اور اپنے وزیر دمر پاط جنوں کے بادشاہ کو حکم دیا کہ وہ جتنا دیوؤں کو ہر جگہ سے اکٹھے کرے۔ اس نے ساٹھ کروڑ دیوؤں کو اکٹھا کیا۔ آصف بن برخیا کو انہوں نے حکم دیا کہ وہ اپنی انسانوں کی فوج جمع کرے۔ ان کی تعداد دس لاکھ یا اس سے بھی زیادہ تھی۔ اس کے بعد انہوں نے لڑائی کا سامان اور ہتھیار تیار کئے اور اپنے جنوں اور انسانوں کے لشکر کو لے کر اڑن کھٹولے پر سوار ہو گئے۔ پرندے ان کے اوپر اڑتے ہوئے چلے اور درندے اڑن کھٹولے کے نیچے نیچے روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ ایک میدان میں اترے اور بادشاہ کے جزیرے کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ساری زمین لشکروں سے بھر گئی۔ اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔